

فقہ حنفی کے مشہور فقہیہ امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور ترین کتاب ”کتاب المسائل“ کا ترجمہ اور اردو شرح

موسم بہ

دستِ شرح

کتاب المسائل

مُصنّف

امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ و شرح

علامہ وسیم القادری



پروگریسو بکس

فقہ حنفی کے مشہور فقیہہ امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ کی مسلمانوں

کے اہم دینی مسائل سے تعلق رکھنے والی فقہ کی مشہور ترین

کتاب ”کتاب المسائل“ کا ترجمہ اور اردو شرح

موسوم بہ

شرح

کتاب المسائل

ترجمہ و شرح

علامہ وسیم القادری

مصنف

امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ

پروگرام بکس

Tel: 042-37124354

Fax: 042 37352795

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جملہ حقوق اشاعت برائے
ملت پبلی کیشنز محفوظ ہیں

84862

شرح کتاب المسائل

نام کتاب — شرح کتاب المسائل

مصنف — امام قدوری

مترجم — علامہ قاری محمد وسیم اکرم القادری

اشاعت اول — جون 2011ء

پرنٹرز — حاجی حنیف پرنٹرز

قیمت — 1/- روپے

ملنے کے پتے

المسائل بتکراریو

۱۲ سکنج بخش روڈ لاہور 042-37112941

ملت پبلی کیشنز فیصل مسجد اسلام آباد
فون 051-2254111

یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

فون 042-37124354 فیکس 042-37352795

پروگریس پبلی کیشنز

افتساب

امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام
جن کی شہرہ آفاق کتاب ”قدوری“ کے ذریعے لاکھوں حضرات مسائل دین
سے آگاہی حاصل کر چکے ہیں۔

محمد فیضان



فہرست

۹	ترجمۃ المولف: امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ	✽
۱۴	باب: ۱..... وضو کے بیان میں	
۱۵	فرائض وضو کا بیان	✽
۲۷	سنن وضوء کا بیان	✽
۵۴	مستحبات وضو کا بیان	✽
۶۲	نواقض وضو کا بیان	✽
۷۳	باب: ۲..... غسل کے بیان میں	
۷۴	غسل کی دینی اور طبی اہمیت	✽
۷۹	غسل کے فرائض	✽
۸۱	سنن غسل	✽
۱۰۹	مسنون غسل	✽
۱۱۳	موجبات غسل	✽
۱۱۸	باب: ۳..... پانیوں کے بیان میں	
۱۱۹	پانی کی کیفیت	✽
۱۲۹	باب: ۴..... تیمم کے بیان میں	
۱۳۰	مشروعیت تیمم اور طریقہ	✽
۱۳۳	ضرورت و فرائض تیمم	✽
۱۴۳	نواقض و شرائط تیمم کا بیان	✽
۱۵۱	باب: ۵..... موزوں پر مسح کے بیان میں	

۱۵۲	مسح علی الخفین	✽
۱۵۵	جواز مسح علی الخفین اور شرائط	✽
۱۵۸	موزوں پر مسح کی مدت	✽
۱۶۳	اوصاف موزہ اور نواقض مسح	✽
۱۷۱	باب: ۶..... غلیظہ و خفیفہ نجاست کے بیان میں	
۱۷۲	غلیظہ و خفیفہ نجاست کا بیان	✽

کتاب: ۲ کتاب الصلوٰۃ

۱۷۹	تقسیم کتاب	✽
۱۸۳	نماز..... فرضیت و فضائل	✽
۲۱۵	باب: ۱..... اوقات نماز کے بیان میں	
۲۱۶	اوقات نماز اور فقہاء کرام	✽
۲۱۸	وقت نماز فجر	✽
۲۲۰	وقت نماز ظہر و عصر	✽
۲۲۵	وقت نماز مغرب، عشاء و وتر	✽
۲۲۹	نمازوں کے مستحب اوقات	✽
۲۳۲	باب: ۲..... اذان کے بیان میں	
۲۳۵	اذان فضیلت و اہمیت	✽
۲۳۳	اذان مسائل و شرائط	✽
۲۶۳	باب: ۳..... نماز سے پہلے کی شرائط	
۲۶۳	شرائط نماز	✽
۲۶۵	نماز میں دخول کی شرائط	✽
۲۷۵	باب: ۴..... نماز کی ادائیگی کی کیفیت	

- ۲۷۶ اندرون نماز کی شرائط ❀
- ۲۸۳ ارکان و سنن نماز ❀
- ۳۰۵ باب: ۵..... قرأت کا بیان ❀
- ۳۰۶ قرأت کے اہم مسائل ❀
- ۳۰۸ قرأت کا بیان ❀
- ۳۱۶ باب: ۶..... جماعت کا بیان ❀
- ۳۱۷ امامت کے اہم مسائل ❀
- ۳۲۱ امامت و جماعت کا بیان ❀
- ۳۳۲ باب: ۷..... نماز کے منافی امور ❀
- ۳۳۵ نماز کے منافی امور ❀
- ۳۳۸ مکروہات و مفسدات نماز ❀
- ۳۵۱ باب: ۸..... فوت شدہ نمازوں کو ادا کرنے کے بیان میں ❀
- ۳۵۲ فوت شدہ نمازوں کے احکام ❀
- ۳۵۳ فوت شدہ نمازوں کی ادائیگی کا طریقہ اور مسائل ❀
- ۳۵۶ باب: ۹..... وہ اوقات جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہے ❀
- ۳۵۷ مکروہ اوقات ❀
- ۳۵۹ نماز کے مکروہ اوقات کا بیان ❀
- ۳۶۳ باب: ۱۰..... سنت اور نفل نمازوں کا بیان ❀
- ۳۶۳ مسنون اور نفل نمازوں کی ادائیگی ❀
- ۳۶۶ مسنون اور نفل نمازوں کی ادائیگی کا بیان ❀
- ۳۷۵ باب: ۱۱..... نماز جمعہ کا بیان ❀
- ۳۷۶ جمعہ کے اہم ترین فقہی مسائل ❀

- ۳۸۰ نماز جمعہ کا بیان *
 ۳۹۳ باب: ۱۲..... عیدین کی نماز کا بیان
 ۳۹۴ عیدین کے چند اہم مسائل *
 ۳۹۶ عید الفطر کا بیان *
 ۴۰۹ عید الاضحیٰ کا بیان *
 ۴۲۴ باب: ۱۳..... مریض کی نماز کا بیان
 ۴۲۵ مریض کی نماز کے اہم مسائل *
 ۴۲۷ صلوٰۃ المریض کا بیان *
 ۴۳۳ باب: ۱۴..... صلوٰۃ المسافر کا بیان
 ۴۳۴ مسافر کی نماز کا بیان *
 ۴۳۸ مسافر کے نماز کے احکام *
 ۴۵۲ باب: ۱۵..... صلوٰۃ الخوف کا بیان
 ۴۵۳ مسائل نماز خوف *
 ۴۵۷ نماز خوف کا بیان *
 ۴۶۱ باب: ۱۶..... سجود سہو کا بیان
 ۴۶۲ سجود سہو کا بیان *
 ۴۶۴ سجود السہو کا بیان *
 ۴۷۳ باب: ۱۷..... صلوٰۃ الکسوف کا بیان
 ۴۷۴ صلوٰۃ الکسوف کا بیان *
 ۴۷۵ سورج گرہن کی نماز کے اہم مسائل *
 ۴۷۹ باب: ۱۸..... صلوٰۃ الاستسقاء کا بیان
 ۴۸۰ صلوٰۃ الاستسقاء کے اہم مسائل اور شرعی ثبوت *

۴۸۲	صلوٰۃ الاستسقاء کا بیان	✽
۴۸۶	باب: ۱۹.....صلوٰۃ فی الکعبہ کا بیان	
۴۸۷	کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کے بیان میں	✽
۴۹۰	باب: ۲۰.....صلوٰۃ الجنائزہ کا بیان	
۴۹۱	نماز جنائزہ کے مسائل کا بیان	✽
۴۹۵	نماز جنائزہ کا بیان	✽
۵۱۲	باب: ۲۱.....شہید کا بیان	
۵۱۳	شہید کے مسائل کا بیان	✽
۵۱۵	باب الشہید	✽
۵۲۰	باب: ۲۲.....سجدہ تلاوت کا بیان	
۵۲۱	سجدہ تلاوت کے اہم فقہی مسائل	✽
۵۲۲	سجدہ تلاوت کا بیان	✽



ترجمة المؤلف :

امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب :

ان کا نام احمد ابو الحسن کسبیت قدوری نسبت اور والد کا نام محمد ہے۔ جائے پیدائش بغداد ہے جہاں آپ ۳۶۲ھ میں پیدا ہوئے۔ شجرہ نسب یہ ہے: ابو الحسن احمد بن ابی بکر محمد بن احمد بن جعفر بن حمدان البغدادی القدوری۔

لفظ قدوری کی تحقیق :

مشہور مورخ ابن خلکان اپنی کتاب ”وفات الاعیان“ میں لکھتے ہیں کہ لفظ قدور (بضم قاف والداں وسکون الواو) قدر کی جمع ہے جس کے معنی ہانڈی یا دیگ کے ہیں۔ مصنف کے اس لقب سے ملقب ہونے کا سبب مجھے معلوم نہیں۔ البتہ صاحب مدینہ العلوم نے اس بارے میں دو قول پیش کئے ہیں اور وہ یہ کہ یا تو قدر اس گاؤں کا نام ہے جس کے امام موصوف باشندے تھے دوسرے یہ کہ آپ کے آباؤ اجداد دیگ سازی کے پیشے سے منسلک تھے اس لیے وہ اس سے منسوب ہو کر قدوری کہلائے۔

تحصیل علم :

امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے علم فقہ اور علم حدیث رکن الاسلام ابو عبد اللہ محمد بن یحییٰ بن مہدی جرجانی متوفی ۴۱۵ھ سے حاصل کیا۔ جو امام ابو بکر احمد بھصا ص کے شاگرد

ہیں اور ابوبکر ہصاحی شیخ ابوالحسن عبید اللہ کرخی کے شاگرد رشید ہیں اور امام کرخی شیخ ابوسعید بروعی کے خوشہ جیں ہیں اور ابوسعید بروعی علامہ موسیٰ رازی کے فیض یافتہ ہیں اور موسیٰ رازی امام محمد شیبانی کے علم پروردہ اور مایہ ناز فرزند ہیں۔ گویا امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ واسطوں سے امام محمد شیبانی رحمۃ اللہ علیہ سے علم فقہ حاصل کیا ہے۔ حدیث محمد بن علی بن سوید اور عبید اللہ بن محمد جوشنی سے روایت کرتے ہیں ابوبکر احمد بن علی بن ثابت خطیب بغدادی صاحب تاریخ، قاضی القضاة ابو عبد اللہ محمد بن محمد وامغانی، قاضی مفضل بن مسعود بن محمد بن یحییٰ بن ابی الفرج تنوخی متوفی ۴۲۳ھ صاحب اخبار النخوعین وغیرہ کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔

خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ میں نے آپ سے حدیث لکھی ہے۔ آپ صدوق تھے اور حدیث کی روایات کم کرتے تھے۔ علامہ سمعانی فرماتے ہیں:

”کان فقیہا صدوقا انہت الیہ ریاسة اصحاب ابی حنیفة بالعراق
وعز عندهم قدره وارتفع جاہه وکان حسن العبارة فی النظر مدیم
التلاوة القرآن“۔

”آپ فقیہ اور صدوق تھے آپ کی وجہ سے عراق میں ریاست مذہب حنفیہ کمال پر پہنچی اور آپ کی بڑی قدر منزلت ہوئی۔ آپ کی تقریر تحریر میں بڑی دل کشی تھی۔ آپ ہمیشہ تلاوت قرآن کرتے تھے۔“

ابو محمد القاضی نے طبقات الفقہاء میں آپ کا تذکرہ کیا اور پر زور الفاظ میں آپ کی تعریف کی ہے۔

امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے چھ واسطوں سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۵۰ھ) سے علم حاصل کیا۔ ان کے اور شیخ ابو حامد اسفراکینی (متوفی ۴۰۸ھ) کے درمیان مدت تک مناظرے ہوتے رہے۔ انہوں نے متعدد تالیفات یادگار چھوڑی ہیں جن میں سے ”کتاب التجرید“ بہت اہم ہے۔ یہ سات جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں

اصحاب حنفیہ اور شافعیہ کے اختلافی مسائل پر محققانہ بحث کی گئی ہے۔ باقی کتابوں میں کتاب التقریب، مسائل الخلاف، شرح ادب القاضی اور شرح مختصر الکفری وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ مسائل الخلاف میں علامہ قدوری نے علل و دلائل کا ذکر کیے بغیر مہض یہ بیان فرمایا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ اور اصحاب ابو حنیفہ کے درمیان فروعی اختلافات کی نوعیت و ماہیت کیا ہے۔ جبکہ کتاب التقریب میں علامہ قدوری نے فقہی مسائل کو دلائل و براہین کی کسوٹی پر رکھ کر واضح کیا ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی امام قدوری کے بارے میں ”رسم المفتی میں رقم طراز ہیں کہ ”فقہاء کا پانچواں طبقہ اصحاب الترجیح کا ہے جیسے کہ علامہ ابوالحسن القدوری اور صاحب ہدایہ وغیرہ۔ ان اصحاب کبار کی امتیازی شان یہ ہے کہ یہ بعض روایات کو بعض پر یہ کہہ کر ترجیح دیتے ہیں کہ یہ روایت دیگر کے مقابلے میں زیادہ اولیٰ، زیادہ واضح، زیادہ صحیح اور قیاس کے زیادہ موافق ہے۔ چنانچہ اس میں لوگوں کے لیے زیادہ آسانی ہے۔“

اہل کمال کی قدردانی:

اختلاف عقائد و اختلاف جزئیات کے باوجود مخالفین سے حسن سلوک اور اہل کمال کی قدردانی ہمارے اسلاف کا عام شیوہ رہا ہے۔ امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ابو حامد اسفرائینی شافعی کے مابین ہمیشہ علمی اور حدیثی مناظرے رہے ہیں، مگر امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ پھر بھی ان کی نہایت تعظیم کرتے تھے۔

فقہی مقام:

ابن کمال پاشا نے امام قدوری اور صاحب ہدایہ کو پانچویں طبقہ میں شمار کیا ہے جن کی کارکردگی صرف اتنی ہی ہوتی ہے کہ صاحب مذہب سے جو مختلف روایتیں ہوں ان میں سے کون افضل ہے اور کون مفضول اس کے متعلق وضاحت سے بتاتے ہیں:

”کقولہم هذا اولیٰ. هذا اصح رواۃ“

لیکن اکثر علماء نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ حضرات قاضی خاں وغیرہ سے

بڑھے ہوئے ہیں اور بالغرض بڑھے ہوئے نہ ہوں تو برابر کے ضرور ہیں۔ پس امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی تیسرے طبقہ میں شمار کرنا چاہیے۔

کرامت عجیبہ:

زیر نظر کتاب ”مختصر القدوری“ کا خلاصہ ہے۔ مختصر القدوری آج سے قریباً ایک ہزار برس پیشتر کی تصنیف ہے۔ اس کے مؤلف نے بیسیوں کتابوں سے تقریباً بارہ ہزار ضروری مسائل اخذ کر کے اسے ترتیب دیا ہے۔ اس کی مقبولیت اور عظمت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ کم و بیش تیس علماء نے اس کی شرحیں لکھیں جن میں حنفی فقہ کی شہرہ آفاق کتاب الہدایہ نہایت بلند مقام کی حامل اور مستند تصور کی جاتی ہے۔ کتاب مختصر القدوری کا متن بالعموم تمام دینی مدارس کے نصاب میں شامل ہے۔ شارح کتاب الہدایہ علامہ بدرالدین عینی نے اس کے بارے میں ایک حیرت انگیز واقعہ نقل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ جب اپنی تالیف سے فارغ ہوئے تو اسے ہمراہ لے کر سفر حج پر چلے گئے۔ جب فریضہ حج ادا کر چکے تو حق تعالیٰ سے دعا کی: ”بارالہا! اگر مجھ سے اس کی تالیف کے دوران کوئی بھول چوک یا خطا ہوگئی ہے تو مجھے اس پر مطلع فرمادے۔“ اس کے بعد جب انہوں نے کتاب کھول کر اس کے ایک ورق کا معائنہ کیا تو پانچ چھ مقامات سے متن کا کچھ حصہ غائب ہو چکا تھا۔

بنا کے آئینہ دیکھے ہے پہلے آئینہ گر

ہنر پرور اپنے بھی عیب و ہنر کو دیکھتے ہیں

مختصر القدوری انتہائی قدیم اور معتبر ترین متن ہے۔ اس میں علامہ نے بڑی عرق ریزی اور دیدہ وری سے چھان بین کر کے اکٹھے کتابوں سے تقریباً بارہ ہزار ضروری مسائل کا انتخاب ہے۔ یہ کتاب عہد تصنیف سے آج تک پڑھی جا رہی ہے۔ رب کریم نے اس کتاب کی عظمت حنفی مسلمانوں میں اس بڑھادی ہے کہ طاش کبریٰ زادہ نے لکھا

ہے:

”ان هذا المختصر تبرک به العلماء حتی جرّبوا قرأته اوقات

الشدائد وایام الطاعون۔“

”علماء نے اس کتاب سے برکت حاصل کی ہے، مصائب اور طاعون میں

اس کو آزمایا ہے۔“

صاحب ”مصباح انوار الادعیہ“ نے ذکر کیا ہے کہ جو شخص اس کو حفظ کر لے وہ فقر و فاقہ سے مامون رہے گا۔ نیز جو شخص اس کو کسی صالح استاد سے پڑھے اور وہ ختم کے وقت برکت کی دعا کرے تو ان شاء اللہ! وہ اس کے مسائل کے شمار کے موافق دراہم کا مالک ہوگا۔

کشف الظنون وغیرہ میں اور چیزیں بھی اس سلسلہ میں نقل کی گئی ہیں۔ کم از کم اتنا تو ہمیں بھی ماننا چاہئے کہ مصنف کے تقویٰ اور تقدس کا اثر پڑھنے والوں کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

رحلت:

امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے شہر بغداد میں بعمر 66 سال اتوار کے روز ۵ رجب ۴۲۸ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور اسی روز درب ابی خلف میں مدفون ہوئے لیکن بعد ازاں آپ کی نعش کو شارع منصور کی طرف منتقل کر دیا گیا۔ اب آپ ابو بکر خوارزمی حنفی کے پہلو میں آرام فرما ہیں۔ مادہ تاریخ وفات ”لامع الغور“ ہے۔

ہزاراں	فیض	برجان	وتنش	باد
بجاناں	دیدہ	جاں	روشنش	باد



باب : ۱

وضو کے بیان میں

فرائض وضو کا بیان

”قال الله تعالى: ((يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ)) (المائدة: ۶/۵) ”فرض الطهارة غسل الاعضاء الثلاثة ومسح الراس والمرفقان والكعبان يدخلان في فرض الغسل عند علمائنا الثلاثة خلاف الزفر والمفروض في مسح الراس مقدار الناصية وهو ربع الراس لما روى المغيرة بن شعبان النبي ﷺ أتى سباطة قوم فبال وتوضا ومسح على الناصية وخفيه.“

”اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اے ایمان والو! جب تم نماز کا ارادہ کرو تو اپنے منہ دھولو اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور پاؤں ٹخنوں تک دھولو۔ فرائض طہارت میں تینوں اعضاء کا دھونا اور سر کا مسح کرنا شامل ہے۔ کہنیاں اور ٹخنے دھونے کے فرض میں داخل ہیں۔ ہمارے تینوں علماء کے نزدیک برخلاف امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے۔ فرض سر کے مسح میں پیشانی کی مقدار ہے اور وہ چوتھائی سر ہے کیونکہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک قوم کی روڑی پر تشریف

لائے اور پیشاب کر کے وضو کیا اور مقدار ناصیہ کا مسح کیا اور دونوں موزوں پر بھی مسح کیا۔“

مفردات:

”اذقتم الی الصلوٰۃ: ای اردتم القیام الی الصلوٰۃ وانتم

محدثون۔“

”جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ کا معنی ہے کہ جب تم نماز کی طرف قیام کا

ارادہ کرو اور تم بے وضو ہو تو وضو کرو۔“

”فاغسلوا: غسل بفتح غین لغت میں کسی چیز پر بہا کر میل کچیل دور کرنے کو

کہتے ہیں اور غسل بضم غین تمام بدن کے دھونے کو کہتے ہیں۔ غسل اس پانی کو بھی کہتے

ہیں جس سے غسل کیا جائے اور غسل بکسر غین خطمی وغیرہ کو کہتے ہیں جس سے سردھویا

جاتا ہے۔ شرعاً پانی بہانے کو غسل کہتے ہیں اگرچہ ایک ہی قطرہ ٹپکے۔ شیخ برہان الدین

کی کتاب ”الفیض“ میں ٹپکنے کا کتر درجہ یہ ہے کہ دو بوندیں ٹپکیں۔

وجوہکم: وجوہ وجہ کی جمع ہے بمعنی چہرہ

ایدیکم: ایدی ید کی جمع ہے بمعنی ہاتھ۔

الی المرافق: مرافق جمع ہے بمعنی کہنی۔

وامسحوا: مسح کے معنی بھیگا ہوا ہاتھ پھیرنا۔

برؤسکم: رؤس رأس کی جمع ہے بمعنی سر۔

ارجلکم: ارجل رجل کی جمع ہے بمعنی پاؤں۔

الی الکعبین: کعبین کعب کا تشبیہ ہے بمعنی اُبھری ہوئی ہڈی یعنی ٹخنہ اس

سے لفظ کا عب ہے بمعنی نوخیز اور اُبھری ہوئی پستان والی لڑکی۔

ناصیہ: پیشانی۔ سر کے چار حصے ہیں..... ناصیہ ، قذال اور فودان۔ پس

سر کے جس حصہ کے بالوں کی روئیدگی آگے کی جانب ہے اس حصے کو ناصیہ کہتے ہیں۔

مغیرہ بن شعبہ: کا تلفظ بضم میم و کسر نین ہے۔ یہ مشہور صحابی ہیں۔ غزوہ خندق کے سال مشرف باسلام ہوئے آخری عمر میں کوفہ میں قیام فرمایا اور وہیں پر 50 یا 51 ہجری میں وفات پائی۔ آپ سے 136 حدیثیں مروی ہیں۔

سباطہ: روڑی۔

فبال: یہ باب نصر سے واحد مذکر غائب فعل ماضی مطلق مثبت معروف کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے: بول اور پیشاب کرنا۔

خفیہ: خف کی تشبیہ ہے بمعنی موزہ۔ یہ اصل میں خفین تھا تشبیہ کا نون ہاضمیر کی طرف اضافت کی وجہ سے ساقط ہو گیا۔

مسائل و دلائل

اقسام طہارت:

طہارت کی دو قسمیں ہیں:

- 1: طہارت صغریٰ (وضو)
- 2: طہارت کبریٰ (غسل)

وضو کا بیان مقدم کیوں:

مصنف نے وضو کے بیان کو بیان غسل پر مقدم کیا ہے کیونکہ آیت وضو اور تعلیم جبرائیل علیہ السلام میں وضو ہی مقدم ہے۔ نیز بمقابلہ غسل وضو کی احتیاج زیادہ ہوتی ہے۔ پھر صاحب کتاب نے تیمنا اور تبرکاً بحث کی ابتدا قرآن کریم کی آیت سے کی ہے۔ نیز دلیل چونکہ رتبے کے اعتبار سے مقدم ہوتی ہے۔ اس لیے اولاً آیت کریمہ کو ذکر کیا۔ اس کے بعد فرضیت وضو کے دعوے کو اس پر مرتب کیا۔

آٹھ چیزیں:

آیت مقدسہ ایسی آٹھ چیزوں پر مشتمل ہے جن میں سے ہر ایک ثنی یعنی دو دو

ہے:

1: طہارتین (وضو اور غسل)

2: مطرین (پانی اور مٹی)

3: حکمین (دھونا اور مسح)

4: موجبین (حدث اور جنابت)

5: مبیحین (مرض اور سفر)

6: دلیلین (وضو میں دلیل تفصیلی کہ غسل و مسح اعضاء کو بالتفصیل بتایا اور غسل میں دلیل اجمالی کہ اس میں بطریق اجمال صرف ”فاطهروا“ فرمایا۔

7: کنایتین (غایت جو قضاء حاجت بشریٰ سے کنایہ ہے اور ملامت جو جماع سے کنایہ ہے)

8: کرامتین (تظہیر ذنوب اور اتمام نعمت)

اِذَا اور اِنَّ:

جب وقوع شرط کا یقین یا امید قوی ہو تو لفظ ”اِذَا“ استعمال ہوتا ہے اسی لیے وضو کی بابت کلمہ ”اِذَا“ آیا ہے جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز امور لازمہ ثابتہ میں سے ہے اور بنظر دیانت مسلم غالب الوجود ہے اور جب وقوع شرط کا یقین نہ ہو یعنی اس کے ہونے اور نہ ہونے میں ”تردد ہو تو کلمہ ”اِنَّ“ استعمال کرتے ہیں۔ جنابت کی بابت اسی لیے کلمہ ”اِنَّ“ آیا ہے جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جنابت امور عارضہ میں سے ہے اور قلیل الوجود ہے۔

آیت کے نزول سے پہلے وضو تھا؟:

سوال: آیت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہ آیت باتفاق مفسرین مدنی ہے یعنی ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے اور نماز کی فرضیت اس سے بہت پہلے مکہ میں ہو چکی تھی۔ معلوم ہوا کہ آیت کے نزول تک آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بلا وضو نماز پڑھی۔

جواب: اس سے بلا وضو نماز پڑھنا لازم نہیں آتا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وضو کا ثبوت وحی غیر مقلو کے ذریعے سے ہو یا اس سلسلے میں شریعت سابقہ پر عمل ہو۔ جس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں آپ نے اعضاء وضو کو تین تین بار دھو کر ارشاد فرمایا:

”هذا وضوئی ووضو الانبیاء من قبلی“

”یہ میرا وضو ہے اور ان پیغمبروں کا وضو ہے جو مجھ سے پہلے تھے۔“

پاؤں دھونا:

☆: ”اپنے پاؤں دھولو۔“

”ارجلکم“: کو حضرت نافع، ابن عامر، کسائی، یعقوب اور امام حفص نے امام کے نصب (زبر) کے ساتھ پڑھا ہے اور دیگر قراء کی قرأت جر (زیر) کے ساتھ ہے۔ پہلی قرأت کا مفاد یہ ہے کہ دونوں پاؤں کا دھونا فرض ہے کیونکہ قرأت نصب کے مطابق اس کا عطف ”وجوه“ پر ہے اور اعضاء مغسولہ میں داخل ہے۔ سنت متداولہ عمل صحابہ اور اجماع اہل سنت اسی پر ہے۔ اکثر ائمہ کے اقوال اور ”الی الکعبین“ کے ساتھ تحدید اس کی مؤید ہے کیونکہ مسح کا محدود ہونا معہود نہیں بلکہ تجدید مغسولات ہی میں وارد ہے۔

دوسری قرأت کا مفاد یہ ہے کہ پاؤں پر مسح کرنا کافی ہے۔ رافضیوں کا مذہب یہی ہے۔ یہ لوگ ”ارجلکم“ کو ”دؤس“ پر معطوف مانتے ہیں اور ر کے کسرہ کی قرأت کو اپنی حجت کہتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ کسرہ محض محاورۃ اور قرب کے لحاظ سے ہے جیسا کہ قاضی بیضاوی وغیر نے اس کی تصریح کی ہے اور قرآن پاک و اشعار عرب میں اس کے نظائر بکثرت موجود ہیں۔ صاحب کشاف نے اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ پاؤں چونکہ پانی بہا کر دھوئے جاتے ہیں جس میں اسراف مذموم کا امکان ہے اس لیے ”ارجلکم“ کا عطف مسموح پر کیا گیا تاکہ اس بات کی تنبیہ ہو جائے کہ پانی بہانے میں اسراف نہیں ہونا چاہئے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”نصب کی صورت اثباتِ غسلِ رجل کے لیے ہے اور جر کی صورت اثباتِ جوازِ مسحِ علی الخفین کے لیے ہے۔“

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اس آیت کی بابت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول احسن الاقوال ہے۔ ابن الجوزی نے بھی اس کی تحسین کی ہے۔“

بہر کیف احادیث صحیحہ سے یہ بات بالکل واضح طور پر ثابت ہے کہ پاؤں کا دھونا ضروری ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ مکہ سے مدینہ کی طرف کو واپس ہوئے۔ راہ میں ایک چشمہ پر پہنچے تو لوگ جلدی جلدی عصر کے لیے وضو کر کے واپس ہو گئے۔ اس حال میں کہ ان کے ٹخنے چمک رہے تھے یعنی ان پر پانی نہیں پہنچا تھا۔ یہ دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”ویل للاعقاب من النار اسبغوا الوضوء۔“

”جہنم کی آگ ہے ان پاؤں کے لیے جو وضو میں خشک رہ جائیں۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”میرے نزدیک پاؤں کاٹ ڈالنا پسندیدہ تر ہے اس سے کہ میں پاؤں میں موزے نہ ہونے کی حالت میں قدمین پر مسح کروں۔“

امام محمد باقر بطریق زین العابدین بواسطہ حسن بن علی حضرت علی رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے وضو کیا اور دونوں پاؤں دھوئے پھر فرمایا:

”میں تمہیں یہ دکھانا چاہتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح وضو کرتے تھے۔“

آپ کا طریقہ بھی یہی تھا جس طرح میں نے وضو کیا ہے۔“

اسی طرح حارث نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے آپ کہتے تھے

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تم دونوں پاؤں دھو ڈالا کرو جیسا کہ تمہیں حکم ہے۔“

(کلینی)

مولانا نظام الدین کیرانوی نے ”التقیح الضروری“ میں نقل کیا ہے کہ رافضیوں کا ایک مجتہد کلینی پڑھا رہا تھا اور اس کے اردگرد بہت سے طلبہ بیٹھے ہوئے تھے۔ یکا یک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہی پاؤں دھونے والی حدیث کلینی میں نکل آئی۔ اس پر تمام طلبہ ازراہ تعجب ایک دوسرے کو تکتے لگے کیونکہ وہ اہل سنت و جماعت کے مذہب کے موافق تھی۔ پس سب نے یک زبان ہو کر مجتہد سے سوال کیا۔ اس نے کہا:

”اس کی شرح لاؤ۔“

وہ شرح لائے تو اس میں یہ نکلا کہ ان دنوں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقیہ کر رکھا تھا۔ اس جواب سے خود مجتہد کو بھی تعجب ہوا اور اس نے سر جھکا لیا اور بہت دیر تک سوچ کر بولا کہ میرے خیال میں تو اس کا جواب سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اس حدیث کے راویوں میں جرح قدح کی جائے۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

وضو کے چار فرائض:

”طہارت کے فرائض۔“

اس عبارت میں بتایا جا رہا ہے کہ فرائض وضو چار ہیں۔ چہرہ کا اور دونوں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت اور دونوں پاؤں کا ٹخنوں سمیت ایک مرتبہ دھونا اور چوتھائی سر کا مسح کرنا۔

چہرہ:

☆: ”اپنے چہرے دھولو۔“

چہرہ کی حد ہدایہ اور کنز وغیرہ میں یوں مذکور ہے:

”هو من قصاص شعره الى اسفل ذقنه والى شحمتى الاذن“

”چہرہ کی حد لمبائی میں سر کے بالوں کی آخری حد سے ٹھوڑی کے نیچے تک

ہے اور چوڑائی میں ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک ہے۔“
 اس تعریف پر **اغم**، **اصلع** اور **انزع** کا اعتراض وارد ہوتا ہے۔ **اغم** وہ شخص ہے جس کے بال سر سے اتر کر پیشانی پر جمے ہوں۔ **اصلع** وہ ہے جس کے مقدم سر پر بال نہ ہوں۔ **انزع** وہ ہے جس کی پیشانی کی دونوں جانبیں بالوں سے خالی ہوں۔ اب تعریف مذکور سے **اصلع** اور **انزع** کو سر کا دھونا اور **اغم** کی پیشانی کے دھونے کا ساقط ہونا لازم آتا ہے۔ اس لیے **وجہ** کی تعریف میں صاحب درمختار وغیرہ کا قول:

”من مبدأ سطح وجہہ الی اسفل ذقنہ۔“

بہتر ہے کیونکہ یہ تعریف **اغم** اور **اصلع** وغیرہ سب کو شامل ہے۔

اعضائے ثلاثہ:

☆: ”تین اعضاء کو دھونا۔“

یہاں اعضاء ثلاثہ سے مراد چہرہ، دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں ہیں۔

سوال: اعضاء مغسولہ تو درحقیقت پانچ ہیں نہ کہ تین؟

جواب: صاحب کتاب نے ان کو تین اس لیے کہا ہے کہ **یدین** (دونوں

ہاتھ) اور **رجلین** (دونوں پاؤں) حکم میں بمنزلہ عضو واحد ہیں۔ کیونکہ جب اشیاء متفرقہ خطاب واحد کے تحت میں داخل ہوں تو وہ شے واحد کے درجہ میں ہوتی ہیں۔

کہنیوں اور ٹخنوں کو دھونا:

☆: ”ہاتھ دھونا کہنیوں سمیت اور پاؤں دھونا ٹخنوں سمیت۔“

اس عبارت کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

”وایدیکم الی المرافق“

”دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھوئے جائیں۔“

”وارجلکم الی الکعبین“

”اور پاؤں دھوئے جائیں ٹخنوں سمیت۔“

اس آیت میں ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ہاتھ پاؤں کے دھونے میں کہنیاں اور ٹخنے داخل ہیں اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خارج ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ جب کسی چیز کی انتہا بیان کی جاتی ہے تو اس میں خود انتہا داخل نہیں ہوتی جیسا کہ روزے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”فاتموا الصیام الی اللیل“ (البقرة: ۱۸۷/۲)

”روزے کو رات تک پورا کرو۔“

اس میں غایت یعنی رات مغیا یعنی روزہ میں بالاتفاق داخل نہیں۔ اسی طرح یہاں بھی کہنیاں اور ٹخنے ہاتھ پاؤں کے حکم داخل نہیں ہونے چاہئیں۔ ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک دونوں غایتوں میں فرق ہے۔ لہذا ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں کیونکہ ہاتھ پاؤں کا اطلاق پورے اعضاء پر ہوتا ہے۔ اگر یہ حد نہ بتائی جاتی تو بظاہر تمام اعضاء ہی مراد ہوتے۔ اس لیے یہاں الی اسقاط غایت کے لیے نہیں بلکہ اسقاط اور غایت کے لیے ہے یعنی کہنیاں اور ٹخنے حکم غسل (دھونے کے حکم) میں داخل ہیں اور ان سے باہر کا حصہ خارج، بخلاف روزہ کے کہ اس کا اطلاق ایک گھڑی کھانے، پینے اور جماع سے رکنے پر بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے وہاں ”الی“ مد حکم کے لیے ہے نہ کہ اسقاط کے لیے یعنی روزہ کا حکم صبح سے کھینچ کر شام تک لانا ہے اور رات کو اس حکم سے خارج کرنا ہے۔

اقسام غایات:

غایات کی چار قسمیں ہیں:

- 1: غایت مکان
- 2: غایت زمان
- 3: غایت عدد

4: غایتِ فعل

غایتِ مکان کی مثال جیسے:

”من هذا الحائط الى هذا الحائط“

غایتِ زمان کی مثال جیسے:

”ثم اتموا الصيام الى الليل“ (البقرة: ۱۸۷/۲)

ان دونوں میں غایتِ مغیا میں داخل نہیں ہوتی۔

غایتِ عدد کی مثال جیسے:

”انت طالق من واحدة الى ثلاث“

اس میں **رأسها** کو منصوب پڑھا جائے تو غایتِ مغیا میں داخل ہوگی اور حتی داؤ کے معنی میں داخل ہوگا اور اگر مجرور پڑھا جائے تو داخل نہ ہوگی اور حتی الی کے معنی میں ہوگا۔

سر کے مسح کی مقدار:

☆: ”فرض سر کے مسح میں پیشانی کی مقدار ہے اور وہ چوتھائی سر ہے۔“

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ مسحِ رأس میں ناصیہ کی مقدار پر مسح کرنا ضروری ہے جس کی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کی روڑی پر تشریف لائے اور پیشاب سے فراغت کے بعد وضو کرتے ہوئے بقدر (ناصیہ) پیشانی سر پر اور دونوں موزوں پر مسح کیا۔

(صحیح مسلم۔ سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، طحاوی، سنن دارقطنی، سنن بیہقی، طبرانی کبیر، مسند احمد)

یہ حدیث بلا اختلاف صحیح اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف حجت ہے جو تین بالوں کے مسح کو کافی سمجھتے ہیں اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف بھی حجت ہے جو تمام سر کے مسح کو فرض کہتے ہیں۔

سوال: حدیث مغیرہ اخبار آحاد میں سے ہے اور خبر واحد کے ذریعے سے کتاب اللہ پر

زیادتی جائز نہیں۔ لہذا اس سے چوتھائی سر کے مسح کی فرضیت ثابت کرنا صحیح نہیں۔
جواب: یہ کتاب اللہ پر زیادتی نہیں ہے بلکہ کتاب اللہ اس سلسلہ میں مجمل ہے اور حدیث مذکور اس کی تفصیل بیان کر رہی ہے۔

مسح راس کی مقدار کے سلسلہ میں احناف سے تین روایتیں منقول ہیں:

1: پہلی روایت جو سب سے زیادہ مشہور اور فقہ کے معتبر متون میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ چوتھائی سر کا مسح فرض ہے۔

2: دوم یہ کہ مقدار ناصیہ فرض ہے۔ صاحب کتاب کے نزدیک یہی مختار ہے۔ اسی کو صاحب کتاب اور صاحب ہدایہ نے سر کا چوتھائی حصہ کہا ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ ناصیہ چوتھائی سر سے کچھ کم ہے۔

3: سوم یہ کہ تین انگلیوں کی مقدار ہے۔ بدائع میں ہے کہ یہ اصول کی روایت ہے اور ظہیر یہ میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے لیکن خلاصہ میں ہے کہ یہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ اس لیے بعض متاخرین نے کہا ہے کہ یہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ظاہر الراویہ ہے نہ کہ امام اعظم سے۔

حدیث حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے چھ باتیں مستفاد ہوتی ہیں:

1: غیر کی مملو کہ جگہ جب کہ وہ خراب و ویران ہو تو اس میں مالک کی اجازت کے بغیر داخل ہو جا سکتا ہے۔

2: اس طرح کی جگہ میں پیشاب کر سکتا ہے پاخانہ نہیں کر سکتا کیونکہ پیشاب زمین میں جذب ہو جاتا ہے اور اس کا اثر باقی نہیں رہتا۔

3: پیشاب ناقض وضو ہے۔

4: پیشاب کے بعد فوراً وضو کر لینا مستحب ہے۔

5: مسح راس میں ناصیہ کی مقدار پر مسح کرنا ضروری ہے۔

6: موزوں پر مسح کرنا ثابت و جائز ہے۔

سوال: حدیث مغیرہ سے دلیل پکڑنا دلیل مطابق دعویٰ نہیں ہے کیونکہ دعویٰ مقدار ناصیہ ہے اور دلیل اس پر دال ہے کہ مسح بعینہ ناصیہ پر ہے۔

جواب: مدعا رُبِیع رَأْس ہے اور مسح علی الناصیہ ظاہراً رُبِیع رَأْس کے موافق ہی ہوتا ہے۔ لہذا دلیل مدعا کے موافق ہے۔



سنن وضوء کا بیان

وسنن الطهارة غسل اليدين ثلاثا قبل ادخالهما الاناء اذا استيقظ المتوضي من نومه وتسمية الله تعالى في ابتداء الوضوء والسواك والمضمضة والاستنشاق ومسح الاذنين وتخليل اللحية والاصابع وتكرار الغسل الى الثلث۔“

”اور وضو کی سنتیں یہ ہیں: دونوں ہاتھ تین بار دھونا ہے برتن میں ڈالنے سے پہلے جب بیدار ہو وضو کرنے والا نیند سے، بسم اللہ پڑھنا وضوء کے شروع میں، مسواک اور کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، دونوں کانوں کا مسح کرنا، داڑھی اور انگلیوں کا خلال کرنا اور اعضاء کو تین تین بار دھونا۔“

مفردات:

سنن: سنت کی جمع ہے۔ سنت کا معنی ہے: دستور اور طریقہ جبکہ سنن سے مراد ہیں ”طریقے“۔

ادخال: داخل کرنا۔ یہ باب افعال کا مصدر ہے۔

الاناء: برتن۔

استيقظ: بیدار ہونا۔

نوم: نیند۔

تسمیہ: بسم اللہ پڑھنا۔

السواک : مسواک کرنا۔

مضمضة : کلی کرنا۔

استنشاق : ناک میں پانی ڈالنا۔

اذنین : اذن کا تثنیہ ہے بمعنی کان۔

تخلیل : خلال کرنا۔

لحیة : داڑھی۔

الاصابع : اصبع کی جمع ہے بمعنی انگلی۔

مسائل ودلائل

سنت کا مفہوم:

سنن سنت کی جمع ہے۔ از روئے لغت سنت مطلق طریقہ کو کہتے ہیں۔ وہ پسندیدہ ہو یا ناپسندیدہ اس میں کوئی فرق نہیں۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

”من سن سنة حسنة كان له ثوابها و ثواب من عمل بها الى يوم القيامة

ومن سن سنة سيئة كان عليه وزرها و وزر من عمل بها الى يوم القيامة.“

”جس نے اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اس کو اس کے عمل اور اس کے عمل پر عمل کرنے

والے کے عمل کا ثواب قیامت تک ملتا رہے گا اور جس نے برا طریقہ ایجاد کیا تو اس کو اس

کے عمل کا گناہ اور اس کے عمل کی موافقت عمل کرنے والے کے عمل کا گناہ قیامت تک

ملتا رہے گا۔“

اس حدیث مبارکہ میں اچھے اور برے دونوں طریقوں کے لیے لفظ ”سنت“

استعمال کیا گیا ہے۔

عرف شرع میں سنت اس طریقے کو کہتے ہیں جس پر آنحضرت ﷺ نے بطریق

عبادت مواظبت (ہمیشگی اختیار) کی ہو۔ گاہے گاہے کم کرنے کے ساتھ عبادت کی قید

سے وہ طریقہ خارج ہو گیا جس پر موافقت بطریق عادت ہو جیسے دائیں جانب کا خیال کہ یہ مفید استحاب ہوتا ہے۔

بعد از فرائض وضو:

مصنف نے وضو کے فرض بیان کرنے کے بعد سنتوں کو ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وضو میں کوئی شے واجب نہیں اگر ہوتی تو اس کو سنتوں سے پہلے اور فرضوں کے بعد ذکر کرتے اس واسطے کہ واجب سنت سے قوی تر ہے تو غایت تصنیف اس کی تقدیم کی مقتضی ہے پھر مصنف سنت کو بصیغہ جمع لائے ہیں اس واسطے کہ سنت از روئے دلیل و از روئے حکم ہر دو لحاظ سے جداگانہ ہے۔

سنت اور فرض میں فرق:

چنانچہ ارکان وضو کی دلیل صرف ایک ہے یعنی آیت وضو اور سنتوں کی اولہ احادیث جداگانہ ہیں نیز ہر سنت کا حکم یعنی ثمرہ و ثواب بھی جداگانہ ہے۔ بایں معنی کہ اگر ایک سنت ادا کی اور دوسری ترک کر دی تو جس سنت کو ادا کیا ہے اس کا ثواب ملے گا۔ بخلاف ارکان وضو کے کہ اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی ترک کر دیا تو کچھ ثواب نہ ہوگا۔

ہاتھ برتن میں ڈالنے سے پہلے دھونا:

☆: ”دونوں ہاتھ تین بار دھونا سنت ہے برتن میں ڈالنے سے پہلے جب بیدار ہو وضو کرنے والا نیند سے۔“

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ابتدائے وضو میں دونوں ہاتھوں کو پہنچوں تک تین بار دھونا ضروری ہے کیونکہ ہاتھ آکہ طہارت ہے۔ لہذا ابتداء اس کی پاکی سے ہونی چاہئے نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اذا استيقظ احدكم من منامه فليغسل يديه قبل ان يدخلهما“

الاناء فی وضوءہ فان احدکم لا یدری این باتت یدہ۔“

(اصح البخاری)

”جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو چاہئے کہ برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اپنے دونوں ہاتھ دھولے کیونکہ کوئی نہیں جانتا کہ اس کا ہاتھ رات بھر کہاں رہا۔“

مصنف نے اس کو ”استیقاظ من النوم“ کے ساتھ جو مقید کیا ہے (اور حدیث میں بھی یوں ہی ہے) یہ قید اتفاقی ہے نہ کہ احترازی کیونکہ یہ غسل (دھونا) خواب سے بیدار ہونے والے کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر وضو کرنے والے کے لیے سنت ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کے اپنے وضو میں غسل یدین کی تقدیم بلا تقیید نوم مروی ہے۔ پھر بعض حضرات کے نزدیک یہ غسل قبل از استنجاء سنت ہے اور بعض کے نزدیک بعد از استنجاء لیکن مجتبیٰ میں ہے کہ اکثر فقہاء کا قول یہ ہے کہ دونوں حالتوں میں سنت ہے۔ قاضی خاں نے اسی کی تصحیح کی ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک استیقاظ من النوم برابر ہے رات میں ہو یا دن میں۔ البتہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اگر دن میں سو کر اٹھا تو مستحب ہے اور رات میں سو کر اٹھا تو واجب ہے۔“

ہاتھ تین مرتبہ دھونے کی حدیث صحاح ستہ میں منقول ہے۔ البتہ بخاری میں تین دفعہ دھونا مذکور نہیں۔ صحیح مسلم، ابوداؤد، نسائی اور دارقطنی نے تین مرتبہ اور امام ترمذی و ابن ماجہ نے دو یا تین دفعہ اور طحاوی نے باسناد جید ایک، دو اور تین دفعہ دھونا روایت کیا ہے۔ نیز بزار کی روایت میں ”فلا یغسلن“ نون تاکید کے ساتھ بھی مروی ہے۔

تسمیہ پڑھنا:

☆: ”وضو کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا بھی سنت ہے۔“

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے کیونکہ

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

”لا وضو لمن لم یسم اسم اللہ تعالیٰ“۔

”بسم اللہ کے بغیر وضو نہیں ہوتا۔“

منشاء حدیث نفی فضیلت ہے مگر تسمیہ سے مراد خاص کر **بسم اللہ الرحمن الرحیم** نہیں ہے بلکہ مطلق ذکر مراد ہے۔ محیط میں ہے کہ اگر **لا الہ الا اللہ، الحمد لله یا شہدان لا الہ الا اللہ** کہہ لیا جائے تو سنت ادا ہو جائے گی۔

البتہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے **بسم اللہ الرحمن الرحیم** کو اور اکمل و خبازی نے **بسم اللہ العظیم والحمد لله علی دین الاسلام** کو افضل کہا ہے۔ پھر صاحب ہدایہ نے آغاز وضو میں تسمیہ کو مستحب مانا ہے اور اسی کو واضح کہا ہے۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اس کو مستحب کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے جب کہ اس کے مسنون ہونے پر احادیث کثیرہ شاہد ہیں۔ اگر ان کے معارض کوئی دوسری حدیث نہ ہوتی تو ان کا اقتضاء وجوب ہوتا جیسا کہ علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی بھی ہے۔“

لہذا اس کو سنت ہی کہنا صحیح ہے جیسا کہ صاحب کتاب نے کہا ہے۔

مسواک کرنا:

☆: ”وضو کے شروع میں مسواک کرنا بھی سنت ہے۔“

حضور نبی کریم ﷺ نے مسواک کو پابندی کے ساتھ کیا ہے۔ نیز آپ ﷺ کا

ارشاد ہے:

”لو لان اشق علی امتی لامرتهم بالسواک عند کل وضو۔“

(سنن نسائی، ابن خزیمہ، موطا امام مالک عن ابی ہریرہ)

”اگر مجھے امت کی تکلیف کا خیال نہ ہوتا تو ہر وضو کے لیے مسواک کا حکم

دیتا۔ پھر مسواک کے مسنون ہونے میں تین قول ہیں:

1: مسواک سنت وضو ہے۔ اکثر احناف اسی کے قائل ہیں۔

2: مسواک سنت نماز ہے۔ شوافع اسی کے قائل ہیں۔

3: سنت دین ہے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے یہی منقول ہے۔

اسلام جہاں مسلمانوں کو روحانی پاکیزگی کا حکم دیتا ہے، وہاں اس کی تعلیمات مسلمانوں کے جسم و لباس کی تطہیر کا بھی درس دیتی ہیں۔ اگر اسلامی طہارت کے طریقوں پر غور کیا جائے تو اس کا معیار سائنس کے طریقوں سے بھی اعلیٰ و ارفع نظر آئے۔ نماز سے پہلے مسواک اور وضو کا حکم دیا گیا۔ یہ روحانی و جسمانی دونوں فوائد پر حاوی ہے، اسی وجہ سے خود مسواک کو روحانی عبادت کا درجہ دیا گیا ہے۔

ایک مسلمان پنج گانہ نماز میں ایک دن میں پندرہ مرتبہ منہ کو صاف کرتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مسلمان نمازی آدمی کا منہ اندر سے بالکل صاف رہتا ہے۔ نمازی نے نماز میں بزرگ و برتر خالق و مالک کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اس کی حمد و ثناء بیان کرنا ہوتی ہے لہذا منہ کا صاف و پاک ہونا از حد ضروری و لازمی ہے۔ منہ صاف نہ ہو تو بدبو آتی ہے، ساتھ والے نمازی بھی متنفر اور بیزار ہوتے ہیں، نیز گندے منہ سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور عبادت کا انسان کے دل و دماغ پر اثر نہیں ہوتا اور نہ ہی نماز میں خشوع و خضوع حاصل ہوتا ہے۔ اگر مسواک اور پانی سے منہ کو اچھی طرح صاف کر لیا جائے تو منہ میں ایسی شعاعیں (Rays) بن جاتی ہیں جن کے باعث تلاوت قرآن اور حمد و تسبیح میں حلاوت و سرور پیدا ہوتا ہے۔

منہ کی صفائی کے لیے مسواک کرتے رہنے سے دانت مضبوط اور چمکدار ہو جاتے ہیں۔ دانتوں کے متعدد امراض کا خطرہ نہیں رہتا۔ جڑے مضبوط ہو جاتے ہیں۔ آدمی کی قوت ذائقہ میں اضافہ ہو جاتا ہے اور آدمی گلے وغیرہ کی بیماریوں سے بچا رہتا ہے۔

احادیث میں مسواک کے بڑے فضائل ذکر ہوئے ہیں۔ چند ایک ملاحظہ فرمائیے:

1: رسول اللہ ﷺ نے مسواک کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ حتیٰ کہ فرمایا!

”مسواک کو اپنے اوپر لازم کر لو کیونکہ اس میں پندرہ خوبیاں ہیں:

- (1): منہ کو پاک و صاف کرتی ہے۔
- (2): اللہ تعالیٰ خوش ہو جاتا ہے۔
- (3): شیطان ناخوش ہوتا ہے۔
- (4): فراخ دستی اور خوشحالی حاصل ہوتی ہے۔
- (5): میری (رسول اللہ ﷺ کی) سنت ہے۔
- (6): ناخونہ (آنکھ کی) بیماری دور ہو جاتی ہے۔
- (7): بینائی میں صفائی پیدا ہوتی ہے۔
- (8): حرارت کی تکلیف دور ہو جاتی ہے۔
- (9): سر کا درد ختم ہو جاتا ہے۔
- (10): منہ خوشبودار ہو جاتا ہے۔
- (11): بلغم قطع ہو جاتی ہے۔
- (12): مسوڑھے مضبوط ہو جاتے ہیں۔
- (13): فرشتے مسواک کرنے والے سے محبت کرتے ہیں۔
- (14): افلاس اور تنگ دستی دور ہو جاتی ہے۔
- (15): مسواک کر کے جو نماز ادا کی جائے اس کا ثواب ساٹھ سے زیادہ نمازوں کے برابر ہوتا ہے۔“

2: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

”مسواک سے غفلت نہ کرو کیونکہ یہ داڑھ کے درد کو دور کرتی ہے، اس کے

ساتھ دانت چمکدار رہتے ہیں اور اس کے استعمال سے قوتِ حافظہ زیادہ

ہو جاتی ہے۔“

3: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

”جمعہ کے دن مسواک کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہے۔“

4: آنحضرت ﷺ نے فرمایا!

”پیغمبروں کی صفات میں سے ایک صفت مسواک کرنا بھی ہے۔“

5: حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا!

”کھانا کھانے کے بعد مسواک کرنا دو کس غلام آزاد کرنے سے افضل ہے۔“

6: حضور نبی کریم ﷺ کا ارشادِ عالی شان ہے!

”مسواک کر کے نماز پڑھنا اس نماز سے ستر درجہ افضل ہے جس کے وضو میں

مسواک نہ کی گئی ہو۔“

7: نبی رحمت ﷺ نے فرمایا!

”جبرائیل امین علیہ السلام نے مسواک کی اتنی فضیلت بیان کی اور اس کے

استعمال کی اتنی تاکید کی گویا کہ مجھے خوف محسوس ہوا کہ کہیں مسواک مجھ

پر اور میری امت پر فرض نہ ہو جائے۔“

8: نبی کریم ﷺ نے فرمایا!

”تم لوگ مسواک سے اپنے منہ پاک اور صاف رکھو کیونکہ یہی منہ کا حق

ہے۔“

9: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لولا ان اشق علی امتی لامرتهم بالسواک عند کل صلوٰۃ“

(اصح المسلم، باب السواک، صفحہ نمبر 589)

”اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ میری امت مشقت میں پڑ جائے گی تو میں ان کو

ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔“

10: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

”مسواک کرنا پیغمبروں کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے۔“

(سنن ترمذی، باب ماجاء فی فضل التزویج والحث علیہ، صفحہ نمبر 1080)

- 11: رسول اللہ ﷺ نے مسواک کرنے کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا!
- (1): ”مسواک کرنا طریق انبیاء علیہم السلام کی پیروی ہے اور ان کی ہدایت کا گویا طالب ہونا ہے۔
- (2): مسواک کرنے والے سے فرشتے مصافحہ کرتے ہیں اور عظمت و نور کی وجہ سے اس کے آگے پیچھے رہتے ہیں۔
- (3): مسواک سے دانت صاف و چمک دار رہتے ہیں۔
- (4): مسواک کرنے والے کے گھر سے مسجد تک فرشتے اس کے ساتھ ساتھ جاتے ہیں۔
- (5): تمام فرشتے اور حاملان عرش مسواک کرنے والے کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔
- (6): مسواک کرنے والے کے لیے بہشت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں تاکہ وہ جس دروازے سے چاہے بغیر حساب و کتاب کے داخل ہو جائے۔
- (7): قیامت تک جس قدر لوگ دائرۃ اسلام میں داخل ہوں گے مسواک کرنے والے کو ان کی تعداد کے موافق قیامت کے دن نیکیاں ملیں گی۔
- (8): مسواک کرنے والے پر دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔
- (9): تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام مسواک کرنے والے کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔
- (10): مسواک کرنے والی کی قوت حافظہ بڑھتی ہے۔
- (11): اللہ تعالیٰ مسواک کرنے والے کے دل میں حکمت و دانائی کی باتیں القا فرمادیتا ہے۔
- (12): مسواک کرنے والے پر کھانے کے وقت سخت سے سخت گوشت بھی نرم ہو جاتا ہے۔

- (13): مسواک کرنے سے دانتوں کے درد کی شکایت جاتی رہے گی۔
- (14): مسواک کرنے والے کی قبر مسواک کی برکت سے وسیع کر دی جائے گی۔
- (15): اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت مسواک کرنے والے کے گھر میں نازل ہوتی ہے۔
- (16): مسواک کرنے والے کی ہر حاجت پوری ہوگی۔
- (17): ہر ایک دانت اور انگلیوں کے پوروں کے عدد پر پانچ پانچ نیکیاں مسواک کرنے والے کے اعمال نامہ میں مسواک کو مس کرنے کی وجہ سے لکھ دی جاتی ہیں۔
- (18): مرنے کے وقت موت کا فرشتہ روح قبض کرنے کے لیے مسواک کرنے والے کے پاس نہایت اچھی صورت میں آتا ہے جس طرح انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے پاس آتا ہے۔
- (19): ملک الموت مسواک کرنے والے کی روح کو ایسی حالت میں لے جائے گا کہ وہ پاک و صاف ہوگی۔
- (20): دنیا سے اٹھنے سے پہلے اللہ تعالیٰ مسواک کرنے والے کو جنت کی سر بھر شرابِ طہور سے سیراب فرمائے گا۔
- (21): مرنے کے بعد مسواک کرنے والے کی قبر میں دنیا کے برابر وسعت پیدا کر دی جائے گی۔
- (22): زمین کے کیڑے مکوڑے اور موذی جانور مسواک کرنے والے کو تکلیف نہ دیں گے۔
- (23): قیامت کے دن مسواک کرنے والے کو انبیاء علیہم السلام کی طرح لباس پہنایا جائے گا۔
- (24): اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مسواک کرنے والے کی انبیاء علیہم السلام کی طرح عزت ہوگی۔
- (25): اللہ تعالیٰ مسواک کرنے والے کو نبیوں اور شہیدوں کے ساتھ جنت میں داخل

فرمائے گا۔

- (26): میزانِ عمل میں مسواک کرنے والے کی نیکیوں کا پتہ بھاری رہے گا۔
 (27): مسواک کرنے والے کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ہمسائیگی میں جنت کا محل عطا ہوگا۔

- (28): مسواک کرنے والا میری (رسول اللہ ﷺ) کی شفاعت سے بہرہ یاب ہوگا۔
 (29): اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مسواک کرنے والا دیدارِ الہی سے مشرف ہوگا۔“
 12: رسول اللہ ﷺ نے انبیاء کرام کی دس سنتوں کو بیان فرمایا اور ان میں سے ایک سنت مسواک کرنا بھی ہے۔

(اصح المسلم، باب خصال الفطرة، صفحہ نمبر 604)

13: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

”مسواک منہ کو صاف کرنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔“

(سنن نسائی، باب الترغیب فی السواک، صفحہ نمبر 5)

- 14: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ دن یارات کو جب بھی سو کر اٹھتے تو وضو کرنے سے پہلے مسواک ضرور فرماتے۔

(سنن ابوداؤد، باب السواک لمن قام اللیل، صفحہ نمبر 57)

15: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

”جب بندہ مسواک کر کے نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو فرشتہ اس کے پیچھے کھڑا ہو جاتا ہے اور اس کی تلاوت خوب دھیان سے سنتا ہے۔ پھر اس کے بہت قریب آ جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے منہ پر اپنا منہ رکھ دیتا ہے۔ قرآن مجید کا جو بھی لفظ اس نمازی کے منہ سے نکلتا ہے سیدھا فرشتے کے پیٹ میں جاتا ہے۔ اس لیے تم اپنے منہ قرآن کی تلاوت کے لیے صاف ستھرے رکھو۔“

(مجمع الزوائد، جلد 2، صفحہ نمبر 26)

16: أم المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

”مسواک کر کے دو رکعت نماز پڑھنا بغیر مسواک کے ستر رکعتیں پڑھنے سے افضل ہے۔“

(مجمع الزوائد، جلد 2، صفحہ نمبر 263)

17: حضرت شریح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بارگاہ میں عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب گھر تشریف لاتے تو سب سے پہلے کون سا کام کرتے۔؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا!

”رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے مسواک کیا کرتے تھے۔“

(اصح المسلم، باب السواک، صفحہ نمبر 590)

18: حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ اپنے گھر سے کسی نماز کے لیے اس وقت تک نہیں نکلتے تھے جب تک مسواک نہ فرمالتے۔“

(مجمع الزوائد جلد 2، صفحہ 266)

پیغمبر اسلام علیہ السلام دنیا میں بے مثل و بے مثال راہنما کی حیثیت سے تشریف فرما ہوئے۔ تاریخ آپ ﷺ کی مثال دینے سے قاصر تھی، قاصر ہے اور قاصر رہے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے زندگی کے جو اصول عطا فرمائے ہیں وہ بھی بے مثل و بے مثال ہیں۔ آپ ﷺ نے انسانی زندگی کا کوئی بھی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا۔ نیز یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے صرف زبانی (Theoreticaly) ہی ہدایات نہیں فرمائیں بلکہ خود عملی (Practicaly) طور پر ان کی افادیت سے بھی آگاہ فرمایا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے خود عمل کر کے تمام لوگوں کے لیے اپنے عمل کو سنت قرار دیا اور پھر اپنی سنت پر عمل کرنے والوں کو بڑے اجر و ثواب کی بشارت بھی دی۔

مسواک سے متعلق مذکورۃ الصدر ارشادات پر آپ نے خوب غور کیا ہوگا کہ کس قدر ترغیب و تاکید کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے مسواک کا ذکر فرمایا اور اس کے استعمال پر کس قدر پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

آج کل برش (Tooth Brush) اور پیسٹ (Paste) کا استعمال نئی تہذیب کی اختراع ہے۔ یہ پیسٹ اور برش سادہ مسواک جیسے فوائد سے عاری ہے بلکہ نقصانات کی حامل ہے۔ اسی نئی تہذیب کی چمک دمک سے مرعوب لوگ سستی، آسان، مفید اور فطری چیز مسواک کو ترک کر کے متعدد امراض میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ لوگ دانتوں، مسوڑھوں اور گلے کی بیماریوں کا شکار ہو کر جسم کے دیگر حصوں میں مختلف امراض کا سبب خود اپنے عمل سے بنتے ہیں۔

اگر رسول اللہ ﷺ کی سنت کی کما حقہ پیروی کی جاتی تو دنیا میں دانتوں کی بیماریاں اور دینٹل سرجنز (Dental Surgeons) وجود میں ہی نہ آتے اور نہ ہی لوگ ان امراض کا شکار ہو کر تکلیف اٹھاتے۔

رسول اللہ ﷺ نے مسواک کے استعمال پر اتنی تاکیدات اس لیے فرمائیں کیونکہ اس میں کئی طبی اور سائنسی فوائد موجود ہیں۔ اب قارئین مسواک کے طبی اور سائنسی فوائد ملاحظہ فرمائیں:

1: مسواک قاتل جراثیم (Anti Septic) ہے۔ یہ منہ سے تعفن کو دور کرتی ہے۔ اس کے استعمال سے منہ کے اندر کے جراثیم مر کر ختم ہو جاتے ہیں اور اس طرح مسواک کرنے والا شخص منہ کی بیماریوں سے بچا رہتا ہے۔ جدید تحقیق کے مطابق کچھ ایسے جراثیم بھی ہوتے ہیں جو مروجہ برش (Tooth Brush) اور پیسٹ (Paste) سے دور نہیں ہوتے بلکہ ان کو صرف مسواک ہی سے ختم کیا جاسکتا ہے۔

2: طب اور میڈیکل سائنس نے ثابت کر دکھایا ہے کہ مسواک سے دماغ کو قوت

حاصل ہوتی ہے اور اس سے دماغ کی صحت برقرار رہتی ہے۔ دماغ مسواک کرنے سے تیز ہوتا ہے اور طویل عرصہ تک تندرست رہ سکتا ہے۔

اگر مسواک سے دانتوں کو صاف نہ کیا جائے تو دانت گندے ہو جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے جبرڑوں اور مسوڑھوں میں پیپ بن جاتی ہے جو دماغی امراض کا سبب بنتی ہے۔ نفسیاتی بیماریاں بھی اسی سے لاحق ہوتی ہیں۔

3: انسان کھانا کھاتا ہے، پانی پیتا ہے اور کئی ایک دیگر اشیاء بھی کھاتا رہتا ہے جس سے کھانے کے چھوٹے چھوٹے ذرے دانتوں کے درمیان پھنستے رہتے ہیں جو معمول کے مطابق صرف کلی کرنے سے خارج نہیں ہوتے جس کی وجہ سے دانتوں میں تعفن پیدا ہو جاتا ہے جو کئی بیماریوں کا موجب بنتا ہے۔

ظاہراً بھی اگر آدمی کے دانت گندے ہوں تو منہ سے بو آنے لگ جاتی ہے۔ قریب بیٹھنے والے لوگ بھی نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان تعفن زدہ دانتوں کی وجہ سے مسوڑھے بھی متعفن ہو جاتے ہیں۔ مسوڑھوں میں پیپ پڑ جاتی ہے جس کی وجہ سے ناقابل برداشت درد شروع ہو جاتا ہے۔ اس کا اثر فقط دانتوں پر ہی نہیں پڑتا بلکہ یہ تعفن اور پیپ مزید بڑھ کر گلے پر بھی اثر ڈالتی ہے۔ اس کے اثر سے گلا خراب ہونے لگتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ کھانسی، نزلہ، زکام اور بخار وغیرہ کی آمد ہو جاتی ہے۔ چھاتی پر بلغم بننا شروع ہو جاتی ہے جس سے دماغ متاثر ہو جاتا ہے اور اس کے اثر سے بینائی بھی کمزور ہو جاتی ہے۔ جب آنکھیں خراب ہو جاتی ہیں تو اس پیپ اور تعفن کی وجہ سے کان اور معدہ بھی متاثر ہو جاتے ہیں بلکہ یہ جراثیم سارے بدن پر نقصان دہ اثر ڈالتے ہیں۔

یوں مسواک سے دانت صاف نہ کرنے کے باعث انسانی زندگی برباد ہو کر رہ جاتی ہے۔ زندگی تو صحت اور تندرستی سے ہے اگر آدمی تندرست ہی نہ رہے تو کیا زندگی پس مسواک کے بغیر چارہ نہیں اور بغیر مسواک کے کسی بھی صورت پیپ، تعفن اور غیر مرئی

جراثیم کو دور نہیں کیا جاسکتا۔

4: جن مریضوں کا گلا خراب ہوتا ہے وہ ٹانسلز (Tonsils) کے مریض ہوتے ہیں۔ ایسے مریض باقاعدہ مسواک کے استعمال سے تندرست ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی مریض کے گلے کے غدود بڑھ گئے ہوں تو وہ شربت شہتوت اور باقاعدہ مسواک کر کے آرام حاصل کر سکتا ہے۔

5: بعض مرتبہ منہ کے اندر گرمی، تعفن، تیزابیت اور غیر مرئی جراثیم کی وجہ سے چھالے ہو جاتے ہیں۔ ان چھالوں میں ایسی قسم کے چھالے بھی ہوتے ہیں جو کبھی نکل آتے ہیں اور کبھی چھپ جاتے ہیں۔ یہ نہایت تکلیف دینے والے اور نقصان دہ ہوتے ہیں۔ ان کے جراثیم پورے منہ میں پھیل کر پورے منہ کو اپنے لپیٹ میں لے لیتے ہیں جس کی وجہ سے کھانا تناول کرنا مشکل و ناممکن ہو جاتا ہے اور مریض بھوک کی وجہ سے کمزور پڑ جاتا ہے۔ اگر روزانہ بلا ناغہ تازہ مسواک کی جائے، اس کے لعاب کو اچھی طرح منہ میں ملا جائے تو یہ مرض پیدا ہی نہ ہوگا اور اگر کبھی سستی کی وجہ سے معدہ خراب ہو گیا تو مسواک کے باقاعدہ استعمال سے مریض تندرست ہو جائے گا۔

6: آنکھوں کی بیماریوں اور نظر کے امراض میں دانتوں کی عدم صفائی کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ دانتوں کے خلاؤں میں پھنسنے ہوئے خوراک کے ذرات کی وجہ سے تعفن پیدا ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں آنکھوں کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں، نظر کمزور ہونے لگتی ہے اور اگر اسی طرح یہ تعفن باقی رہے تو آدمی آنکھوں کی روشنی سے بالکل محروم ہو جاتا ہے۔ کمزور بینائی کے مریضوں میں متعدد مریض ایسے ہوتے ہیں جن کے مرض کے دیگر اسباب کے علاوہ دانتوں کے بارے میں ان کی غفلت سب سے بڑا سبب ہوتی ہے۔

7: بعض ایسے مریض ہوتے ہیں جو کانوں کے ورم، پیپ اور درد میں مبتلا ہوتے

ہیں۔ مہنگے سے مہنگا علاج کرانے کے باوجود انہیں اس تکلیف سے نجات نہیں ملتی۔ جب اچھی طرح ایسے مریضوں کی تشخیص کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مسوڑھوں میں پیپ پڑ گئی ہے اور سارا منہ تعفن سے بھر گیا ہے۔ جب مسوڑھوں کا علاج کیا جاتا ہے اور باقاعدہ تازہ مسواک کی جاتی ہے تو ساتھ ہی کان بھی بالکل صحت مند ہو جاتے ہیں۔

8: ماہرین کے تجربات سے یہ بات تحقیق شدہ ہے کہ تقریباً اسی (80) فیصد امراض کی وجہ معدے اور دانتوں کے نقائص اور خرابیاں ہوتی ہیں۔ بالخصوص آج کل ہر تیسرا شخص معدے کے امراض میں مبتلا ہے۔

مسواک نہ کرنے کی وجہ سے منہ میں تعفن پیدا ہو جاتا ہے جس کے ساتھ ہی مسوڑھوں میں پیپ پڑ جاتی ہے اور کچھ غیر مرئی جراثیم بھی منہ میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں جب کھانا کھایا جاتا ہے تو غذا کے ساتھ مسوڑھوں کی پیپ بھی معدے میں جاتی ہے، جس کی وجہ سے معدہ ڈسٹرب ہو جاتا ہے۔ مسوڑھوں کی پیپ کی وجہ سے کھائی جانے والی غذا غلیظ اور متعفن ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے معدہ اور جگر کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں جن سے جان چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اگر جگر اور معدہ کے امراض کا علاج کرنے سے قبل دانتوں کی صحت و صفائی کی طرف توجہ دی جائے یعنی مسواک بلاناغہ کی جائے تو ان امراض کا فوری، مؤثر اور مستقل علاج ہو سکتا ہے۔

9: دائمی نزلہ اور زکام کے ایسے مریض جن کی بلغم رُک چکی ہو، جب وہ مسواک کرتے ہیں تو وہ بلغم اندر سے خارج ہونا شروع ہو جاتی ہے اور یوں مریض کا دماغ ہلکا ہو جاتا ہے۔

پیتھالوجسٹ (Pathologist) حضرات کے تجربے اور تحقیق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دائمی نزلہ کے لیے مسواک تریاق سے کم نہیں۔ یہاں تک کہ مسواک کے مستقل اور باقاعدہ استعمال سے ناک کے آپریشن اور گلے کے آپریشن کے امکانات

بہت کم بلکہ معدوم ہو جاتے ہیں۔

10: ایک شخص کے منہ سے بو آیا کرتی تھی۔ اس بپچارے نے متعدد اچھی اچھی قسم کی ٹوتھ پیسٹ اور منجن استعمال کئے، اس کے علاوہ متعدد ڈاکٹروں سے مختلف ادویات بھی استعمال کیں مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔

کسی ڈینٹل سپیشلسٹ کے مشورے سے اس نے پیلو کے پودے کی مسواک استعمال کی۔ وہ باقاعدہ مسواک استعمال کرتا اور پرانے ریشوں کو کاٹ کر روزانہ نئے سرے سے مسواک کرتا رہا تو تھوڑا عرصہ گزرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی اس سنت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اسے تندرستی عطا فرمادی۔

11: گورونائک کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اپنے ہاتھ میں مسواک رکھا کرتا تھا، دانتوں کو اس سے صاف کرتا اور نیز کہا کرتا تھا:

”یا یہ لکڑی لے لو اور یا پھر بیماری لے لو۔“

بڑی معتبر اور Authentic بات ہے کہ اگر مسواک لے کر استعمال کرو گے تو مرض جاتا رہے گا اور اگر اس سے غفلت کرو گے تو بیمار ہو جاؤ گے۔

12: ایک شخص کے گلے، گردن میں درد ہوتا تھا اور ساتھ ہی گردن میں سوجن بھی رہتی تھی۔ اس کے ساتھ آواز میں بھی کمی آگئی اور ذہنی یادداشت میں بھی کمزوری واقع ہوئی۔ نیز سر چکرانے لگا۔

یہ آدمی برین سپیشلسٹ اور جنرل فزیشن سپیشلسٹ وغیرہ کے زیر علاج رہا مگر سب بے سود ثابت ہوئے۔ کسی کے مشورے سے وہ باقاعدہ مسواک کرنے لگا۔ اس طرح کہ مسواک کے دو ٹکڑے کر کے پانی میں اُباتا اور اس پانی سے غرارے کرتا۔ علاوہ ازیں جہاں سوجن تھی وہاں کچھ دوائی بھی لیپ کی گئی۔ یہ علاج بڑا مفید ثابت ہوا۔ اس کی تحقیق کی گئی تو اس کے تھائی رائیڈ گلینڈز متاثر (Infected) تھے جس کا اثر سارے جسم پر واقع ہوا تھا۔ اس مسواک والے علاج سے اس کی یہ بیماری دور ہو گئی اور وہ شفا پائے۔

کاملہ سے ہمکنار ہو گیا۔

13: حکیم ”ایس ایم اقبال“ اخبار جہاں میں لکھتے ہیں:

”ایک مریض کے دل کی جھلیوں میں پیپ تھی۔ وہ علاج کراتا رہا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ بالآخر دل کا آپریشن کیا گیا اور پیپ نکال دی گئی۔ بد قسمتی سے پیپ پھر بھر گئی۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر وہ مریض میرے پاس آیا تو میں نے اس کا معائنہ کرتے ہوئے معلوم کیا کہ اس کے مسوڑھے خراب ہیں اور ان میں بھی پیپ ہے اور یہی پیپ دل کو بھی متاثر کرتی ہے۔ میری اس تشخیص کو ڈاکٹروں نے بھی تسلیم کر لیا۔ دل کا آپریشن کرنے کی بجائے اس کے دانتوں اور مسوڑھوں کا علاج کیا گیا اور اسے پیلو کی مسواک استعمال کرنے کو کہا گیا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اسے شفاء عطا فرمادی۔

14: تحقیق تجربات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جو ٹوتھ برش ایک مرتبہ استعمال

ہو جائے اس میں جراثیم کی تہہ جم جانے کے باعث دوبارہ استعمال کرنے سے صحت کو نقصان پہنچتا ہے۔ پانی سے صاف کرنے سے بھی وہ جراثیم صاف نہیں ہوتے اور اپنی نشوونما برقرار رکھتے ہیں۔ مزید برآں یہ کہ برش کے استعمال سے دانتوں کے اوپر والی چمکیلی اور سفید تہہ اتر جاتی ہے۔ بایں سبب دانتوں کے درمیان خلا ہو جاتا ہے اور دانت مسوڑھوں کی جگہ چھوڑتے جاتے ہیں۔ لہذا غذا کے جو ذرات دانتوں کے خلا میں اڑے رہتے ہیں وہ دانتوں کے لیے نہایت نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں اور بالآخر سارے جسم میں بیماریوں کا باعث بن جاتے ہیں۔ اس لیے ان مصیبتوں سے بچنے کے لیے سنتِ مصطفیٰ ﷺ پر عمل کیجئے یعنی مسواک صبح و شام متواتر استعمال کیجئے اور تندرستی برقرار اور قائم رکھیے۔

مسواک کے لیے ہر اس درخت کی شاخ مناسب ہوتی ہے جس کے ریشے نرم ہوں کہ دانتوں میں خلا نہ بنائیں اور مسوڑھوں کو نقصان نہ پہنچائیں۔ بہترین اور اعلیٰ

مسواک درج ذیل پودوں کے ہوتے ہیں:

(1): پیلو

(2): نیم

(3): کیکر

(4): کنیر

پیلو کا مسواک تحفہ کے طور پر دینا سنتِ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ چنانچہ حضرت ابو خیرہ صباحی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”میں اس وفد میں شامل تھا جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ علیہ السلام نے ہمیں پیلو کے درخت کی لکڑیاں مسواک کرنے کے لیے توشہ میں دیں۔“

(مجمع الزوائد، جلد 2، صفحہ 268)

پیلو کا مسواک نرم ریشوں والا ہوتا ہے۔ اس میں کمیٹیم اور فاسفورس ہوتی ہے۔ اکثر کلرز دہ، شور اور ویران و بیابان مقامات پر ہوتا ہے۔ جدید سائنسی اور طبی تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مختلف اشیاء جو دماغ کی خوراک ہیں اور اس کی صحت کے لیے معاون ہیں ان میں سے ایک فاسفورس بھی ہے۔ پیلو کی مسواک میں موجود فاسفورس لعاب اور مساموں کے ذریعے دماغ تک پہنچتا ہے جس کے ذریعے دماغ کو قوت اور تازگی حاصل ہوتی ہے۔

نیم کے درخت کا مسواک بھی نہایت مفید ہے۔ اس میں دانتوں کی مجموعی بیماریوں کا علاج ہے۔ یہ درخت پنجاب میں عام پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر کیکر کے مسواک کا درجہ ہے۔ اس سے دانت بڑی اچھی طرح صاف کیے جاسکتے ہیں اور یہ دانتوں کو تعفن اور پیپ سے بچائے رکھتا ہے۔

یاد رہے کہ ممکن حد تک مسواک تازہ ہونی چاہئے، اگر پہلے سے استعمال شدہ مسواک استعمال کرنا ہو تو اس کے پہلے کے استعمال شدہ ریشے کاٹ دیں اور دانتوں سے نئے سرے سے چبا کر نئے ریشے بنائیں۔

کنیر دو قسم کا ہوتا ہے۔ سفید پھولوں والا اور سرخ پھولوں والا۔ یہ پودا اکثر پارکوں اور باغات وغیرہ میں ہوتا ہے۔ اس کی مسواک استعمال کرنے سے دانتوں کی تمام تکالیف پائیوریا وغیرہ ختم ہو جاتی ہیں اور لا علاج مریض بھی تندرست ہو جاتے ہیں۔ یہ مسواک کڑوی ہوتی ہے مگر اس کی یہی کڑواہٹ دانتوں کے لیے از حد مفید ہے۔ اطباء نے اس میں موجود اجزاء کے باعث دانتوں کی چمک، مضبوطی اور پائیوریا جیسے امراض کے لیے اسے اکسیر اعظم قرار دیا ہے۔

خالق کائنات نے انسان کو پیدا فرمایا تو ساتھ اس کے استعمال کے لیے وہ اشیاء بھی پیدا فرمائیں جو اس کی صحت و تندرستی کو قائم رکھنے کا باعث ہیں اور اپنے خاص بندوں یعنی انبیاء و رسل علیہم السلام کو بھیج کر بنی نوع انسان کو ایسی اشیاء کا استعمال بھی بتا دیا۔ انہی اشیاء میں سے ایک مسواک بھی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے بنی نوع انسان تک پہنچائی، اس کے فوائد بیان فرمائے اور اس کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت اور کثیر بیماریوں کی شفاء کا درجہ دیا۔

نہر الفائق میں ہے کہ مسواک کے 36 فائدے ہیں۔ ادنیٰ فائدہ گندہ دہنی کا دور ہونا ہے اور اعلیٰ فائدہ مرنے کے وقت تذکیر شہادت ہے۔

کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا:

☆: ”کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بھی سنت ہے۔“

کلی کرنے اور ناک میں پانی دینے کے دو طریقے ہیں:

1: تین مرتبہ کلی کرے اور ہر دفعہ نئے پانی کے ساتھ کرے پھر اسی طرح ناک میں پانی دے۔

(طبرانی عن کعب بن عمر الیمانی)

احناف کے یہاں یہی افضل ہے اور بروایت بوہیٹی و ترمذی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کو افضل کہتے ہیں۔

2: ہر چلو پانی سے ایک ساتھ مضمضہ اور استنشاق کرے۔ بروایت مزنی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہی افضل ہے پس ہر دو طریق کی سنیت وعدم سنیت میں اختلاف نہیں بلکہ افضلیت وعدم افضلیت میں اختلاف ہے۔

مضمضہ اور استنشاق دونوں سنت موکدہ ہیں لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ان کی فرضیت کے قائل ہیں۔ لہذا ان کا ترک کرنا بر مذہب صحیح گناہ ہے اس لیے کہ سنت موکدہ بمنزلہ واجب کے ہے اور جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے وضو کی روایت کی ہے وہ بائیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جنہوں نے ان دونوں کو ذکر کیا ہے۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح ہدایہ میں 23 صحابیوں کے ناموں کی تخریج کی ہے۔

دوران وضو تین بار کلی کرنا سنت ہے۔ اس سے گناہ بھی دھل جاتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

”اذ اتوضا العبد المؤمن فتمضمض خرجت الخطايا من فيه۔“

(مسند احمد، جلد نمبر 5، عربی صفحہ نمبر 263) (سنن نسائی، باب المسح الاذنین مع المراس، رقم 103)

”جب مؤمن وضو کرتے ہوئے کلی کرتا ہے تو اس کے منہ کے تمام گناہ دھل جاتے ہیں۔“

کلی کے ذریعے دانتوں میں کھانے کے پھنسے ہوئے ذرات منہ سے خارج ہو جاتے ہیں۔ اگر دانتوں سے ان ذرات کو نہ نکالا جائے تو یہ دانتوں، دہن اور گلے کے مختلف امراض کا باعث بنتے ہیں۔

”کلی کرنے سے جہاں منہ کی صفائی ہوتی ہے، وہاں دانتوں کی بیماریوں سے بھی نجات ملتی ہے، جبرے مضبوط ہو جاتے ہیں اور دانتوں میں چمک دمک پیدا ہو جاتی ہے، قوت ذائقہ بڑھ جاتی ہے اور آدمی ٹانسلز کی بیماری سے محفوظ رہتا ہے۔“

(روحانی نماز، صفحہ 48، از خواجہ شمس الدین عظیمی، ناشر مکتبہ روحانی ڈائجسٹ، کراچی)

ناک میں پانی ڈالنا بھی نبی کریم ﷺ کی سنت مبارکہ ہے۔ دائیں

ہاتھ سے ناک میں تین بار پانی ڈالیں اور بائیں ہاتھ سے صاف کریں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ناک کی صفائی کو بھی کفارہ سینات فرمایا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

”جب مومن وضو کرتے ہوئے ناک میں پانی ڈالتا ہے اور ناک صاف کرتا ہے تو ناک کے گناہ پانی کے پہلے قطرے سے ہی جھڑ جاتے ہیں۔“

(مسند احمد، جلد نمبر 5، عربی صفحہ نمبر 263)

سنن نسائی اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا!

”فاذا استنشر خرجت الخطايا من انفه“

(سنن نسائی، باب المسح الاذنين مع الراس، رقم 103)

”بندہ مومن وضو کرتے ہوئے ناک دھوتا ہے تو ناک کے تمام گناہ دھل جاتے ہیں۔“

ناک کو دھونے اور صاف کرنے میں جہاں پاکیزگی حاصل ہوتی ہے وہاں طبی فوائد کا بھی حصول ہوتا ہے۔

”کلی کرنے کے بعد ناک میں پانی ڈالا جاتا ہے۔ ناک انسانی جسم میں ایک نہایت اہم اور قابل توجہ عضو ہے۔ ناک کی زبردست صلاحیت یہ ہے کہ آواز میں گہرائی اور سہانا پن پیدا کرتا ہے۔ ذرا انگلیوں سے ناک کے نتھنوں کو دبا کر بات کرنے کی کوشش کیجئے، آپ کو فرق معلوم ہو جائے گا۔ ناک کے اندر کے پردے آواز کی خوبصورتی میں ایک مخصوص کردار ادا کرتے ہیں۔ کاسہ سر کو روشنی فراہم کرتے ہیں۔ ناک کے خاص فرائض میں صفائی کے کام کو بڑا دخل ہے۔ ناک پھیپھڑوں کے لیے ہوا کو صاف، گرم اور موزوں بناتی ہے۔ ہر آدمی کے اندر روزانہ تقریباً پانچ سو ملے فٹ ہوا ناک کے ذریعے داخل ہوتی ہے۔ ہوا کی اتنی بڑی مقدار سے ایک بڑا کمرہ بھرا جاسکتا ہے۔ برف باری کے موسم میں منجمد اور خشک دن آپ برف پوش میدان میں اسکیٹنگ (Skating) شروع کر دیں لیکن آپ کے پھیپھڑے خشک ہوا سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔ وہ اس کی ایک رفق قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ انہیں اس وقت بھی ایسی ہوا

کی ضرورت ہوتی ہے جو گرم اور مرطوب فضا میں ملتی ہے یعنی وہ ہوا جس میں اسی (80) فیصد رطوبت ہو اور جس کا درجہ حرارت نوے (90) فارن ہائیٹ سے زیادہ ہو۔ پھیپھڑے جراثیم سے پاک دھوئیں یا گرد و غبار اور آلودگیوں سے مصفا ہوا طلب کرتے ہیں۔ ایسی ہوا فراہم کرنے والا معمولی ایئر کنڈیشنر (Air-Conditioner) ایک چھوٹے ٹرنک کے برابر ہوتا ہے لیکن ناک کے اندر نظام قدرت نے اس کو اتنا مختصر مگر جامع (Intergrated) کر دیا ہے کہ وہ صرف چند انچ لمبا ہے۔

ناک ہوا کو مرطوب بنانے کے لیے تقریباً چوتھائی گیلن نمی روزانہ پیدا کرتا ہے۔ صفائی اور دوسرے سخت کام نٹھنوں کے بال انجام دیتے ہیں۔ ناک کے اندر ایک خوردبینی جھاڑو ہے۔ اس جھاڑو کے اندر غیر مرئی روئیں ہوتے ہیں جو ہوا کے ذریعے معدے کے اندر پہنچنے والے مضر جراثیم کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ جراثیم کو اپنے مشینی انداز میں پکڑنے کے علاوہ غیر مرئی روئوں کے پاس ایک اور دفاعی ذریعہ ہے جسے انگریزی میں "Lysozinum" کہتے ہیں۔ اس دفاعی ذریعہ سے ناک آنکھوں کو "Infection" سے بچاتی ہے۔

جب کوئی نمازی وضو کرتے وقت ناک کے اندر پانی ڈالتا ہے تو پانی کے اندر کام کرنے والی برقی روان غیر مرئی روئوں کی کارکردگی کو تقویت پہنچاتی ہے جس کے نتیجے میں انسان بے شمار پیچیدہ بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔“

(روحانی نماز، صفحہ 48-49، از خواجہ شمس الدین عظیمی، ناشر مکتبہ روحانی ڈائجسٹ، کراچی)

کانوں کا مسح:

☆: ”دونوں کانوں کا مسح کرنا سنت ہے۔“

کانوں کا مسح کرنا سنت رسول اکرم ﷺ ہے۔ کان کے اندر پانی سے ترکی ہوئی شہادت کی انگلی اور باہر کی طرف سے انگوٹھے سے مسح کرنے سے کانوں کی ہر قسم کی آلودگی دور ہو جاتی ہے اور اس سے سماعت پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ جب کانوں کا مسح

کیا جاتا ہے تو دل کو عجیب و غریب مسرت میسر آتی ہے۔

سر کا مسح فرض ہے اور دونوں کانوں کا مسح کرنا سنت۔ سر کے مسح سے باقی ماندہ پانی کے ساتھ کانوں کا مسح کر لینا یہ بھی سنت موكده ہے۔ امام اعظم اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کا یہی مذہب ہے اور بقول امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اکثر علماء کا قول یہی ہے۔ امام شافعی اور ابو ثور رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک علیحدہ پانی سے تین بار کانوں کا مسح کرنا مسنون ہے۔ ان کی مستدل عبداللہ بن زید کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کانوں کے مسح کے لیے نیا پانی لیا۔

(سنن بیہقی)

احناف کی دلیل حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

”الاذنان من الرأس“

”کانوں کا تعلق سر سے ہے۔“

اس سے مقصود بیان حکم ہے نہ کہ طریق پیدائش۔ یہ حدیث متعدد طرق و اسانید کے ساتھ آٹھ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بطریق صحت مروی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، ابن مندہ نے اور بنت معوذ کی حدیث ابوداؤد و طبرانی نے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نسائی نے نقل کی ہے۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مسح الاذنین مع الرأس حضور ﷺ کا فعل تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث جو دارقطنی میں ہے اس کو ابن القطان نے صحیح اور بزار نے جید کہا ہے۔

داڑھی کا خلال:

☆: ”داڑھی کا خلال بھی سنت ہے۔“

وضو کرتے ہوئے ہلکی داڑھی کے بالوں کو دھویا جاتا ہے اور گھنی داڑھی میں انگلیوں سے خلال کر کے تمام بالوں کو تر کیا جاتا ہے، یہ سنت مصطفیٰ کریم ﷺ ہے۔

داڑھی دھونے یا خلال کرنے سے بالوں کی جڑیں تر ہو جاتی ہیں اور انہیں مضبوطی و صفائی حاصل ہوتی ہے۔ داڑھی کے خلال کی وجہ سے بالوں میں موجود ہر قسم کے جراثیم (Common germs) اور (Coutagious germs) وغیرہ سب دور ہو جاتے ہیں۔ داڑھی کے بالوں پر زکا ہوا پانی گردن کے پٹھوں کو تقویت دیتا ہے۔ نیز تھائی رائیڈ گلینڈ اور گلے کی دیگر بیماریوں سے بچاتا ہے۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی ہر بات میں حکمت اور بہتری ہے۔ وضو اور نماز کے احکامات کو بجلا کر جہاں رضائے الہی اور روحانی ترقی و بہتری میسر آتی ہے، وہاں انسان جسمانی اور دنیوی زندگی کے کئی مسائل و مصائب سے بچ جاتا ہے۔

آج دنیا میں انسانیت کی دنیوی اور اخروی زندگی کی بھلائی و بہتری اور کامیابی کی ضمانت صرف اور صرف اسلامی احکامات پر عمل ہی ہے۔ کوئی دوسرا مذہب ایسے خصائص کا حامل نہیں ہے، اسی لیے دیگر تمام مذاہب منسوخ ہو چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فقط اسلام کو قیامت تک کے لیے باقی رکھا ہے۔

داڑھی کے خلال کے متعلق علماء کرام کے چار اقوال ہیں:

1: پہلا قول یہ ہے کہ داڑھی کا خلال واجب ہے۔ یہ قول سعید بن جبیر اور عبدالحکم مالکی رحمۃ اللہ علیہما کا ہے۔

2: دوسرا قول یہ ہے کہ داڑھی کا خلال سنت ہے، یہ امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کا مذہب ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت یہی ہے اور اسی کو اصح کہا گیا ہے کیونکہ سترہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خلال پر مواظبت ہمیشگی فرمائی ہے۔ نیز ابو داؤد میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ وضو فرماتے تو ایک چلو پانی سے داڑھی کا خلال کر لیا کرتے اور فرماتے کہ میرے رب نے مجھے ایسا ہی حکم دیا ہے۔

3: تیسرا قول یہ ہے کہ داڑھی کا خلال مستحب ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اسی کے قائل ہیں۔ چنانچہ قتیبہ نے مبسوط سے نقل کیا ہے کہ صاحبین کے نزدیک تخلیل جائز اور امام اعظم کے نزدیک مستحب ہے۔

4: چوتھا قول یہ ہے کہ داڑھی کا خلال بس جائز ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا کرنے والا بدعت کی طرف منسوب نہیں ہے۔

سنن ابی داؤد کی روایت سے گو بظاہر وجوب معلوم ہوتا ہے اور سعید بن جبیر اور عبدالحکم مالکی رحمۃ اللہ علیہما اس کے قائل بھی ہیں جیسا کہ اوپر مذکور ہوا مگر چونکہ آیت وضو سے طاہر اللحمیہ کا دھونا فرض ثابت ہوا ہے اور خلال کا ثبوت خبر واحد سے ہے جس سے وجوب ثابت کرنے میں زیادتی علی الکتاب لازم آتی ہے۔ اس لیے اسے سنت قرار دینا ہی انبہا ہے۔

انگلیوں کا خلال:

☆: ”انگلیوں کا خلال کرنا سنت ہے۔“

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اپنی انگلیوں کا خلال کیا کرو تا کہ ان میں جہنم کی آگ داخل نہ ہونے پائے۔“

(دارقطنی عن ابی ہریرہ)

ہاتھ کی انگلیوں کے خلال کا طریقہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی کن انگلی کو داہنے پاؤں کی چھنگلی میں ڈالے اور ترتیب وار تمام انگلیوں میں خلال کرتا جائے تا آنکہ بائیں پاؤں کی چھنگلیاں پر ختم کر دے۔

ہر عضو کو تین تین بار دھونا:

”ہر عضو کو تین تین بار دھونا سنت ہے۔“

حضور نبی کریم ﷺ نے وضو میں ایک ایک مرتبہ راعضواء کو دھو کر فرمایا کہ یہ ایسا وضو

ہے کہ اس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں فرمائے گا اور دو مرتبہ اعضا کو دھو کر فرمایا کہ اس وضو پر اللہ تعالیٰ دوہرا اجر عطا فرمائے گا اور تین تین مرتبہ دھو کر فرمایا کہ یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کا وضو ہے جو اس سے کم و بیش کرے گا وہ ظلم و تعدی کا مرتکب ہوگا۔

(سنن دارقطنی) (سنن بیہقی) (سنن ابن ماجہ) (سنن طبرانی عن ابن عمر) (سنن ابن ماجہ عن ابی بن کعب) (دارقطنی عن زید بن ثابت و ابی ہریرۃ و الزیادۃ فی الاخیار عند ابی داؤد و النسائی و ابن ماجہ عن عمرو بن شعیب) اعضا مغسولہ کا ایک ایک بار دھونا تو فرض ہے اور دوسری بار دھونا سنت ہے اور تیسری بار دھونا اکمل وضو ہے۔ بعض حضرات دوسری مرتبہ کو سنت اور تیسری مرتبہ کو نفل اور بعض اس کے برعکس کہتے ہیں۔ شیخ ابوبکر اسکاف تینوں مرتبہ دھونے کو فرض کہتے ہیں۔



مستحبات وضو کا بیان

”ويستحب للمتوضي ان ينوي الطهارة ويستوعب راسه
بالمسح ويرتب الوضوء فيبدأ بامبدأ اللہ تعالیٰ بذكره وبالميامن
والتوالي ومسح الرقبة۔“

”اور مستحب ہے وضو کرنے والے کے لیے طہارت کی نیت کرنا، پورے سر کا
مسح کرنا، ترتیب کے ساتھ وضو کرنا، پس شروع کرے اس سے جس کو پہلے
ذکر کیا ہے اللہ تعالیٰ نے، دائیں عضو سے شروع کرنا، پے درپے دھونا اور
گردن کا مسح کرنا۔“

مسائل و دلائل

مفردات:

يستحب: مستحب ہے۔ مجہول مذکر غائب از فعل مضارع

المتوضي: وضو کرنے والا۔ اسم فاعل از مزید فیہ

رأسه: اس کا سر۔ ”رأس“ مضاف اور ”ه“ ضمیر مضاف الیہ ہے۔

بالمسح: مسح کے ساتھ۔ ”ب“ حرف جر اور ”المسح“ مجرور ہے۔

يرتب: ترتیب رکھنا۔ صیغہ واحد مذکر غائب مجہول، فعل مضارع از مزید فیہ۔

بالميامن: دائیں طرف سے۔ ”ب“ حرف جر اور ”الميامن“ مجرور ہے۔

التوالی: لگا تار اور پے در پے۔

الرقبہ: گردن

طہارت کی نیت:

☆: ”وضو کرنے والے کے لیے طہارت کی نیت کرنا مستحب ہے۔“

یہاں سے مستحبات وضو کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ صاحب کتاب نے چھ مستحبات ذکر کئے ہیں جن میں سے پہلا مستحب نیت کرنا ہے۔ نیت کی بابت سات وجوہ سے گفتگو ہے۔ جن کو کسی شاعر نے اس شعر میں جمع کیا ہے:

حقیقۃ حکم محل و زمن
کیفیت شرط و مقصود حسن

نیت کا اطلاق لغت کے اعتبار سے دل کے پختہ ارادہ پر ہوتا ہے اور شرعاً کسی کام میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت یا تقرب کا ارادہ کرنے کو ”نیت“ کہتے ہیں۔ اب وضو میں کاہے کی نیت کرے؟ چنانچہ لکھا ہے کہ جو عبادت بغیر طہارت درست نہ ہو اس کی نیت کرنا یا حدث دور کرنے کی نیت کرنا یہاں سے مراد ہے۔ فتح القدر میں ہے کہ وضو میں رفع حدث کی نیت کرنی چاہئے۔

احناف، امام سفیان ثوری، امام اوزاعی اور امام حسن کے نزدیک وضو میں نیت کرنا ضروری ہے اور امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام ربیعہ، امام زہری، امام لیث، امام اسحاق، امام ابو ثور، امام ابو عبید اور امام داؤد ظاہری کے نزدیک فرض ہے کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد ہے:

”انما الاعمال بالنیات“

”تمام اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔“

ہم یہ کہتے ہیں کہ وضو میں دو جہتیں ہیں۔ ایک اس کا مستقل عبادت ہونا اور دوسرے اس کا ذریعہ اور وسیلہ نماز ہونا۔ وضو بایں حیثیت کہ وہ عبادت ہے جو بلا نیت

درست نہیں یعنی متوضی کو بلانیت عبادت وضو کا ثواب حاصل نہ ہوگا لیکن نماز کا ذریعہ ہونا اس پر موقوف نہیں بلکہ طہارت بلانیت بھی حاصل ہو جائے گی کیونکہ پانی بذات خود پاک کرنے والی چیز ہے ارادہ ہو یا نہ ہو۔

حکم نیت یہ ہے کہ عبادات کے لیے نیت کرنا فرض ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وما امروا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين“

”اور انہیں فقط دین کے لیے اخلاص کا حکم کیا گیا تھا۔“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 30، سورہ لم یکن)

والاخلاص هو النية“

”اور اخلاص تو نیت ہی ہے۔“

نیت غیر عبادت میں کہیں سنت ہوتی ہے کہیں مستحب۔

محل نیت قلب ہے اور زبان سے کہہ لینا سنت ہے۔

وقت نیت ابتدائے عبادت ہے یعنی ہر عبادت کے آغاز میں نیت ہونی چاہئے

لیکن روزہ، زکوٰۃ، کفارات اور اضحیہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

کیفیت نیت ہر باب کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے۔

شرط نیت کنندہ کا مسلمان ہونا، صاحب تمیز ہونا اور عالم بالمعنوی ہونا ہے۔

مقصود نیت عبادات کا عادات سے ممتاز ہونا ہے جیسے مسجد میں بیٹھنا کبھی اعتکاف

کے لیے ہوتا ہے اور کبھی استراحت کے لیے۔ اب اس کا عبادت ہونا نیت ہی کے

ذریعہ سے ممتاز ہوگا۔

سوال: صاحب کتاب نے وضو میں نیت کرنے، تمام سر کا مسح کرنے اور بالترتیب

وضو کرنے کو مستحب کہا ہے۔ اس پر صاحب فتح القدیر وغیرہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ

روایت و درایت سے اس کی کوئی سند نہیں ہے بلکہ مشائخ کی روایات اس کے سنت

ہونے پر متفق ہیں۔

جواب: متقدمین و متاخرین کی اصطلاحات کا فرق ہے۔ متاخرین کے یہاں استحباب کا اطلاق سنت کے مقابل پر ہوتا ہے مگر متقدمین کے نزدیک لفظ استحباب بالمعنی الاعم ہے جو سنت اور واجب کو بھی شامل ہے۔

پورے سر کا مسح:

☆: ”پورے سر کا مسح بھی مستحب ہے۔“

پورے سر کا ایک بار مسح کرنا بھی بر قول صحیح سنت موکدہ ہے۔ یہ استحباب صاحب کتاب کے نزدیک بالمعنی الاعم ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”جس طرح اعضاء وضو کو تین نئے پانیوں سے دھونا سنت ہے۔ اسی طرح

سر کا مسح بھی تین مرتبہ نئے پانیوں سے سنت ہوگا۔“

یعنی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سر کے مسح کو دوسرے اعضاء کے دھونے پر قیاس کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ مسح کا قیاس مسح پر ہونا چاہئے نہ کہ مغسول پر۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی نقلی دلیل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے تین بار سر کا مسح کیا اور فرمایا:

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔“

(صحیح مسلم)

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے وضو میں تین مرتبہ اعضاء دھوئے اور سر کا مسح صرف ایک بار کیا اور فرمایا:

”یہ رسول اللہ ﷺ کا وضو ہے۔“

(المعجم الاوسط)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے سر مبارک کا ایک بار مسح فرمایا۔

(صحیح البخاری) (صحیح المسلم) (سنن ابوداؤد)

سر کے مسح کے کیفیت کے سلسلے میں مشہور تو یہی ہے کہ سر کے اگلے حصہ سے شروع

کرے۔ علماء کے اقوال اور امام نسائی کی حدیث اس کی مؤید ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مسح کے وقت، اپنے دونوں ہاتھ سر سے پیچھے لے گئیں، پھر ان کو کھینچتے ہوئے کانوں اور رخساروں تک لائیں۔

حضرت طلحہ بن مصرف رضی اللہ عنہ کی روایت میں سر کے اگلے حصہ سے گدی تک لے جا کر کانوں کے نیچے ہاتھ نکالنا مذکور ہے۔

(سنن ابی داؤد) (طحاوی)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت (جو حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سر کا مسح کرتے ہوئے پہلے اقبال کیا پھر ادا بار کیا اور گدی تک ان کو کھینچنا اور پھر گدی سے پچھلے سر تک لوٹایا۔

مگر اب داؤد کی روایت میں پہلے پیچھے سے پھر آگے سے مسح کرنا منقول ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سر کے اگلے اور پچھلے حصہ کا مسح کیا۔

بزار کی روایت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ انہوں نے سر کے اگلے حصے کا ادا بار

واقبال کیا یعنی پہلے ہاتھ اس حصے کے آگے سے پیچھے کو اور پھر پیچھے سے آگے کو لے آئے۔

ابن السکین کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے باطن لہیہ اور گدی کا مسح فرمایا۔

بہر حال یہ سب صورتیں اختیاری ہیں لیکن ہمارے اصحاب کے نزدیک حضرت

عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت مختار ہے۔

ترتیب کا لحاظ:

☆: ”اور مستحب ہے اس ترتیب کے ساتھ وضو کرنا جس کی تصریح قرآن

مجید نے کی ہے۔“

اس ترتیب کے ساتھ وضو کرنا جس کی تصریح قرآن پاک میں ہے مستحب ہے یعنی

پہلے چہرہ کے دھونے کا حکم ہے پھر دونوں ہاتھوں کے کہنیوں تک دھونے کا پھر سر کے مسح کا اور اس کے بعد دونوں پاؤں کے دھونے کا ذکر ہے۔ پس اسی ترتیب کے ساتھ وضو کرنا مستحب ہے۔ امام زہری، امام ربیعہ، امام نخعی، امام مکحول، امام عطاء، امام مالک، امام اوزاعی، امام لیث اور احناف کا یہی قول ہے۔ بلکہ بقول علامہ بغوی اکثر علماء کا یہی قول ہے۔

امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق، امام ابو ثور، امام قتادہ اور امام ابو عبید کے یہاں ترتیب سے وضو کرنا مستحب نہیں بلکہ فرض ہے کیونکہ آیت وضو میں **فَاَتَعْقِبُ مَعَ الْوَصْلِ** کے لیے ہے تو نماز کے ارادے اور منہ کے دھونے میں تعقیب اور ترتیب لفظ فاء کے ذریعے ثابت ہوئی اور بقیہ اعضاء کی ترتیب **حرف واؤ** سے مفہوم ہوئی۔ لہذا ان کے نزدیک ترتیب کے بغیر وضو کرنے سے وضو نہیں ہوتا۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ **حرف واؤ** باجماع اہل لغت مطلق جمع کے لیے ہے پس فاء تعقیبیہ کا مطلب یہ ہوا کہ وضو کے ان جملہ اعضاء کی تطہیر کا تحقق نماز کے ارادے کے بعد ہونا چاہئے۔ لہذا ہمارے نزدیک ترتیب سے وضو کرنا مستحب ہے کیونکہ ہمارے نزدیک بغیر ترتیب بھی وضو ہو جاتا ہے۔

داہنی طرف سے ابتداء:

☆: ”داہنی طرف سے ابتدا کرنا بھی مستحب ہے۔“

صحاح ستہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر چیز میں داہنی طرف سے شروع کرنے کو پسند فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ طہارت میں، جوتے پہننے میں، کنگھا کرنے میں اور سب کاموں میں۔

پے درپے:

☆: ”پے درپے اعضاء وضو کا دھونا مستحب ہے۔“

اعضائے وضو کو پے درپے دھونا کہ پہلے عضو کے خشک ہونے سے پہلے دوسرا بھی

دھو ڈالا جائے۔

صاحب کتاب نے باصطلاح مذکور اس کو بھی مستحب کہا ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ بھی سنت ہے۔ شیخ حدادی نے موالاة (پے درپے میں) میں اعتدال بدن اور عدم عذر کی قید لگائی ہے۔ پس اگر ہو یا بدن کی گرمی سے اثناء وضو میں خشکی طاری ہوگئی یا اثناء وضو میں پابندی ختم ہو جانے کی وجہ سے پانی لینے گیا اور عضو خشک ہو گیا تو یہ پے درپے دھونے کی سنت کے ادا ہونے سے مانع نہیں ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک موالاة (پے درپے دھونا) فرض ہے۔ وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اثر سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو وضو سے فارغ ہو چکا تھا اور اس کے پاؤں میں بقدر ناخن خشکی تھی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو وضو لوٹانے کے لیے ارشاد فرمایا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ) (مصنف عبدالرزاق) (مسند امام احمد)

ہماری دلیل وہ ہے جس کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بازار میں وضو کر رہے تھے اور سر کا مسح کر چکے تھے کہ آپ کو جنازہ کے لیے مدعو کیا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے اور یہاں آکر آپ نے موزوں پر مسح کیا۔ امام نووی نے شرح مہذب میں اس اثر کی تصحیح کی ہے۔ معلوم ہوا کہ پے درپے وضو کے اعضاء کو دھونا فرض نہیں بلکہ سنت ہے۔

گردن کا مسح:

☆: ”گردن کا مسح کرنا مستحب ہے۔“

گردن کا مسح کرنا وضو کے مستحبات میں سے ہے۔ محیط میں ہے:

”مسح رقبہ کے متعلق امام محمد نے تو اپنی کتاب میں کچھ ذکر نہیں کیا، البتہ

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مسح رقبہ کو ادب کہا ہے۔“

فتح القدیر میں ہے کہ دونوں ہاتھوں کی پشت سے گردن کا مسح کرنا مستحب ہے اور

حلق کا مسح بدعت ہے۔ چنانچہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ گردن کے طاہری حصہ پر مسح فرمایا کرتے تھے۔

مستحبات وضو:

صاحب کتاب امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے مستحبات وضو تعداد میں چھ ذکر کئے ہیں جن میں سے نیت، استیعاب رأس، ترتیب اور توالی کی بابت ہم بتا چکے ہیں کہ یہ امور سنت ہیں اور مصنف کے نزدیک ان پر استحباب کا اطلاق بالمعنی الاعم ہے۔ تو اب صرف دو مستحب باقی رہے یعنی تيامن اور مسح رقبہ، چنانچہ عام متون میں انہی دو کا ذکر ملتا ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ مستحبات وضو صرف دو ہی ہیں بلکہ صاحب تنویر الابصار نے 15 مستحبات ذکر کئے ہیں۔ جن پر صاحب درمختار نے 8 زائد کئے ہیں اور طحاوی محشی نے ان پر 14 کا مزید اضافہ کیا ہے، اس طرح کل 47 مستحبات ہوئے۔

من شاء فیراجع الیہ



نواقض وضو کا بیان

”والمعانی الناقضة للوضوء كل ما خرج من السيلين والدم والقيح والصدید اذا اخرج من البدن فتجاوزا الى موضع يلحقه حكم التطهير والقي اذا كان ملا الفم والنوم مضطجعا ومتكئا او مستندا الى شئ لو ازيل لسقط عنه والغلبة على العقل بالاغماء والجنون والقهقهة في كل صلوة ذات ركوع وسجود وليس في المذی والودی غسل وفيها الوضوء۔“

”پیشاب یا پاخانہ کی راہ سے کچھ نکلنا، خون، پیپ اور کچ لہو کا نکل کر ایسی جگہ کی طرف بہہ جانا جس کو (غسل یا وضو میں) پاک کرنے کا حکم ہو، تے کا منہ بھر کر آنا، سونا کروٹ کے بل یا تکیہ لگا کر یا ایسی چیز کے سہارے سے کہ اگر اس کو ہٹا دیا جائے تو یہ گر جائے، مغلوب العقل ہونا مدہوشی کی وجہ سے، دیوانگی کا ہونا اور کھل کھلا کر ہنسنا رکوع سجدہ والی نماز میں یہ سب چیزیں وضو توڑ دیتی ہیں اور مذی و ودی میں غسل نہیں، ان میں تو صرف وضو ہے۔“

مفردات:

المعانی: معانی

ناقضة: علل مراد ہیں لیکن عام مشائخ اصطلاح فلاسفہ سے احتراز کی خاطر لفظہ علل استعمال نہیں کرتے یا اس لیے کہ اس میں حدیث کا اتباع مقصود ہے۔ چنانچہ

حدیث ”لایحل دم امرء مسلم الا باحدثلث معان“ لفظ معان کے ساتھ وارد ہے۔ **الناقضة** نقض سے صیغہ صفت ہے بمعنی توڑ دینے والی چیزیں، نقض کی اضافت جب اجسام کی طرف ہوتی ہے تو اجسام کے اجزائے تالیفیہ کو جدا کر دینا مقصود ہوتا ہے اور جب اس کی اضافت معانی کی طرف ہو جیسے نقض وضو نقض عہد تو مراد یہ ہوتی ہے کہ جو فائدہ اس سے مقصود تھا وہ فوت ہو گیا جیسے وضو کا فائدہ نماز کا مباح ہونا ہے، وہ جاتا رہے۔

سبیلین: مقام بول و براز۔

الدم: خون۔

القیح: پیپ۔

صدید: کچ لہو۔

فتجلوز: بڑھ جائے۔

القٹی: قے کرنا۔

ملا: بھرنا۔

الضم: منہ۔

النوم: خواب، نیند۔

مضطجعاً: کروٹ کے بل

منکناً: تکیہ لگا کر۔

مستنداً: ٹیک لگا کر سونے کی حالت میں۔

أزِيل: ہٹایا جانا۔

سَقَطَ: گر جانا۔

اغماء: مدہوشی

جنون: دیوانگی:

فقہہ: کھلکھلا کر ہنسنا۔

مذی: ایک قسم کا سفید اور پتلا مادہ ہوتا ہے جو بلوغت کے وقت بلا دقت نکلتا ہے۔
ودی: منی کے مشابہ قدرے گاڑھا ایک مادہ ہے جو پیشاب کے بعد ایک آدھ قطرہ نکلتا ہے۔

مسائل ودلائل

بول و براز:

☆: ”جو چیز سبیلین سے نکلے اس سے وضو ختم ہو جاتا ہے۔“
فروض، سنن اور مستحبات وضو سے فراغت کے بعد مصنف نے نواقض وضو کو بیان فرمایا ہے۔ نواقض وضو تین طرح کے ہوتے ہیں۔ بدن سے خارج ہونے والی، بدن میں داخل ہونے والی چیزیں اور انسانی احوال۔
خارج ہونے والی چیزوں کی دو صورتیں ہیں:

- 1: صرف پیشاب اور پاخانہ کے مقام سے خارج ہونے والی چیزیں۔
 - 2: دوسرے کسی حصہ بدن منہ یا زخم وغیرہ سے خارج ہونے والی چیزیں۔
- بہر دو صورت ان کا خروج بطریق عادت ہو جیسے خون، پیپ، لہو اور کیڑا وغیرہ۔
غیر سبیلین سے نکلنے والی چیزوں کی دو اقسام ہوں گی:
- 1: سبیلین سے داخل ہوں گی جیسے حقنہ وغیرہ یا غیر سبیلین سے جیسے کھانا وغیرہ۔
 - انسانی ماحول کی دو صورتیں ہیں:
 - 1: بطور عادت ہوں گی جیسے سونا۔
 - 2: بلا عادت ہوں گی جیسے قہقہہ لگانا اور عقل کا مغلوب ہونا۔ صاحب کتاب کی عادت یہ ہے کہ وہ پہلے متفق علیہ مسائل کو بیان کرتے ہیں، اس کے بعد مختلف فیہ مسائل کو اور خارج سبیلین کا ناقض وضو ہونا متفق علیہ ہے۔ اس لیے اس کو

مقدم کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وضو کو ہر وہ چیز توڑ دیتی ہے جو سبیلین سے نکلے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اوجاء احد منکم من الغائط“

”یا آئے تم میں سے کوئی قضاء حاجت سے فارغ ہو کر (تو اس سے بھی حدث لاحق ہو جاتا ہے)۔“

یہاں خروج سے مراد ظاہر ہونا ہے یعنی جب نجاست بول و براز کی راہ سے ظاہر ہوگئی تو خروج متحقق ہو گیا اور وضو ٹوٹ گیا اگرچہ سیلان نہ ہو اور **کل ماخرج** میں کلمہ **کل** عموم افراد کے لیے ہے جو معتاد و غیر معتاد ہر دو کو شامل ہے۔ **سبیلین** سے مراد زندہ شخص کا مقام بول و براز ہے جس سے مردہ نکل گیا کہ مردہ سے نجاست کا خروج اس کے وضو کے لیے ناقض نہیں ہے بلکہ موضع نجاست کو دھویا جائے گا۔

(طحطاوی)

معتاد میں پیشاب، پاخانہ، ریح، ودی، مذی اور منی داخل ہیں اور یہ تمام بالا جماع ناقض وضو ہیں۔ غیر معتاد جیسے سنگریزے اور کیڑے کا نکلنا حنفیہ کے نزدیک، امام سفیان ثوری، امام اوزاعی، امام ابن المبارک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام اسحاق اور امام ابو ثور رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ناقض وضو ہے لیکن امام مالک اور امام قتادہ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک یہ ناقض وضو نہیں ہے۔ بلکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو ناقض ہونے کے لیے معتاد ہونا شرط ہے۔

مصنف کی عبارت ”**کل ماخرج**“ پر تین صورتیں باعث شبہ ہیں یعنی عورت یا مرد کی پیشاب گاہ سے ریح یا کیڑے کا نکلنا کہ اصح قول پر اس سے وضو نہیں ٹوٹتا حالانکہ تین کے عموم میں یہ صورتیں بھی داخل ہیں۔ صاحب فتح القدر نے ان تینوں صورتوں کو اس کلیہ سے مستثنیٰ مانا ہے۔

خون، پیپ یا کچ لہو کا بہنا:

☆: ”خون، پیپ یا کچ لہو کے بہنے سے بھی وضو ختم ہو جاتا ہے۔“

یہ **ماخرج من غیر السبیلین** کا بیان ہے کہ اگر سبیلین کے علاوہ بدن کے کسی حصہ سے نجاست مثلاً خون، کچ لہو یا پیپ نکلے اور ایسے حصے کی طرف تجاوز کر جائے جس کو (وضو یا غسل میں) پاک کرنے کا حکم لاگو ہوتا ہو تو اس سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

”الوضو من کل دم سائل“

(دارقطنی) (ابن عدی)

”ہر بہنے والے خون کے نکلنے سے وضو واجب ہے۔“

یہاں خروج سے مراد نجاست کا صرف ظاہر ہونا نہیں ہے بلکہ سیلان بھی شرط ہے۔ چنانچہ خون اگر سرخ زخم پر چڑھا مگر بہا نہیں تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

(ظہیریہ) (فتاویٰ رضویہ) (بہار شریعت) (محیط)

البتہ سیلان کے لیے بالفعل بہنا ضروری نہیں بلکہ قوت واستعداد سیلان کافی ہے۔ اگر کسی ترکیب سے خون بہنے نہ دیا جائے تب بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔ چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اصل میں اس کی تصریح کی ہے کہ اگر خون تھوڑا تھوڑا نکلتا رہے اور بار بار پونچھا جائے کہ بہنے کی نوبت ہی نہ آئے تب بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔

قے کا منہ بھر کر آنا:

☆: ”منہ بھر کر قے آنے سے بھی وضو ختم ہو جاتا ہے۔“

منہ بھر کر قے کرنا بھی ناقض وضو ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

”من اصابہ قیء اور عاف او قلس او مذی فلیصرف الخ“

(سنن ابن ماجہ عن عائشہ)

”اگر کسی کو قے، نکسیر یا بلا متلی قے یا مذی کا عذر پیش آجائے تو اس کو وضو

کرنے کے لیے ہٹ جانا چاہئے اور دوبارہ وضو کر کے نماز کی بناء کرنی چاہئے۔“

وجہ استدلال یہ ہے کہ نماز کی بناء کا حکم خود نقض وضو کو بتا رہا ہے کیونکہ بناء نماز وضو ٹوٹ جانے کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں **خارج من السبیلین** ناقض نہیں ہے اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قے ناقض وضو ہے۔ ”منہ بھرتے“ وہ ہے جس کے روکنے پر قدرت نہ ہو۔ منہ بھر کے قے ہونے کی حد یہ ہے کہ وہ بلا تکلیف منہ میں نہ روکی جاسکے۔ صاحب ینایع کہتے ہیں کہ قول صحیح یہی ہے کہ منہ بھرتے وہ ہے جس کے روکنے پر قدرت نہ ہو۔ بعض کا قول ہے جس کے ہوتے ہوئے کلام نہ کر سکے وہ منہ بھر ہے۔

قے پانچ قسم کی ہوتی ہے:

- 1: پانی کی قے
- 2: کھانے کی قے
- 3: خون کی قے
- 4: پت کی قے
- 5: بلغم کی قے

سواگر قے صفراء، پت یا پانی کی ہو تو منہ بھر ہونے کی صورت میں ناقض ہے ورنہ نہیں۔ بلغم کی قے تو امام اعظم اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ناقض نہیں گو منہ بھر ہو لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بلغم کی قے منہ بھر ہونے کی صورت میں ناقض وضو ہے۔ یہ اختلاف معدہ کی جانب سے اٹھنے والی قے کی بابت ہے۔ اگر دماغ کی جانب سے قے میں بلغم اترے تو بالاتفاق ایسی قے ناقض وضو نہیں ہے۔ خون بستہ کی قے منہ بھر ہو تو ناقض ہے اور بہنے والے خون کی قے کے لیے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک منہ بھر ہونا شرط ہے لیکن شیخین کے نزدیک شرط نہیں ہے۔

کسی نے بار بار تھوڑی تھوڑی قے اس طرح کی کہ اگر سب کو جمع کیا جائے تو منہ بھر کی مقدار ہو جائے تو ایسی صورت میں دیکھا جائے گا کہ قے کا سبب یعنی جی کا متلانا

متحد ہے یا مختلف اگر مختلف ہو تو ناقض ہے ورنہ نہیں۔ یہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ جی متلانے کی وجہ کا نہیں بلکہ اتحاد مجلس کا اعتبار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ایک ہی مجلس میں ہو تھوڑی تھوڑی تے بار بار آئی اور اس کو ملانے سے منہ بھر ہو جائے تو وہ ناقض وضو ہے، ورنہ نہیں۔ اس کی چار صورتیں ہیں:

- 1: مجلس وسبب ہر دو متحد ہوں تو یہ بالاتفاق ناقض وضو ہے۔
- 2: مجلس وسبب ہر دو مختلف ہوں یہ بالاتفاق غیر ناقض وضو ہے۔
- 3: صرف مجلس متحد ہو تو یہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ناقض وضو ہے۔
- 4: صرف سبب متحد ہو تو یہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ناقض ہے۔

نہیند:

☆: ” کروٹ کے بل سونا یا تکیہ لگا کر سونا یا ایسی چیز کے سہارے سونا کہ اگر اس کو ہٹا دیا جائے تو یہ گر جائے، ایسی نہیند سے وضو ختم ہو جاتا ہے۔“
اب تک جن نواقض وضو کا ذکر آیا ہے وہ حقیقی نواقض تھے۔ یہاں سے نواقض حکمی کا بیان ہے۔ سونے کی کل تیرہ حالتیں ہیں:

- 1: کروٹ سے سونا۔
- 2: ٹیک لگا کر سونا۔
- 3: ایک سرین پر سونا۔
- 4: تکیہ لگا کر سونا۔
- 5: چہار زانو ہو کر سونا۔
- 6: بیٹھ کر سونا۔
- 7: پاؤں پھیلا کر سونا۔
- 8: منحنی (ٹیرھا) ہو کر سونا۔
- 9: کتے کی ہیئت پر سونا۔

10: پیدل چلتے ہوئے سونا۔

11: سوار ہو کر سونا۔

12: سہارا دے کر سونا۔

13: قیام، رکوع یا سجود کی حالت میں سونا۔

پہلی تین حالتیں ناقض وضو ہیں کیونکہ اس طرح سونے میں جوڑ ڈھیلے ہو جاتے ہیں اور عادت کسی چیز کے نکلنے کا احتمال رہتا ہے اور جو بات عادت ہو وہ یقینی سی ہوتی ہے۔ اس بارے میں اصل دلیل یہ حدیث ہے:

”کروٹ کے بل سونے سے وضو جاتا رہتا ہے کیونکہ اس وقت جوڑ بند ڈھیلے

پڑ جاتے ہیں۔“

(سنن ابی داؤد) (سنن ترمذی)

پاگل یا بے ہوش ہونا:

☆: ”مغلوب العقل ہونا مدہوشی کی وجہ سے اور دیوانگی کے ہونے کی وجہ

سے بھی وضو ختم ہو جاتا ہے۔“

مدہوشی کی وجہ سے مغلوب العقل ہو جانا بھی بہر حال ناقض وضو ہے۔ بحالت قعود،

رکوع کی ہیئت میں ہو یا سجدہ کی نماز میں ہو یا غیر نماز میں کیونکہ انشاء تو جوڑ بند ڈھیلے

ہونے میں چپت لیٹ کر سونے سے بھی زیادہ ہے۔ لہذا یہ بطریق اولیٰ ناقض ہوگا۔

اسی طرح جنون کا طاری ہو جانا بھی ناقض ہے کیونکہ اس کی وجہ سے امتیاز شعور

اٹھ جاتا ہے اور اس حالت میں نہ پاکی کی تمیز رہتی ہے اور نہ ناپاکی کی۔ اس لیے اس کو

بھی ہر حال میں حدت سمجھا جائے گا۔

انشاء اور جنون دونوں بیماریوں میں قویٰ میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔ ان میں فرق

یہ ہے کہ جنون میں عقل بالکلیہ مسلوب ہو جاتی ہے اور انشاء میں بالکلیہ مسلوب نہیں ہوتی

بلکہ مغلوب ہو جاتی ہے۔

کھلکھلا کر ہنسنا:

☆: کھلکھلا کر ہنسنا رکوع و سجود والی نماز میں یہ سب چیزیں وضو توڑ دیتی

ہیں۔“

عاقلاً بالغ نمازی کا کھلکھلا کر ہنسنا بھی ناقض وضو ہے۔ اگرچہ سلام پھیرنے کے وقت ہو۔

”فی کل صلوة ذات رکوع الخ“ کی قید سے نماز جنازہ اور سجدہ

تلاوت خارج ہو گئے کہ ان میں قہقہہ ناقض وضو نہیں ہے۔ قہقہہ میں مقتضاً قیاس تو یہی ہے کہ ناقض نہ ہو کیونکہ قہقہہ سے کوئی ناپاک چیز خارج نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم اس سے نقض وضو کے قائل نہیں مگر قہقہہ کے ناقض وضو ہونے میں چھ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مرفوعاً روایت ہے اس لیے احناف ترک قیاس پر مجبور ہیں۔

حافظ طبرانی نے بواسطہ ابوالعالیہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک کم نظر آدمی اس گڑھے میں گر گیا جو مسجد میں تھا، پس بہت سے آدمی ہنس پڑے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

”وضو کر کے نماز کا اعادہ کرو۔“

ہنسنے کی تین قسمیں ہیں:

1: **قہقہہ**: اتنی اونچی آواز سے ہنسنا کہ خود بھی اور قریب کے لوگ بھی اس کی آواز سن لیں۔

2: **ضحک**: جس کو خود سن سکے اور دوسرے لوگ نہ سن سکیں۔ یہ ناقض وضو نہیں لیکن مبطل صلوة (نماز کو باطل کرنے والا) ہے۔

3: **قبسم**: جس میں بالکل آواز نہ ہو بلکہ صرف دانت کھل جائیں۔ یہ نہ ناقض وضو ہے اور نہ مبطل صلوة۔

مذی اور ودی:

☆: ”مذی وودی میں غسل نہیں، ان میں تو صرف وضو ہے۔“

مذی اور ودی کے نکلنے پر غسل فرض نہیں بلکہ ان میں صرف وضو ہے۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مشہور روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”ہر مرد کو مذی ہوتی ہے، سو اس کی وجہ سے عضو تناسل اور نصیبے دھولینے

چاہئیں اور نماز جیسا وضو کرنا چاہئے۔“

(طحاوی، اسحاق بن، راہویہ عن علی) (ابوداؤد، احمد عن ابن عبد اللہ بن سعد الانصاری) (طبرانی عن معقل بن یسار)

سوال: مذی اور ودی کی وجہ سے وجوب وضو تو مصنف کے قول سابق ”کل ما خرج من السبیلین“ سے ثابت ہو چکا ہے پھر یہ الفاظ ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: قول سابق سے وجوب وضو کا استفادہ ضمنی ہے اور یہاں قصدی یعنی ارادی۔

سوال: ودی کی وجہ سے وضو واجب کرنے میں کیا فائدہ جب کہ پیشاب کی وجہ سے وضو واجب ہو چکا کیونکہ ودی تو اسی مادہ کو کہتے ہیں جو پیشاب کے بعد نکلے؟

پہلا جواب: پیشاب کی وجہ سے وضو کا واجب ہونا اس کے منافی نہیں کہ اس کے بعد

ودی کی وجہ سے وضو واجب ہو بلکہ وضو دونوں کی وجہ سے لازم ہے۔ اس کی نظیر **د عاف**

بعد البول یا بول بعد الرعاف ہے۔ اگر کسی نے قسم کھائی کہ نکسیر سے وضو نہیں

کروں گا۔ اس کے بعد اُسے نکسیر آئی، پھر اس نے پیشاب کیا یا پہلے پیشاب

کیا اور بعد میں نکسیر آئی تو وضو دونوں سے ثابت ہوگا اور اگر وہ شخص وضو کرے گا تو حائض

ہو جائے گا۔

دوسرے جواب: وضو کا فائدہ اس شخص کے بارے میں ظاہر ہوگا جس کو سلسل البول کی

بیماری ہو کہ اس کا وضو ودی سے ٹوٹے گا نہ کہ پیشاب سے۔

تیسرا جواب: جس شخص نے پیشاب کے بعد ودی سے پہلے وضو کر لیا پھر ودی نکلی تو ودی کی وجہ سے اس پر دوبارہ وضو کرنا لازم ہوگا۔

چوتھا جواب: ودی کی ایک تعریف یہ بھی ہے کہ جو پیشاب یا غسل جماعی کے بعد نکلے، اس کی تعریف کی رو سے اعتراض وارد ہی نہیں ہوتا۔



باب : ۲

غسل کے بیان میں

ابتدائیہ

غسل کی دینی اور طبی اہمیت

ایک نامور جرمن فاضل اور مستشرق ”جواکیم دی یولف“ حفظانِ صحت کے متعلق قرآن مجید فرقانِ حمید کی تعلیمات پر غور و خوض کرنے کے بعد ایک حقیقت کا اعتراف کرتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

”غسل میں تمام جسم اور وضو میں ان اعضاء کا پاک کرنا ضروری ہے جو عام کاروبار یا چلنے پھرنے میں کھلے رہتے ہیں۔ منہ صاف کرنا، مسواک کرنا اور ناک کے اندورنی گرد و غبار وغیرہ کو دور کرنا یہ تمام حفظِ صحت کے لوازم ہیں اور ان واجبات کی بڑی شرط آبِ رواں کا استعمال ہے جو فی الواقع جراثیم کے وجود سے پاک ہوتا ہے۔“

غسل کی افادیت:

اسلام میں جسمانی طہارت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ پانچوں نمازوں سے قبل وضو کو فرض و لازم ٹھہرایا گیا۔ اسی طرح وظیفہٴ زوجیت کی ادائیگی کے بعد زوجین کے لیے غسل کرنا یا حیض و نفاس کے بعد عورت کے لیے غسل کرنا ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مادہٴ منویہ اور حیض و نفاس کا گند خون جراثیموں کی آماجگاہ ہوتا ہے، اسی لیے ضروری ہے کہ ان نجاستوں کو مکمل طور پر جسم سے دور کیا جائے تاکہ مختلف خورد بینی موجودات وہاں پر پرورش پا کر اپنی تعداد میں تیزی سے اضافہ کر کے جسم کو کسی بیماری میں مبتلا نہ کر سکیں۔

اس کے علاوہ بدن کو پانی سے دھونے کی وجہ سے جس فرحت کا اثر روح تک پہنچتا ہے وہ بھی مخفی نہیں لیکن یہاں صرف جسم پر جراثیمی حملے سے حفاظت کا ذکر کرنا مطلوب ہے۔

اگر نمازِ عشاء ادا کرنے کے بعد انسان گھریلو امور میں مصروف ہو جائے یا ویسے ہی بیکار بیٹھا رہے تو اسے چاہیے کہ وہ غسل کر کے سوئے کیونکہ غسل کر کے سونے سے پرسکون اور گہری نیند آتی ہے اور جسم بھی مکمل طور پر جراثیم سے پاک ہوتا ہے۔

اگر ہاتھوں پر جراثیم وغیرہ موجود ہوں تو نیند کے دوران وہ با آسانی منہ یا ناک کے راستے جسم میں پہنچ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اگر کھانے کے بعد بغیر ہاتھ دھوئے سویا جائے تو فضا میں موجود جراثیم اور دیگر کیڑے چکنائی اور کھانے کے ذرات پر حملہ آور ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا!

”جو شخص رات کو اس حال میں سویا کہ اس کے ہاتھوں میں چکنائی کی باس تھی اور پھر اسے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو وہ اپنے نفس ہی کو برا کہے کہ اسی کی غفلت سے ایسا ہوا ہے۔“

(ارشادات رسول اکرم، صفحہ 530، از مولانا حامد الرحمن الصدیقی، ناشر مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

ڈاکٹر امتیاز رسول کہتے ہیں:

”سونے سے پہلے ہاتھ، منہ اور دوسرے حصوں کو دھونا ضروری ہے کیونکہ دن بھر میں مٹی، گرد و غبار اور جراثیم مساموں میں جمع ہو کر جلد کو خراب کر سکتے ہیں۔ منہ دھونے سے آنکھوں میں جمع گرد و غبار بھی صاف ہو جائے گا۔“

(سنت نبوی اور جدید سائنس، جلد 2، صفحہ 397، از حکیم محمد طارق محمود چغتائی، ادارہ اسلامیات لاہور)

حضور نبی کریم ﷺ نے جسمانی طہارت کی بہت تاکید فرمائی ہے۔ جیسا کہ بخاری

شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ہر مسلمان پر خدا کا یہ حق ہے کہ وہ ہفتہ میں ایک دن غسل کرے اور اپنے

سر اور بدن کو دھویا کرے۔“

(نقوش، رسول نمبر، بعنوان ”طب نبوی“، جلد 4، صفحہ 95-96، از حکیم سید محمد امین الدین، ناشر ادارہ فروغ اردو، اردو بازار لاہور)

ایک موقع پر سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا!
 ”ہر شخص روزانہ صبح اٹھ کر کسی کھانے پینے کی چیز کو ہاتھ لگانے سے پہلے کم از کم تین مرتبہ اپنے ہاتھوں کو دھوئے۔“

(نقوش، رسول نمبر، بعنوان ”طب نبوی“، جلد 4، صفحہ 95، از حکیم سید محمد امین الدین، ناشر ادارہ فروغ اردو، اردو بازار لاہور)

جسم کو ہر وقت صاف ستھرا رکھنا، صاف کپڑے پہننا اور نہانا یہ سب امور صفائی کا حصہ ہیں۔ یہ اقدامات جسم کی جلد پر ہر وقت موجود جراثیم اور بہت سے دوسرے جراثیم کو دھو کر بہا دیتے ہیں اور جلد صاف ہو جاتی ہے۔ جو نہی صفائی ستھرائی میں کمی آئے یہ جراثیم اپنا ہاتھ کھا جاتے ہیں، قسم قسم کی جلدی بیماریاں آتی ہیں اور جلد کے ذریعے جسم کے باقی اعضاء مثلاً ہڈی، پٹھے اور جوڑ وغیرہ کو متاثر کرتی ہیں۔ ان بیماریوں سے بچنے کے لیے آج کل کی میڈیکل سائنس کا اصول یہ ہے کہ بار بار نہایا جائے اور جسم کو صاف ستھرا رکھا جائے، جس سے جلد پر موجود جراثیم دھلتے رہیں گے اور انسانی جلد اور جسم ان جراثیم کے نقصان سے محفوظ رہے گا۔

مسلمان مردوں اور عورتوں پر بعض صورتوں میں غسل فرض ہو جاتا ہے۔ حالت جنابت میں غسل کرنے میں بھی کئی حکمتیں موجود ہیں:

”طب شاہد ہے کہ جنابت کی حالت میں پسینہ بھی کشیف ہو جاتا ہے اور پسینہ سے جو میل کچیل جسم پر جم جاتا ہے اس کو اگر مل مل کر صاف نہ کیا جائے تو وہ موجب خارش وغیرہ ہوتا ہے۔ غسل کی پابندی کرنے والے مذکورہ جلدی امراض سے محفوظ و مامون رہتے ہیں۔ امراض کے دفعیہ کے علاوہ غسل کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ غسل سے جسم میں تازگی اور توانائی پیدا ہوتی ہے، افکارِ فاسدہ سے دل و دماغ آزاد ہو جاتے ہیں اور قلب میں فرحت

وانبساط اور فرائض کی ادائیگی کے لیے ایک جوش و خروش انسان محسوس کرتا ہے جس سے صحت بہتر رہتی ہے۔“

(اسلامی اصول صحت، صفحہ 32، از محمد کمال الدین حسین ہمدانی)

نامور جرمن مستشرق ”جو اکیم دی یولف“ لکھتا ہے:

”غسل اور وضو کے واجبات نہایت دوراندیشی اور مصلحت پر مبنی ہیں۔“

(الصالح العقلیہ الاحکام النقلیہ، صفحہ 406)

اوپر دیئے گئے حقائق کی وجہ سے کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ غسل کا مقصد انسانی جسم میں تحفظ مہیا کرنے والے نظام کو تقویت دینا نہیں ہے۔

اقسام غسل:

غسل فرض: یہ چار حالتوں میں ہوتا ہے:

- 1: جب عضو تناسل (حشفہ) قبل یا دبر میں پہنچ جائے تو فاعل اور مفعول ہر دو پر غسل فرض ہے چاہے انزال ہو یا نہ ہو۔
- 2: جب شہوت کے ساتھ انزال ہو جائے، احتلام کی صورت میں ہو یا بوس و کنار کے ذریعہ سے ہو یا مشت زنی سے ہو (اس میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں)۔
- 3: غسل حیض۔
- 4: غسل نفاس۔

غسل مسنون: یہ بھی چار ہیں:

- 1: غسل جمعہ۔
- 2: غسل عیدین۔
- 3: غسل احرام (حج کا احرام ہو یا عمرہ کا)۔
- 4: غسل یوم عرفہ۔

غسل واجب: اس کی ایک ہی قسم ہے یعنی مردہ کو نہلانا۔

غسل مستحب: اس کی بہت سی صورتیں ہیں:

- 1: کافر کا اسلام قبول کرنے کے لیے غسل کرنا۔
- 2: بچہ کا بالغ ہونے پر غسل کرنا۔
- 3: جنون سے افاقہ یاب ہونے پر مجنون کا غسل کرنا۔

یہ باب 4 فصول پر مشتمل ہے:

- فصل نمبر 1: غسل کے فرائض
- فصل نمبر 2: غسل کی سنتیں
- فصل نمبر 3: مسنون غسل (دنوں کے اعتبار سے)
- فصل نمبر 4: موجبات غسل



غسل کے فرائض

”وفرض الغسل المضمضة والاستنشاق وغسل سائر البدن۔“
 ”اور فرائض غسل یہ (تین) ہیں: کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا اور پورے بدن کو دھونا۔“

مفردات:

فرض: لازم۔ فرض وہ ہے جس کا حکم نص قطعی سے ثابت ہو۔ فرض کا انکاری کافر کہلاتا ہے۔

المضمضة: کلی کرنا۔ اچھی طرح منہ صاف کرنا کہ کوئی ذرہ منہ میں نہ رہ جائے۔

الاستنشاق: ناک صاف کرنا۔ اس طرح ناک صاف کرنا کہ اس میں کوئی چیز جمی ہوئی نہ رہے۔

سائر البدن: سارا بدن۔

مسائل و دلائل

تذکرہ غسل:

☆: ”اور فرائض غسل یہ ہیں: کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا اور پورے بدن کو دھونا۔“
 غسل کی بہ نسبت وضو کی ضرورت چونکہ زیادہ ہوتی ہے اس لیے قرآن حکیم میں وضو کا ذکر بیان غسل پر مقدم ہے۔ غسل کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی شان ہے:

”وان کنتم جنباً فاطهروا“

”اگر تم جنبی ہو تو (غسل کر کے) خوب خوب پاکی حاصل کرو۔“

صاحب کتاب نے وضو کا تذکرہ پہلے اور غسل کا بعد میں کر کے قرآن مجید کی اس تقدیم و تاخیر کی رعایت کی ہے۔

فرائض و اقسام غسل:

غسل واجب یعنی غسل جنابت، غسل حیض اور غسل نفاس میں تین چیزیں فرض ہیں:

1: کلی کرنا۔

2: ناک میں پانی دینا۔

3: ایک مرتبہ تمام بدن کا دھونا۔

در اصل غسل میں فرض تو صرف ایک ہی چیز ہے یعنی بدن کے ہر اس محل کا ایک بار دھونا جس کے دھونے میں کوئی مشقت نہ ہو۔ اس میں کلی کرنا اور ناک میں پانی دینا بھی داخل ہے لیکن چونکہ کلی کرنے اور ناک میں پانی دینے کی بابت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے کہ وہ ان کو سنت کہتے ہیں اس لیے مصنف نے الگ الگ ہر ایک کی تصریح کر دی ہے۔

ہمارے یہاں وضو میں **مضمضة** اور **استنشاق** سنت ہے اور غسل میں فرض۔ وجہ فرق یہ ہے کہ وضو کی بابت آیت ”**فاغسلوا وجوهکم**“ میں لفظ **وجوه** ہے اور **وجہ** اس کو کہتے ہیں جس میں **مواجهت** واقع ہو اور ظاہر ہے کہ منہ اور ناک کے اندرونی حصہ میں **مواجهت** نہیں ہوتی۔ اس لیے وضو میں ان حصوں کا دھونا فرض نہیں ہو سکتا بخلاف غسل کے کہ اس کی بابت آیت کریمہ ”**وان کنتم جنباً فاطهروا**“ بطریق مبالغہ ہے۔ لہذا جتنے حصے کا دھونا ممکن ہو اس کا دھونا ضروری ہوگا اور منہ اور ناک کے اندرونی حصہ کا دھونا ممکن ہے لہذا غسل میں ان کا دھونا ضروری ہوگا۔

سنن غسل

”وسنة الغسل ان يبدأ المغتسل بغسل يديه وفرجه ويزيل النجاسة ان كانت على بدنه ثم يتوضأ وضوءه للصلاة الا غسل رجليه ثم يفيض الماء على راسه وعلى سائر بدنه ثلاثاً يتنجى عن ذلك المكان فيغسل رجليه وليس على المرأة ان تنقص صفاتها في الغسل اذا بلغ الماء اصول الشعر“

”اور غسل کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ غسل کرنے والا اول اپنے ہاتھ اور شرمگاہ دھوئے اور اگر اس کے جسم پر نجاست ہو تو اسے دور کرے پھر نماز جیسا وضو کرے مگر پاؤں دھونا ضروری نہیں۔ پھر پانی بہائے اپنے سر اور پورے بدن پر۔ بعد ازاں اس جگہ سے ہٹ کر اپنے پاؤں دھوئے۔ غسل میں عورت پر مینڈھیوں کا کھولنا ضروری نہیں جبکہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے۔“

مفردات

فرج: شرمگاہ۔

یزیل: دور کرے۔ صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع مثبت معروف از ثلاثی مجرد۔

رجلیہ: دونوں پاؤں۔ یہ رجل کا تثنیہ ہے۔ ن اضافت کی وجہ سے گر گیا ہے۔

یفيض: بہائے، انڈھیلے۔ واحد مذکر غائب، فعل مضارع معروف۔

یتنجی: ہٹ جائے۔

تنقض: بمعنی نقض یعنی کھولنا یا پھاڑنا۔

صفائر: یہ ضفیرہ کی جمع ہے۔ زلف، گیسو اور مینڈھی اس کا معنی ہے۔

اصول: جڑ۔ یہ اصل کی جمع ہے۔

الشعر: بال۔

استنجاء:

☆ ”غسل میں ہاتھ اور شرمگاہ کو دھونا اور اگر جسم پر نجاست ہو تو اسے دور

کرنا سنت ہے۔“

غسل میں ہاتھوں کا دھونا اور استنجاء کرنا سنت ہے۔ دراصل استنجاء غسل کی سنتوں میں سے ہے نہ کہ وضو کی۔ عمومی کتب فقہ میں استنجاء کو غسل کی سنتوں اور وضو کے مستحبات میں شامل کیا گیا ہے۔ اسلام میں ”تُخْلِقُوا بِأَخْلَاقِ اللَّهِ“ کا حکم ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات برتر اور نہایت پاک ہے۔ اس کی ذات ہر قسم کی برائی کی آلودگی سے پاک ہے۔ اسی لیے مشہور ہے کہ صفائی میں خدائی جلوے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے، وہ چوری چکاری اور مکاری سے پاک ہے۔ کسی قسم کی کوئی فریب کاری، ریا کاری اور حسد و بغض جیسے گمان کا اس کی ذات کے ساتھ امکان نہیں۔ کنجوسی و بخل جیسی صفات رذیلہ سے دائماً اور ابداً وہ ذات بابرکات پاک ہے۔ اس کی صفات پاکیزہ اور محمود ہیں۔ وہ حمید و مجید ہے تو حکم ہے کہ اے مسلمانو! مخلوق ہوتے ہوئے تمہارے لیے جہاں تک ممکن ہے تم بھی اخلاقیات اور اوصافِ الہیہ کو اپنی ذات میں راسخ کرو۔

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ واضح ہوا کہ ایک حقیقی اور باعمل مسلمان کی زندگی ہر لحاظ سے پاک، صاف اور برائی کے ہر نوع کے جراثیم سے محفوظ ہوتی ہے۔ وہ ہر قسم کی ظاہری و باطنی آلودگی سے پاک اور صاف ہوتا ہے۔ اسے حکم ہے کہ وہ حسد و بغض نہ رکھے۔ چوری و ڈاکہ زنی نہ کرے۔ گالی گلوچ نہ کرے۔ ہمیشہ سچ بولے اور جھوٹ سے محفوظ رہے۔ ریا کاری سے بچے، فریب اور دھوکا دہی ہرگز نہ کرے۔ اپنے

کردار و گفتار کی خوبی میں ہر مسلمان اپنی مثال آپ ہو۔ دوسرے لوگوں کو ہرگز تنگ نہ کرے اور نہ کسی کو کوئی نقصان پہنچائے۔ بلکہ ہر وقت دوسروں کی مدد اور رہنمائی کے لیے کمر بستہ رہے۔ کمزور کی مدد کرے، پڑوسیوں سے بہتر سلوک کرے اور دوسروں کے حقوق کو مجروح نہ کرے۔

ارشادِ مصطفیٰ کریم ﷺ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا!

”الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ۔“

”حقیقی اور کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔“

ایک اور ارشادِ عالی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا!

”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے بھی وہی کچھ نہ چاہے جس کی وہ خود اپنی ذات کے لیے خواہش کرتا ہے۔“

(اصح البخاری، باب من الایمان ان تحب الاذیہ، رقم 13)

ہر مسلمان کے لیے حکم ہے کہ حلال کھائے، حرام سے بچے، اپنے خیالات کو پاک و صاف رکھے، جسم کو پاک رکھے، لباس کو صاف رکھے اور اپنے کلام و کردار کی صفائی پیش کرے کہ بات میں جھوٹ نہ بولے اور کردار کو صاف رکھے۔ گویا کہ یوں محسوس ہو کہ ہر مسلمان مکمل طور پر ظاہری اور باطنی صفائی کا پیکر مجسم ہے۔

اسلامی تعلیمات میں نماز کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ نماز ادا کرنے کے لیے شرط ہے کہ آدمی کا جسم پاک و صاف ہو، اس کا لباس صاف ستھرا ہو اور وہ با وضو ہو۔

نماز سے پہلے ہر قسم کی جسمانی طہارت ضروری ہے، اسی لیے حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”الظَّهْرُ شَطْرُ الْإِيْمَانِ۔“

(اصح المسلم، جلد نمبر 1، عربی صفحہ 118) (مشکوٰۃ المصابیح، عربی صفحہ نمبر 38)

”طہارت ایمان کا حصہ ہے۔“

ایک اور جگہ فرمایا!

”الطَّهْوَرُ نِصْفُ الْإِيْمَانِ“

(سنن ترمذی، عربی صفحہ 190)

”طہارت نصف ایمان ہے۔“

اس سے واضح ہوا کہ ایک مسلمان کے لیے اپنے ایمان کے حصے کو ہر وقت اپنے پاس رکھنا چاہئے۔ یعنی اسے ہر وقت پاکیزگی اپنانی چاہئے۔ اسلام نے ظاہری و باطنی طہارت کا ایسا سبق دیا کہ غیر مسلموں کے رہبر و راہنما بھی یہ بات ماننے پر مجبور ہو گئے کہ اسلام جیسی تطہیر اور کوئی دین و مذہب نہیں سکھاتا۔

چنانچہ ”ڈاکٹر رابرٹ سمتھ“ مشہور سرجن اور مستند متخصص سرجری لکھتا ہے۔!

”ہم نے تطہیر کا عمل اسلام سے سیکھا ہے۔“

سب سے بڑی گندگی وہ ہے جو انسان کے جسم سے پاخانے اور پیشاب کی صورت میں خارج ہوتی ہے۔ اسلام نے اس کے خروج کے بعد اچھی طرح استنجا کرنے کا حکم دیا۔

چنانچہ حکم ہے کہ اگر انسان کو پیشاب یا پاخانے کی حاجت ہے تو سب سے پہلے اس حاجت ضروریہ سے فارغ ہو جائے پھر طہارت یعنی استنجا کرے۔ پہلے اچھی طرح مٹی کے ڈھیلوں سے صفائی کرے اور پھر دوبارہ پانی سے اچھی طرح صفائی کرے۔

صفائی کرتے ہوئے بائیں ہاتھ کو استعمال کیا جائے۔ پاخانہ یا پیشاب کرتے وقت نہ قبلہ کی طرف پیٹھ کی جائے اور نہ ہی منہ، چاہے میدان ہو یا گھر۔ اگر کبھی بھول کر ایسا کر لیا تو یاد آنے پر فوراً رخ بدل لے۔ پیشاب یا پاخانہ کرتے وقت ننگے سر نہ جائے اور نہ ہی ہوا کے رخ پیشاب کرے۔

پیشاب اور پاخانہ کو جاتے وقت مستحب ہے کہ ہاتھ روم میں داخل ہونے سے پہلے یہ دعا پڑھے:

”بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبۡثِ وَالۡخَبَاۡثِ“
 (صحیح البخاری، جلد نمبر 1، عربی صفحہ 45) (صحیح المسلمہ، جلد نمبر 1، عربی صفحہ 283) (فتح الباری، جلد نمبر 1، عربی صفحہ نمبر 244)

”اللہ کے نام سے، اے اللہ! بیشک میں خبیث جنوں اور خبیث جنیوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔“

پھر پاخانہ کرنے والا بایاں پاؤں بیت الخلا کے اندر رکھے۔ جب بیٹھنے کے قریب ہو تو کپڑا بدن سے ہٹائے اور ضرورت سے زیادہ بدن نہ کھولے۔ پھر پاؤں کشادہ کر کے بائیں پاؤں پر زور دے کر بیٹھے اور خاموشی سے سر جھکائے فراغت حاصل کرے۔ جب فارغ ہو جائے تو مرد بائیں ہاتھ سے اپنے آگے تناسل کو جڑ کی طرف سے سرے کی طرف سونتے تاکہ جو قطرے رُکے ہوں وہ نکل جائیں۔ پھر پانی، ڈھیلوں یا پھر کیلے بعد دیگرے دونوں سے طہارت حاصل کرے۔ یوں کہ پہلے تین ڈھیلوں سے طہارت کرے اور پھر پانی سے یا پھر فقط پانی سے ہی طہارت حاصل کر لے۔

دائیں ہاتھ سے پانی بہائے اور بائیں ہاتھ سے دھوئے اور پانی کالوٹا اونچا نہ رکھے تاکہ ٹھہیں نہ پڑیں۔ پہلے پیشاب کا مقام دھوئے، پھر پاخانہ کا مقام، پاخانہ کا مقام دھوتے وقت سانس کا زور نیچے کودے کر ڈھیلا رکھے اور پھر خوب اچھی طرح دھوئے یہاں تک کہ دھونے کے بعد ہاتھ میں بوباتی نہ رہے۔ پھر کسی پاک کپڑے سے پونچھ لے اور اگر کپڑا نہ ہو تو بار بار ہاتھ سے پونچھے کہ برائے نام تری رہ جائے اور اگر سوسہ کاغذ ہو تو رومال پر پانی چھڑک لے۔ اس بات کا خیال رکھے کہ کھڑے ہونے سے پہلے بدن چھپالے اور باہر آجائے۔ نکلتے وقت پہلے داہنا پاؤں باہر نکالے اور باہر نکل کر یہ دعا پڑھے:

”الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّیْ مَا یُوْذِیْنِیْ وَاَمْسَكَ عَلٰی مَا یَنْفَعُنِیْ۔“

”اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے جس نے مجھ سے اس چیز کو دور فرما دیا جو مجھے

نقصان پہنچا سکتی تھی اور اس چیز کو میرے قریب کر دیا جو مجھے نفع دیتی ہے۔“

بیت الخلاء سے باہر نکلنے کے بعد ایک اور دعا بھی احادیث میں مرقوم ہے، وہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ فراغت حاصل کرتے تو اس جگہ سے جدا ہو کر کہتے:

”غفرانک“

(اے اللہ! میں تیری) ”بخشش کا طلب گار ہوں۔“

(زاد المعاد، جلد نمبر 2، عربی صفحہ نمبر 387)

استنجا پانی یا ڈھیلوں سے یا پھر یکے بعد دیگرے دونوں سے کرنا چاہئے۔ ہڈی اور گوبر وغیرہ سے استنجا کرنا منع ہے کیونکہ اس کے بہت سے نقصانات ہیں جو عنقریب ان شاء اللہ! استنجا اور جدید سائنس کے تحت بیان ہوں گے۔

استنجا اور جدید سائنس: قضائے حاجت انسان کی طبعی ضروریات میں سے ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ہر ایک عمل میں نسلِ انسانی کو تحفظ اور سہولت عطا فرمائی۔ اگر نبی کریم ﷺ کی زندگی کو دیکھا جائے تو آپ ﷺ کی زندگی انسانیت کو قدم قدم پر عافیت اور حفاظت دے گی۔

آج دنیا پھر سے انھی طریقوں پر واپس آرہی ہے جس طریقے سے حضور نبی کریم ﷺ نے ہمیں زندگی گزارنے کا حکم فرمایا اور جس طریقے سے آپ ﷺ نے خود زندگی گزاری۔ استنجا کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کے سائنسی و طبی چیدہ چیدہ فوائد پیش کیے جاتے ہیں:

1: رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لیے بہت دور تشریف لے جاتے تھے۔ قضائے حاجت کے لیے چل کر دور جانا بہت زیادہ بہتر ہے۔ سائنس اور طب کی رو سے چند حقائق ملاحظہ فرمائیں:

اس وقت جدید سائنس زیادہ چلنے پر زور دے رہی ہے، حتیٰ کہ امریکہ کے بڑے بڑے ہسپتالوں میں یہ بات نمایاں طور پر لکھی ہوئی ہے:

”پاؤں پہلے پیدا ہوا یا پہیہ؟“

ظاہر ہے کہ پاؤں پہلے پیدا ہوا، اس مقولے کا مقصد قوم کو زیادہ سے زیادہ پیدل

چلنے کی طرف دعوت دینا ہے۔

بائیو کیمسٹری (Bio-Chemistry) کے ایک ماہر نے نکتے کی بات کہی، وہ

کہتے ہیں:

”جب سے شہر پھلنے لگے ہیں، آبادی بڑھنے لگی ہے اور کھیت ختم ہونے لگے ہیں اس وقت سے اب تک امراض کی بہتات ہو گئی ہے۔ کیونکہ جب سے لوگوں نے دور چل کر قضاے حاجت کرنا چھوڑ دیا ہے اس وقت سے اب تک قبض، گیس، تخییر اور جگر کے امراض بڑھ گئے ہیں۔“

چلنے سے آنتوں کی حرکات (Intestine Movements) تیز ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے قضاے حاجت تسلی بخش ہوتی ہے۔ آج کل چونکہ ہم بیت الخلاء ہی میں پیشاب کرتے ہیں اور باہر چل کر نہیں جاتے اسی لیے آج حاجت غیر تسلی بخش ہوتی ہے، جس کی وجہ سے بیت الخلاء میں زیادہ وقت گزارنا پڑتا ہے۔

2: رسول اللہ ﷺ قضاے حاجت کے لیے کچی اور نرم زمین کا انتخاب فرماتے تھے۔ اس میں بھی بہت زیادہ سائنسی فوائد ہیں۔ چند ایک ملاحظہ فرمائیں:

”لیول پاول“ (Louval Poul) اپنی کتاب ”اصولِ صحت“ میں لکھتا ہے:

”انسانیت کی بقا مٹی سے ہے اور فنا بھی مٹی ہے۔ جب سے مٹی پر قضاے حاجت چھوڑ کر ہم نے سخت زمین (فلش، کموڈ اور ڈبلیوسی وغیرہ) استعمال کرنا شروع کی ہے، اس وقت سے اب تک مردوں میں جنسی کمزوری اور پتھری کا رجحان بڑھ گیا ہے اور اس کے اثرات پیشاب کے غدود (Prostate Glands) پر پڑتے ہیں۔“

دراصل جب آدمی کے جسم سے فضلات نکلتے ہیں تو مٹی ان کے جراثیم اور تیزابی اثرات جذب کر لیتی ہے۔ جبکہ فلش وغیرہ اس کیفیت سے عاری ہیں۔ اس لیے وہ تیزابی اور جراثیمی اثرات جو مٹی جذب کر لیتی تھی فلش میں پیشاب کرنے کی وجہ سے وہ جراثیمی اثرات دوبارہ ہمارے جسم پر براہ راست پڑتے ہیں اور جسم انسانی صحت سے مرض کی

طرف مائل ہونے لگتا ہے۔

اور ایک ماہر طب لکھتے ہیں:

”نرم اور بھر بھری زمین ہر چیز کو جذب کر لیتی ہے۔ چونکہ پیشاب اور پاخانہ جراثیمی فضلہ ہے اس لیے ایسی زمین چاہئے جو کہ اس کو جذب کرے اور اس کے چھینٹے اڑ کر بدن اور کپڑوں پر پڑنے کو روکے۔

جبکہ یہ کیفیت فلش (ٹائلٹ) میں نہیں ہوتی۔ وہاں بھی چھینٹوں کا احتمال رہتا ہے اور مزید یہ کہ فضلے کو جذب کرنے کی صلاحیت اس میں نہیں۔ فلش میں پیشاب کرنے کی وجہ سے فضلے کے بخارات جذب نہیں ہو پاتے جس کی وجہ سے فضلے سے اٹھنے والے بخارات صحت کے لیے مضر ثابت ہوتے ہیں۔“

اس مغربی تہذیب نے ”کموڈ“ متعارف کرایا ہے کہ لوگ اس پر کرسی کی مانند بیٹھ جاتے ہیں اور پاخانہ و پیشاب کرتے ہیں۔ کموڈ کو استعمال میں لا کر آدمی اچھی طرح فراغت حاصل نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ غیر فطری طریقہ ہے۔ اسی کموڈ کی وجہ سے پاخانہ صحیح خارج بھی نہیں ہونے پاتا بلکہ انتڑیوں میں پھنسا رہتا ہے۔ نیز کموڈ کو استعمال کرنے کے بعد علیحدہ جگہ پر بیٹھ کر شرمگاہ کو دھونا پڑتا ہے۔

”ڈبلیوسی“ (W.C) ایک قسم کی کرسی ہے جو کہ یورپ کے لوگ پیشاب و پاخانہ کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ڈبلیوسی پر کرسی کی طرح بیٹھ کر قضائے حاجت کی جاتی ہے۔ یہ انسانی صحت و تندرستی کے لیے نہایت مضر اور نامناسب ہے۔

اس کرسی نما چیز پر قضائے حاجت کرنے سے کئی ایک مہلک و خطرناک امراض لاحق اور کئی ایک نقائص انسانی جسم میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

(1): ڈبلیوسی (W.C) پر بیٹھ کر قضائے حاجت کرنے سے اعصابی تناؤ اور کھچاؤ پیدا ہو جاتا ہے جس سے جسم انسانی ڈسٹرب ہونے کا غالب امکان ہے۔

(2): ڈبلیوسی (W.C) کی مدد سے پاخانہ کرنے کی وجہ سے حاجت بھی غیر تسلی بخش ہوتی ہے جو کہ انتہائی پیچیدہ بیماریوں کو جنم دیتی ہے۔ جیسے قبض، تخییر، معدے کی جلن، شرمگاہ کی خارش، شرمگاہ کی جلن، گیس اور بواسیر وغیرہ۔

(3): ڈبلیوسی (W.C) پر قضائے حاجت کرنے کے لیے کرسی کی طرح بیٹھنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے پاخانے کا صحیح اور طبعی اخراج ممکن نہیں ہو پاتا اور فضلہ بڑی آنت میں اٹک کر رہ جاتا ہے۔ جو بے شمار بیماریوں کو جنم دیتا ہے۔

(4): ڈبلیوسی (W.C) پر قضائے حاجت کے باوجود بعد میں پیشاب کے قطرات گرنے کا غالب گمان رہتا ہے اور قطرات گرنے سے خارش اور دوسری کئی متعدی امراض وجود میں آتی ہیں۔

(5): ڈبلیوسی (W.C) کی مدد سے قضائے حاجت کرنے سے آنتوں اور معدے پر زور نہیں پڑتا جس کی وجہ سے معدے اور آنتوں کے بے شمار امراض پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے معدے کی جلن، بد ہضمی اور معدے کا السر وغیرہ۔

(6): یہ جدیدیت کی پہچان ڈبلیوسی (W.C) وضع جسم کی فطری کیفیت کے خلاف ہے۔ جب سنت کے مطابق قضائے حاجت کی جاتی ہے تو اس وقت دماغ پورے جسم کو ڈھیلے رہنے اور پاخانے کے مقام کو پاخانہ خارج کرنے کا حکم ارسال کرتا ہے۔ لیکن ڈبلیوسی (W.C) کو استعمال کرنے سے پورا جسم ڈھیلا نہیں ہو پاتا اور پاخانے کا مقام بھی کسار ہوتا ہے جس کی وجہ سے دل، جگر، معدہ اور دماغ کی بیماریاں لاحق ہو سکتی ہیں۔

پیغمبر اسلام ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے نہایت مفید ہیں بلکہ کسی مذہب میں ان کی مثال نہیں ملتی۔ جب تک پیغمبر اسلام ﷺ والا طریقہ طہارت نہ اپنایا جائے گا تو طہارت واستنجا کا اصل مقصد پورا نہیں ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے کس قدر خوبی کے ساتھ انسان کو طہارت و پاکیزگی کا نظام عطا فرمایا کہ آج طبی ماہرین بھی یہ بات کہنے

پر مجبور ہیں کہ.....

”واقعی پیغمبر اسلام مصطفیٰ کریم ﷺ والا نظامِ طہارت بے مثل و بے مثال ہے اور رسول اللہ ﷺ کے بتائے اور اپنائے ہوئے طریقے نہایت مفید ہیں۔“

بہر حال اول الذکر (فلش) فطری انداز اور طریقے کے قریب تر ہے۔ اسی لیے اس کے نقصانات کموڈ اور ڈبلیوسی (W.C) کی نسبت بہت کم ہیں..... لیکن جو فوائد کچی زمین اور نرم مٹی پر حاجت کرنے کے ہیں وہ یہاں میسر نہیں ہو سکتے۔ چونکہ مٹی اور میدان ہر جگہ میسر نہیں اس لیے فلش بہر حال بہتر ہے۔

3: رسول اللہ ﷺ پاؤں کشادہ کر کے اور بانیں پاؤں پر زور دے کر خاموشی سے سر جھکائے فراغت حاصل کرتے۔ اس طریقے میں بھی بڑے سائنسی و طبی فوائد مضمحل ہیں۔ ان میں سے چند ملاحظہ فرمائیں:

فزیا لوجی کے ایک بہت بڑے ہیں:

”میں مراکش میں تھا۔ ایک یہودی ڈاکٹر کے پاس بخار کی دوائی کے لیے جانا پڑا۔ ڈاکٹر کافی بوڑھا تھا۔ جب میں نے اپنا نام لکھوایا تو وہ کہنے لگا:

”کیا تم مسلمان ہو؟“

میں نے کہا!

”جی ہاں! مسلمان بھی ہوں اور پاکستانی بھی۔“

یہودی ڈاکٹر کہنے لگا!

”تمہارے پاکستان میں اگر ایک طریقہ جو خود تمہارے نبی ﷺ کا ہے، زندہ

ہو جائے تو پاکستانی کئی امراض سے بچ جائیں۔“

میں حیران ہوا اور میں نے پوچھا!

”ڈاکٹر صاحب! وہ کون سا طریقہ ہے؟“

یہودی ڈاکٹر نے کہا!

”وہ قضائے حاجت کا طریقہ ہے۔ اگر قضائے حاجت کے لیے اسلامی طریقے پر بیٹھا جائے تو اپنڈے سائٹس (Appendesitis)، دائمی قبض، بواسیر (Piles) اور گردوں کے امراض پیدا ہی نہیں ہوں گے۔ اگر مسلمان اپنے نبی (کریم ﷺ) والا طریقہ حاجت اپنائیں گے تو وہ ان تمام بیماریوں سے بچ جائیں گے۔“

چنانچہ پاکستانی پروفیسر کہتے ہیں:

”میں اپنے نبی کریم ﷺ کے اس طریقے سے واقف نہ تھا۔ مجھے افسوس ہوا کہ میں نے علم دین کو تھوڑا سا وقت بھی نہ دیا کہ اتنے اہم اور ضروری مسائل ہی سیکھ لیتا۔ اس وقت مجھے اس طریقے سے شناسائی کا اشتیاق ہوا۔ میں نے اس یہودی ڈاکٹر سے تونہ پوچھا، ہاں مراکش میں ہی ایک عالم دین تھے، میں ان کے پاس حاضر ہوا اور ان سے طریقہ دریافت کیا۔ جب انہوں نے مجھے وہ طریقہ بتایا اور سمجھایا تو میں نے فی الفور اس پر عمل شروع کر دیا۔ پہلے پہل تو مجھے کچھ دقت ہوئی لیکن اس کے فوائد جلد ہی میری سمجھ میں آ گئے اور اس وقت سے اب تک میں حاجت کے لیے وہی طریقہ استعمال کرتا ہوں جو میرے نبی ﷺ نے تعلیم فرمایا ہے۔“

جدید سائنس حضور نبی کریم ﷺ کے اس قضائے حاجت کے طریقے پر مسلسل ریسرچ کر رہی ہے اور اب تو غیر مسلم سائنسدان بھی یہ کہتے ہیں:

”صحت و زندگی کی بقا اور خوشحالی کے لیے پیغمبر اسلام علیہ السلام کے حاجت والے طریقے سے بڑھ کر اور کوئی طریقہ نہیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے اس طریقے پر عمل کرنے سے گیس، تہخیر، بدبضمی، قبض اور گردوں کے امراض واقعی کم ہو جاتے ہیں اور آپ ﷺ والا طریقہ مستقل اپنا کر ان امراض کو ختم بھی کیا جاسکتا ہے۔“

4: رسول اللہ ﷺ استنجا کے لیے پہلے ڈھیلے استعمال فرماتے اور ڈھیلے طاق عدد میں استعمال فرماتے۔ رسول اللہ ﷺ کی اس سنت مبارکہ میں بھی بہت سے

رائس اور طبی فوائد ہیں، ان میں سے چند ملاحظہ فرمائیں:

جدید سائنس کی ریسرچ کے مطابق مٹی میں نوشادر (Ammonium Chloride) اور اعلیٰ درجے کے دفع تعفن اجزاء موجود ہیں۔ چونکہ پاخانہ (Stool) اور پیشاب سارے کا سارا فضلہ ہوتا ہے اور جراثیموں سے لبریز ہوتا ہے، اس لیے اس کا جلد انسانی کو لگنا انتہائی نقصان دہ ہے۔ اگر اس کے کچھ اجزاء جلد پر چپک جائیں یا ہاتھ پر رہ جائیں تو بے شمار امراض کے پھیلنے کا اندیشہ رہتا ہے۔
”ڈاکٹر بلوک“ لکھتا ہے:

”ڈھیلے کے استعمال نے سائنسی اور تحقیقی دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال رکھا تھا لیکن اب یہ حقیقت سامنے آگئی ہے کہ مٹی کے تمام اجزاء جراثیموں کے قاتل ہیں۔ جب ڈھیلے کا استعمال ہوگا تو پوشیدہ اعضاء پر مٹی لگنے کی وجہ سے ان پر بیرونی طور پر چمٹے ہوئے تمام جراثیم مرجائیں گے۔

بلکہ تحقیقات نے تو یہ بھی ثابت کر دکھایا ہے کہ مٹی کا استعمال شرمگاہ کو کینسر (Cancer of Penis) سے بچاتا ہے۔ میں نے ایسے مریضوں کو جن کی شرمگاہ پر زخم تھے اور خراش بھی پڑ گئی تھی، مستقل مٹی استعمال کرائی اور انہیں مٹی سے استنجا کرنے کو کہا تو مریض حیرت انگیز طریقے سے صحت مند ہو گئے۔“

الغرض میرا، تمام محقق سائنسدانوں اور اطباء کا یہ فیصلہ ہے کہ یہ مٹی سے بنا ہوا انسان آخر کار مٹی سے ہی عافیت پائے گا۔ چاہے دنیا کے تمام فارمولے استعمال کر لے، اس کو فقط پیغمبر اسلام ﷺ کے طریقوں ہی سے بیماریوں سے تحفظ ملے گا۔

آج کل استنجا اور طہارت کے لیے ٹشو پیپر یا پھر ٹائلٹ پیپر کا استعمال کیا جاتا ہے اور لوگ بڑے شوق سے ان کا استعمال کرتے ہیں۔ تمام لوگوں کو معلوم ہے کہ ٹائلٹ پیپر سے اچھی طرح صفائی نہیں ہوتی۔ کچھ نہ کچھ گندگی جسم پر باقی رہ جاتی ہے، جو صحت کے لیے نقصان دہ ہے۔ اگر غسل کی حاجت بھی ہو تو انسان اسی طرح ٹائلٹ پیپر سے رہ

جانے والی باقی ماندہ گندگی کے ساتھ ہی پانی میں بیٹھ جاتا ہے جس سے نہ صرف وبائی امراض بڑھتے ہیں بلکہ ٹب کا سارا پانی بھی پلید اور گندا ہو جاتا ہے جو کہ غسل کے لیے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ اگر پھر بھی انسان اس سے نہالے تو اس کا سارے کا سارا جسم ناپاک اور گندا ہو جاتا ہے۔ یہ مغربی تہذیب کا انسان کے حق میں نقصان ہے جو کسی بھی مسلمان کو ہرگز گوارا نہیں ہونا چاہئے۔ علامہ اقبال نے ٹھیک کہا تھا:

ع..... ”نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے“

ٹائلٹ پیپر بنانے والی فیکٹری کے ایک ملازم سے ایک ڈاکٹر اور ماہر طب کی ملاقات ہوئی۔ انہوں نے اس ملازم سے پوچھا!

”بھئی! بتاؤ! کیا اس نرم، ملائم اور لطیف ٹائلٹ پیپر کی تیاری میں کوئی

خطرناک کیمیکل استعمال ہوتا ہے؟“

ملازم کہنے لگا!

”ڈاکٹر صاحب! اس کے بنانے میں بے شمار کیمیکل استعمال ہوتے ہیں۔ بعض کیمیکل تو انتہائی مہلک ہیں جن سے جلدی امراض (Skin Diseases)، ایگریما (Eczema) اور جلد کی میں رنگت کی تبدیلی کے امراض پیدا ہو سکتے ہیں۔“

اس وقت تمام یورپ ٹائلٹ پیپر استعمال کر رہا ہے۔ پچھلے دنوں اخبارات نے اس خبر کو شائع کیا کہ اس وقت یورپ میں شرمگاہ کے مہلک امراض خاص طور پر شرمگاہ کا کینسر تیزی سے پھیل رہا ہے۔ اس کے سدباب کے لیے جب تحقیقی بورڈ بیٹھا تو اس بورڈ کی رپورٹ صرف دو چیزوں پر مشتمل تھی۔ بورڈ کا کہنا ہے کہ یہ مہلک امراض اور شرمگاہ کا کینسر فضلے کی صفائی کے لیے ٹائلٹ پیپر استعمال کرنے اور پانی استعمال نہ کرنے کی وجہ سے بڑھ رہا ہے۔

یورپ نے ہمیں یہ تحفہ جو کاغذ کی شکل میں دیا ہے یہ ہمارے لیے بہتر ہے یا نقصان دہ، فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔

چونکہ یورپین باشندے استنجا کے لیے صرف ٹائلٹ پیپر پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور پانی استعمال نہیں کرتے اسی لیے ٹائلٹ پیپر ان کے لیے مہلک ثابت ہوتا ہے لیکن اگر ٹائلٹ پیپر کے استعمال کے بعد پانی استعمال کیا جائے تو اس کے مضر اثرات نہ ہونے کے برابر ہو جائیں۔

5: رسول اللہ ﷺ استنجا کے لیے پہلے مٹی کے ڈھیلے استعمال فرماتے اور پھر پانی۔ خالی پانی سے بھی استنجا کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ حدیث اقدس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

”پانی سے استنجا کرنا انبیاء کرام علیہم السلام کی سنتوں میں سے ہے۔“
(اصح المسلم، باب خصال الفطرة، عربی صفحہ نمبر 604)

لیکن یورپین لوگ پانی سے استنجا کرنے کی بجائے ٹشو پیپر وغیرہ استعمال کرتے ہیں جن کے بہت زیادہ نقصانات ہیں۔ ان میں سے چند ایک نقصانات مندرجہ بالا سطور میں قارئین نے ملاحظہ فرمائے۔ اب چند اور پیش خدمت ہیں:

ایک یورپین ڈاکٹر ”کینن ڈیوس“ نے پوری یورپی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا!
”اگر تم اسی طرح زندگی گزارتے رہے کہ غلاظت اور پاخانہ کے مقام کو پانی کی بجائے ٹائلٹ پیپر سے صاف کرتے رہے تو پھر بہت جلد تم درج ذیل امراض کے لیے تیار ہو جاؤ:

(1): شرمگاہ کا کینسر

(2): بھگندریا فسچولہ

(3): پھپھوند کے امراض (Skin Infections)

(4) جلدی انفیکشن (Viral Diseases)“

غلاظت اور گندگی سے لبریز یورپی زندگی میں پانی سے استنجا نہیں کیا جاتا۔ جس کی وجہ سے باقی ماندہ غلاظت و گندگی بالوں اور جسم میں اٹک کر طرح طرح کے امراض کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔

پانی کائنات کی عظیم نعمت ہے۔ یہ ہر غلاظت کو طہارت میں تبدیل کر دیتی ہے۔ اسلام نے نظام طہارت کو اتنا واضح اور شفاف بنا دیا ہے کہ اس کو مانے بغیر چارہ نہیں۔ ہم کیا غیر مسلم سائنسدان اور اطباء بھی اس کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکے۔

”جانٹ ملن“ مستشرق کا کہنا ہے:

”اسلام پاکیزگی اور صفائی کا مذہب ہے۔ تمام مذاہب اس سے اپنی پاکیزگی کا باب پورا کرتے ہیں۔ اسلام کا طریقہ استنجا بھی بے مثل و بے مثال ہے کہ اس سے جسم پر گندگی کا ذرہ بھی باقی نہیں رہتا۔ اگر کسی جسم کو پانی لگائے بغیر صاف کیا جائے تو تجربات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ حصہ جسم کبھی بھی صاف نہیں ہوگا بلکہ مختلف بیماریوں کا پیش خیمہ بن جائے گا۔

اور پھر پانی کے استعمال سے تو جسم کے اس حصے (شرمگاہ) کا درجہ حرارت نارمل ہو جاتا ہے جو کہ نہایت مفید ہے کہ اس سے بوا سیر وغیرہ نہیں ہونے پاتی۔ اگر پانی استعمال نہ کیا جائے تو حاجت کے وقت اعضائے مخصوصہ کے علاوہ تمام اعضائے جسم کا درجہ حرارت بھی بڑھ جاتا ہے اور اس کی وجہ سے انسان مختلف بے شمار امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔“

ممنوعات قضائے حاجت : رسول اللہ ﷺ نے پیشاب کے چھینٹوں سے بچنے کے بارے میں پرزور احکامات ارشاد فرمائے۔ اس کے علاوہ پیشاب کو روکنے، کھڑے اور چلتے پانی میں پیشاب کرنے، راستہ میں پیشاب کرنے، سایہ دار اور پھلدار درخت کے نیچے پیشاب کرنے، ہوا کے رخ پر پیشاب کرنے، بل اور سوراخ میں پیشاب کرنے، غسل خانے میں پیشاب کرنے، کھڑے ہو کر پیشاب کرنے، لید، گوبر، ہڈی سے استنجا کرنے اور قبلہ رخ منہ یا پیٹھ کر کے پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔

نیز طہارت کے لیے دایاں ہاتھ پانی ڈالنے اور بائیں ہاتھ سے صفائی کرنے،

قضائے حاجت کے بعد کسی چیز (صابن یا مٹی) سے ہاتھ دھو لینے اور قضائے حاجت کرتے ہوئے پردے کا سخت خیال رکھنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ ان تمام تعلیمات کے بے شمار سائنسی اور طبی فوائد ہیں۔ ان تعلیمات میں سے ہر ایک کے مختصر اور چند اہم فوائد بیان کیے جاتے ہیں:

1: احادیث میں کثرت کے ساتھ پیشاب سے نہ بچنے پر وعیدیں آئی ہیں اور محدثین نے اپنی کتابوں میں ہزار ہا ایسی احادیث نقل فرمائی ہیں جن میں پیشاب سے بچنے، تعلیمات اسلام کے مطابق پیشاب اور استنجا کرنے کا حکم ارشاد فرمایا گیا ہے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

”پیشاب سے بچو کیونکہ اکثر عذابِ قبر پیشاب سے نہ بچنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔“

مستشرق ”ڈاکٹر جانٹ ملن“ کہتا ہے:

”رانوں کی خارش اور پھنسیوں، پیڑوں کی جلد کا ادھرنا، سرینوں اور اس کی اطراف کی الرجی اور عضو خاص کے زخم کے مریض جب بھی میرے پاس آتے ہیں تو میرا ان سے پہلا سوال یہی ہوتا ہے کہ ”کیا وہ پیشاب سے بچتے ہیں؟“

ان میں سے اکثر پیشاب سے نہیں بچتے اور پھر لا علاج اور مشکل امراض لے کر میرے پاس آتے ہیں۔“

جینز اور پینٹ کی زنجیری اور بٹن کھول کر پیشاب کرنے اور پھر بغیر استنجا کے فوراً باندھ لینے کی صورت میں پیشاب کے قطرات اعضائے جسم پر گرتے رہتے ہیں جس سے جلدی امراض اور دیگر بے شمار امراض پیدا ہوتے ہیں۔

واللہ! رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کتنی اعلیٰ ہیں کہ سائنسی تحقیق سے ہزاروں سال

پہلے ہی فرمادیا کہ پیشاب پلید ہے، گندا ہے، کئی بیماریوں کا موجب اور عذابِ قبر کا سبب ہے، اس لیے اس سے بچو۔

2: رسول اللہ ﷺ نے پیشاب کو روکنے سے منع فرمایا اور فقہاء رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں:

”پیشاب اگر سواری پر آجائے تو اسی وقت دیر کیے بغیر سواری کو روکے اور پہلے پیشاب کرے۔ اسی طرح اگر جماعت کا وقت ہو گیا ہے اور پیشاب آ گیا ہے تو پہلے پیشاب کرے، پھر وضو اور پھر جماعت کے ساتھ ملے۔ کسی کام کو کرتے ہوئے پیشاب آجائے تو پہلے پیشاب سے فراغت حاصل کرنی چاہئے۔

پیشاب کو نہ روکنے اور بروقت پیشاب کر دینے کے درج ذیل طبی فوائد ہیں:

میڈیکل کے اصولوں میں سے ایک اصول یہ ہے کہ جب بھی پیشاب یا پاخانہ آجائے تو اسی وقت اس سے فراغت حاصل کی جائے۔ میڈیکل نے حاجاتِ ضروریہ، پیشاب اور پاخانہ کو روکنے سے منع کیا ہے۔

میڈیکل فیلڈ کے ساتھ تعلق رکھنے والے ایک صاحب کہتے ہیں:

”حاجتِ ضروریہ کو روکنا گونا گوں بے شمار امراض کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔ اس میں زیادہ نقصان دماغ (Brain)، معدہ (Stomach)، اعصاب (Nerves) اور گردوں کا ہوتا ہے۔ بعض اوقات تو حاجتِ ضروریہ کے روکنے سے قے اور چکر شروع ہو جاتے ہیں جو کہ نہایت ہی مضر ثابت ہوتے ہیں۔“

3: رسول اللہ ﷺ نے کھڑے پانی میں پیشاب اور پاخانہ کرنے سے منع فرمایا۔ اس کے طبی اور سائنسی فوائد ملاحظہ فرمائیں:

کنواں، تالاب، جوہڑ اور جھیل جیسے کھڑے پانی میں اگر قضاے حاجت کی جائے گی تو پانی میں جراثیموں کے داخل ہونے سے تمام پانی آلودہ اور خطرناک امراض کا سبب

بن جائے گا۔

اب اگر کوئی ذی روح (پرندے اور جانور یا انسان وغیرہ) اس پانی کو پئے گا تو وہ کئی ایک مہلک بیماریوں کا شکار ہو جائے گا۔

ایسا پانی پینے والے کو تپ محرقہ، ٹائی فائیڈ (Typhoid)، جراثیمی یرقان (Viral Juandice)، آنٹوں کے کیڑوں کے انڈے کی پیدائش، پیرا سائٹ (Parasites) اور طفیلی کیڑوں کی پیدائش جیسے مہلک امراض لاحق ہو جائیں گے۔

اس کے علاوہ کھڑے پانی میں پیشاب کرنے والا خود بھی کئی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب کھڑے پانی میں پیشاب کیا جاتا ہے تو پیشاب کے چھینٹے اڑتے ہیں جو کئی بیماریوں کا موجب بنتے ہیں۔ کھڑے پانی میں پیشاب کرنے سے ایک قسم کی بھاپ اٹھتی ہے جو پیشاب کرنے والے کو کئی بیماریوں میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اس بھاپ سے سونگھنے کی قوت سلب ہو جاتی ہے، آدمی آنکھوں کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے جبکہ دماغ اور گلے پر بھی گہرا اثر پڑتا ہے۔

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے کھڑے پانی میں پیشاب اور پاخانہ کرنے سے منع فرمایا تاکہ کسی آدمی کی وجہ سے کسی جانور یا انسان کو کوئی بھی تکلیف نہ پہنچے اور اسلامی معاشرہ ہمیشہ تندرست اور بیماریوں سے محفوظ رہے۔

4: رسول اللہ ﷺ نے چلتے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔ سائنس اور طب میں اس کی وجہ ملاحظہ فرمائیں۔

چلتا پانی جیسے دریا، نہریں اور نالے چونکہ قریہ قریہ گزر کر جاتے ہیں۔ کئی انسان اور جانور اس پانی سے نفع لیتے ہیں۔ اگر فضلے کی وجہ سے یہ پانی آلودہ ہو جائے تو چلتے چلتے جراثیم کا گڑھ بن جاتا ہے اور بیماریاں پھیلاتا جاتا ہے۔ اگر کوئی آدمی اس نہریا نالے وغیرہ کو پار کرنے کے لیے پانی سے گزرے گا تو اس کا جتنا جسم پانی میں جائے گا اس کو نقصان کا اندیشہ ہے۔ اس پانی سے الرجی، پھوڑے، پھنسیاں اور وبائی خارش وغیرہ

بھی پھیلتی ہے۔ اس کے علاوہ جب کوئی شخص چلتے پانی میں پیشاب کرے گا تو اس سے بو اٹھے گی جو کہ دماغ اور پھیپھڑوں کے لیے انتہائی مضر ہے۔

5: رسول اللہ ﷺ نے گزرگاہوں اور راستوں میں پیشاب کرنے سے بڑی سختی سے منع فرمایا۔ اس کے طبعی، طبی اور سائنسی فوائد درج ذیل ہیں:

راستہ سے ہر کوئی گزرتا ہے اور جب راستہ میں پیشاب کیا جاتا ہے تو پیشاب کی بو اور جراثیم فضا میں معلق ہو جاتے ہیں اور ہوا کی وجہ سے اس راستے سے گزرنے والوں کے جسم میں سرایت کر جاتے ہیں جس سے سانس کی پرابلم پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ پیشاب کی بو اور جراثیم سے آلودہ ہوا اگر انسان کے اندر پہنچ جائے تو دل، جگر اور پتے کی بیماریوں کا بھی غالب گمان کیا جاسکتا ہے۔

6: احادیث اور فقہ میں سایہ دار اور پھلدار درخت کے نیچے پیشاب کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ اس کے چند طبعی، طبی اور سائنسی فوائد یہ ہیں:

سایہ دار درخت لوگوں کے قیام اور سکون کی جگہیں ہیں۔ یہاں فضلہ کرنا انتہائی برا عمل ہے اور اس سے یقیناً بڑے اثرات مرتب ہوتے ہیں کہ اس درخت کے سائے میں بیٹھنے والے کئی قسم کی وبائی امراض کا شکار ہو جاتے ہیں۔

پھلدار درخت جہاں لوگوں کے قیام و آرام کی جگہ ہے وہاں اس سے پھل بھی حاصل کیے جاتے ہیں اور لوگ اسی کے سائے میں بیٹھ کر اس کے پھل تناول کرتے ہیں۔ اگر وہاں گندگی ہوگی تو وہاں بیٹھ کر کھانا مشکل ہو جائے گا جس کی وجہ سے لوگ متنفر ہو جائیں گے۔ نیز پھلدار درخت سے خود بخود پھل بھی گرتے ہیں۔ اگر پھلدار درخت کے نیچے پیشاب یا پاخانہ کیا جائے گا تو وہ پھل بھی ضرور اس گندگی پر گریں گے جس کی وجہ سے وہ انسان کے استعمال کے قابل نہیں رہیں گے اور اگر کسی نے وہ پھل استعمال کر لیا (خصوصاً جیسے نا سمجھ بچے وغیرہ) تو وہ بھی کئی امراض میں مبتلا ہو جائے گا جن سے تکلیف و اذیت پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

7: احادیث اور فقہ میں ہوا کے رخ پر پیشاب کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس کے طبی و سائنسی فوائد درج ذیل ہیں:

اگر ہوا کے رخ پیشاب کیا جائے تو ہوا کے دباؤ کی وجہ سے وہ پیشاب اڑ کر جسم، چہرے اور کپڑوں پر پڑے گا جس سے جسم اور کپڑے پلید ہو جائیں گے۔ نیز اس پیشاب کے جراثیم بھی مساموں کے راستے سے جسم میں داخل ہو کر الرجی، خارش، فسادِ خون اور کئی دیگر جلدی امراض پیدا کریں گے۔

اگر ہوا کی وجہ سے پیشاب اڑ کر منہ یا آنکھوں میں چلا گیا تو بہت شدید نقصان پہنچے گا۔ مثلاً آنکھیں سوج جائیں گی، سرخ ہو جائیں گی، آنکھوں میں خارش ہو جائے گی، آنکھوں سے پانی بہنے لگے گا اور اس کے ساتھ ساتھ کئی ایک قسم کی آنکھوں کی وبائی بیماریاں لاحق ہو جائیں گی۔ اگر علاج نہ کرایا گیا تو یہ بیماریاں بڑھ کر پورے جسم میں فساد برپا کر دیں گی۔

اگر ہوا کے رخ پر پیشاب کیا گیا اور پیشاب اڑ کر منہ میں چلا گیا تو اس سے بھی کئی ایک امراض پھیل جائیں گے۔ مثلاً منہ کی بیماری لاحق ہو جائے گی، منہ کا فالج بھی ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ منہ میں زخم، مسوڑھوں میں پیپ اور دانتوں کی بیماری پیدا ہو گی۔ زبان بھی بری طرح متاثر ہوگی اور گلہ بھی خراب ہو جائے گا جس سے پانی تک نہ نکلا جائے گا۔

8: حضور نبی کریم ﷺ نے بل اور سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

”تم میں سے کوئی شخص سوراخ میں ہرگز پیشاب نہ کرے۔“

(مشکوٰۃ المصابیح، عربی، صفحہ 43)

بل اور سوراخ میں پیشاب کرنے سے روکنے میں بھی بے شمار سائنسی و طبی فوائد ہیں جن میں سے چند ایک ملاحظہ فرمائیں:

اگر زہریلے جانور کے بل میں پیشاب کیا گیا تو اس جانور کے باہر نکل کر نقصان پہنچانے کا خطرہ ہوتا ہے۔

بعض زمینیں کلرزده اور شورہ زدہ ہوتی ہیں اور ان کے بلوں اور سوراخوں میں تیزاب اور شورہ (Nitrogen) کے مادے جمع ہوتے ہیں۔ اگر ان میں پیشاب کیا گیا تو پیشاب چونکہ خود ایک تیزاب (Acid) ہے اور جب ایک تیزاب دوسرے تیزاب سے ملے گا تو زہریلے بخارات اُٹھ کر جسم انسانی کو نقصان پہنچائیں گے۔

9: رسول اللہ ﷺ نے غسل کی جگہ پیشاب کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا:

”اس سے بیشمار وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔“

فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں:

”غسل کی جگہ پیشاب نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ اس سے عقل اور ذہن پر برا اثر پڑتا ہے یادداشت کمزور ہو جاتی ہے اور آدمی کئی وسوسوں میں پھنس کر شیطان اور بیماری کا شکار ہو جاتا ہے۔“

ایک سائنس میگزین ”سائنس اور صحت“ (Science and Health) میں

لکھا ہے:

”غسل کی جگہ پیشاب کرنے سے شہوتِ نفسانیہ کی زیادتی ہوتی ہے اور اس سے معاشرتی مہلکات پیدا ہوتے ہیں۔ غسل کی جگہ پیشاب کرنے سے انسان نفسیاتی امراض کا شکار ہو جاتا ہے۔ غسل کی جگہ پیشاب کرنے سے گردے میں پتھری پیدا ہوتی ہے۔ بہر حال غسل کی جگہ پیشاب کرنے سے اور بھی بہت سے نقصانات کا قوی اندیشہ ہے۔“

10: حضور نبی کریم ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔ چنانچہ بیہقی

شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی آدمی کھڑے ہو کر پیشاب کرے۔

(بیہقی شریف، جلد 1، عربی صفحہ 102)

اسلام بیٹھ کر پیشاب کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اگر کھڑے ہو کر پیشاب کیا جائے تو اس سے بے شمار اندرونی و بیرونی نقصانات ہوتے ہیں۔ چونکہ پیشاب جراثیموں سے پُر ہوتا ہے اور بعض اوقات اس میں بعض امراض (سوزاک، آتشک، گردوں کا جراثیمی انفیکشن وغیرہ) کی وجہ سے پیپ (PUS) بھی موجود ہوتی ہے۔ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے اس کے چھینٹے بدن اور لباس کو آلودہ کر دیتے ہیں جس سے کئی امراض وجود میں آتے ہیں۔

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے غدہ قدامیہ (Prostatitis) پر برا اثر پڑتا ہے اور وہ متورم ہو کر بڑھ جاتا ہے جس کی وجہ سے پیشاب بند ہو جاتا ہے، قطرہ قطرہ آتا ہے اور دھار بھی پتلی ہو جاتی ہے، اس کے علاوہ اور بھی کئی امراض جنم لیتے ہیں۔

11: حضور نبی کریم ﷺ نے لید اور ہڈی سے استنجا کرنے سے منع فرمایا۔

چنانچہ مسلم شریف میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

”لید (جانور کے گوبر) اور ہڈی سے استنجا نہ کیا کرو۔“

(اصح المسلم، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 130) (المشکوٰۃ المصابیح، عربی صفحہ 42)

لید میں بے شمار مہلک جراثیم ہوتے ہیں کیونکہ یہ ایک (جانور کا) فضلہ (پاخانہ) ہے اور ہر پاخانہ جراثیموں سے پُر ہوتا ہے۔ لید میں تشنج (Tetnus) اور تپ محرقہ (Typhoid) کے جراثیم بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ اگر لید سے استنجا کیا جائے تو وہ جراثیم جسم میں منتقل ہو کر انسان کو بیمار کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس سے شرمگاہ کو بھی بہت سی بیماریاں لاحق ہو سکتی ہیں۔ جیسے خارش، جلن، پیپ کا پڑنا اور شرمگاہ کا کینسر وغیرہ۔

ہڈی سے گوشت کھا کر جب پھینک دیا جاتا ہے تو اس کو جانور کھاتے ہیں۔ بعض جانوروں کے لعاب میں خطرناک جراثیم ہوتے ہیں، مثلاً کتے کے لعاب میں ایک خاص جراثیم ہوتا ہے جو اس کی کھلائی ہوئی ہڈی پر لعاب کے ساتھ منتقل ہو جاتا ہے۔ مزید یہ کہ

ہڈی پرمٹی، گردوغبار اور گندگی وغیرہ جم جاتی ہے اور اس گردوغبار وغیرہ میں گونا گوں جراثیم پائے جاتے ہیں۔ اب اگر یہ ہڈی استنجا کے لیے استعمال کی جائے گی تو دیگر جراثیموں کے ساتھ ساتھ کتے کا خاص جرثومہ بھی جسم میں منتقل ہو جائے گا جس سے فسادِ خون، دل، جگر، پتے، انڈریوں اور معدے کے امراض لاحق ہو جاتے ہیں۔

ہڈی کی سطح ناہموار، کھر دری اور نوک دار ہوتی ہے، اس سے جسمِ انسانی کے زخمی ہونے کے خطرات ہوتے ہیں۔ نیز ہڈی پر حشرات الارض میں سے کوئی چھوٹا دکھائی نہ دینے والا موذی جانور بھی ہو سکتا ہے کہ استنجا کرتے وقت اس کے نقصان پہنچانے سے تکلیف ہوگی۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں:

”ایک نوجوان کو میں نے یہ حدیث مبارکہ سنائی کہ ہڈی، گو برا اور لید سے شرمگاہ کو صاف نہ کیا جائے تو اس نے مذاق اڑایا۔ اتفاق سے کسی دن اسے ضرورت پڑی تو رفع حاجت کے بعد اس نے صفائی ہڈی کے ساتھ کی۔ جس کی وجہ سے اس کے پاخانہ کے مقام پر شدید سوزش اور تکلیف دہ ورم ہو گیا۔

ہو ایوں کہ اس نے جس ہڈی کے ساتھ استنجا کیا تھا اس پر چھوٹی چھوٹی سرخ اور زہریلی چیونٹیاں تھیں جو وہ دیکھ نہ سکا۔ جب اس نے استنجا کرنے کے لیے اس ہڈی کو پاخانے کے مقام پر رکھا تو ان چیونٹیوں نے اسے کاٹ کھایا۔“

وہ بزرگ فرماتے ہیں:

”اس نوجوان کو جب زیادہ تکلیف ہوئی تو وہ میرے پاس غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے شرمندگی کی حالت میں علاج کے لیے آیا۔ میں نے اس سے کہا:

”جس محسن ہستی ﷺ کی حدیث مبارکہ کا تم نے مذاق اڑایا تھا اس پر درود بھیجو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے معافی طلب کرو۔ پس جب اس

نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مصیبت دور فرمادی۔“

ہڈی اور گوبر میں کئی طرح کے غلیظ کیڑے بھی ہوتے ہیں، لہذا طبعی، سائنسی اور طبی قواعد کے مطابق بھی ان سے صفائی کرنا منع ہے۔

12: رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کے مطابق قبلہ کی طرف تھوکنا، پیشاب کرتے ہوئے پیٹھ اور منہ کرنا منع ہے۔ چنانچہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”رسول اللہ ﷺ نے ہمیں قضائے حاجت کے دوران قبلہ کی طرف منہ

اور پیٹھ کرنے سے منع فرمایا۔“

(اصح البخاری، عربی، صفحہ 57) (اصح المسلم، جلد 1، عربی، صفحہ 130) (المشکوٰۃ المصابیح، عربی، صفحہ 42-24) (سنن ابی داؤد، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 3)

قضائے حاجت کے دوران قبلہ کی طرف منہ اور پیٹھ نہ کرنے میں کئی ایک طبی و سائنسی فوائد ہیں۔

چنانچہ ڈاکٹر ”ڈارون“، ڈاکٹر ”لیڈ بیٹر“ اور ڈاکٹر ”الیگزینڈرا“ کی تحقیق کے مطابق ”کاسمک ورلڈ“ (Cosmic world) کا نظام انسانی زندگی پر حاوی ہے۔ خانہ کعبہ کے چاروں اطراف سے نکلنے والی مثبت شعاعیں (Positive Rays) پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ پیشاب، پاخانہ اور تھوک جو کہ خالص منفی شعاعیں (Negative Rays) ہیں کعبہ کی طرف ڈالنے سے آدمی کے لیے مسلسل نقصان کا باعث بنیں گی۔

مشہور پیرا سائیکالوجسٹ ”ڈاکٹر کاسن بیم“ نے اس بات کو اپنی تحقیقی زندگی کا حصہ بنایا ہے کہ مسلمانوں کے کعبہ کی طرف سے مسلسل مثبت شعاعیں پوری کائنات میں پھیل رہی ہیں اور اس طرف منفی شعاعوں (تھوک، پیشاب اور پاخانہ وغیرہ) کا رجحان ضرر کا باعث ہے۔

13: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”طہارت کے لیے پانی دائیں ہاتھ سے ڈالو اور صفائی کے لیے بائیں ہاتھ استعمال کرو۔ خبردار دایاں ہاتھ استنجا کے لیے استعمال نہ کرو۔ جب کوئی شخص قضائے حاجت کے لیے جائے تو اپنی شرمگاہ کو بھی اپنے دائیں ہاتھ سے نہ چھوئے۔“

(اصح البخاری، جلد 1، عربی صفحہ نمبر 27) (اصح المسلم، جلد نمبر 1، عربی صفحہ 130) (المشکوٰۃ المصابیح، عربی صفحہ 42)

اس ارشادِ رسول ﷺ میں بھی کئی ایک طبعی، طبی اور سائنسی فوائد پائے جاتے ہیں جو کہ پیش خدمت ہیں:

استنجا فقط بائیں ہاتھ سے کرنا چاہئے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں اور اس میں کئی حکمتیں پوشیدہ ہیں دائیں ہاتھ سے مثبت (Positive) اور بائیں ہاتھ سے منفی (Negative) شعاعیں (Rays) نکلتی ہیں۔ اگر استنجا کے لیے دایاں ہاتھ استعمال کیا جائے تو جسم کا شعاعی نظام بگڑ جائے گا اور اس کے بد اثرات دماغ (Brain) اور حرام مغز (Spinal Cord) پر پڑیں گے۔

نیز چونکہ کھانے کے لیے دایاں ہاتھ استعمال کیا جاتا ہے اس لیے اگر استنجا کے لیے بھی دایاں ہاتھ استعمال کیا جائے تو پھر کھانا کھاتے وقت مادہٴ نفرت کے پھیلنے کا ڈر ہے۔

14: قضائے حاجت کے بعد رسول اللہ ﷺ ہمیشہ مٹی پر ہاتھ رگڑ رگڑ کر دھوتے تھے۔ اس میں بیٹھار طبی فوائد ہیں۔ چند ایک ملاحظہ فرمائیں:

قضائے حاجت کے بعد دونوں ہاتھوں کو دھونا نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔ اس سے جسم انسانی کو بہت سارے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

مثلاً.....

ہم مختلف اشیاء کو ہاتھوں سے ہی پکڑتے ہیں، نیز ہاتھ ننگے رہتے ہیں، اس طرح ہاتھوں پر مختلف بیماریوں کے جراثیم (Germs) یا مختلف کیمیکلز (Chemicals) موجود رہتے ہیں جو ہمارے ہاتھوں کو آلودہ کر دیتے ہیں، اگر ہاتھ دھوئے بغیر کھانا

کھالیا جائے، کھانے والے برتن میں ہاتھ داخل کر دیئے جائیں، کلی کر لی جائے یا ناک میں پانی ڈال لیا جائے۔ یہ جراثیم باسانی ہمارے کھانے، منہ یا ناک کے ذریعے جسم کے اندر جاسکتے ہیں اور جسم کو مختلف بیماریوں میں مبتلا کر سکتے ہیں۔ اسی لیے دنیا بھر میں ہاتھ دھونے پر بہت زور دیا جا رہا ہے تاکہ مختلف آلائشیں ہمارے جسم کے اندر منتقل نہ ہو سکیں۔ اس سلسلے میں امریکی پروفیسر ”ڈاکٹر شاہد اطہر“ ایم ڈی نے بجا لکھا ہے:

"Hand washing is being emphasized more and more in hospitals now in order to prevent spread of germs- However non-Muslims did not know that hand washing is so important It has been ordered in Qur'an 1400 yers ago." (Health Guidlines from Qur'an and sunnah. P60)

ہاتھ دھونے کے متعلق خواجہ شمس الدین عظیمی لکھتے ہیں:

”جب ہم ہاتھ دھوتے ہیں تو انگلیوں کے پوروں میں سے نکلنے والی شعاعیں ایک ایسا حلقہ بنا لیتی ہیں جس کے نتیجے میں ہمارے اندر دُور کرنے والا برقی نظام تیز ہو جاتا ہے اور برقی رد ایک حد تک ہاتھوں میں سمٹ آتی ہے۔ اس عمل سے ہاتھ خوبصورت ہو جاتے ہیں۔ صحیح طریقہ پر ہاتھ دھونے سے انگلیوں میں ایسی لچک پیدا ہو جاتی ہے جس سے آدمی کے اندر تخلیقی صلاحیتوں کو کاغذ یا کینوس پر منتقل کرنے کی خفہ صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں۔“

(روحانی نماز، صفحہ 47-48، از خواجہ شمس الدین عظیمی، ناشر مکتبہ روحانی ڈائجسٹ، کراچی)

رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ قضائے حاجت کے بعد ہاتھوں کو مٹی سے مل مل کر دھوتے تھے۔ چونکہ ہاتھوں کو جراثیم لگے ہوتے ہیں اور بعض جراثیم ایسے بھی ہوتے ہیں جو عام پانی سے ضائع نہیں ہوتے، اس لیے اس ہاتھوں کو مٹی یا صابن وغیرہ سے صاف کر لینا ایک اہم سنت اور طبی و سائنسی اصول ہے۔

مٹی اعلیٰ درجے کی ” اینٹی سپٹک “ (Anti Septic) ہے۔ حتیٰ کہ اس میں کتے کے جراثیموں (جو کہ سب سے زیادہ قوی جراثیم ہوتے ہیں) کو بھی مار ڈالنے کی قوت و طاقت موجود ہے، اس لیے یہ عام جراثیموں کو تو فوراً ہی ختم کر دیتی ہے۔

قضائے حاجت کے بعد ہاتھوں کو مل مل کر مٹی یا صابن سے دھونا ویسے بھی فطرت میں شامل ہے کیونکہ فطرت انسانی گندگی کو پسند نہیں کرتی۔

باقاعدہ نماز جیسا وضو کرے اس میں بات کی طرف اشارہ ہے کہ وضو کرتے وقت اپنے سر کا مسح بھی کرے جیسا کہ ظاہر الروایہ میں ہے۔ امام صاحب سے حسن کی روایت یہ ہے کہ مسح نہ کرے کیونکہ جب پورے بدن پر پانی بہائے گا تو مسح معدوم ہو جائے گا۔ لہذا پہلے مسح کرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ مسح بھی کرے۔ (قاضی خان زابدی، فتح وغیرہ)

پاؤں دھونا:

☆: ”غسل والے وضو میں پاؤں نہ دھونا سنت ہے۔“

مگر پاؤں نہ دھوئے، یہ استثناء اس وقت ہے جب پانی کے ڈھلاؤ کی جگہ نہ بیٹھا ہو۔ جیسا کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں منصوص ہے لیکن اگر پتھر، تختہ یا چوکی وغیرہ پر بیٹھا ہو تو پھر تاخیر کی ضرورت نہیں۔ پاؤں اول ہی دھولینے چاہئیں۔

عورت کی مینڈھیاں:

☆: غسل میں عورت پر مینڈھیاں کا کھولنا ضروری نہیں جبکہ پانی بالوں کی

جڑوں تک پہنچ جائے۔“

گیسو یافتہ عورت پر گندھے ہوئے بالوں کو کھول کر جڑوں میں پانی پہنچانا صحیح قول کے مطابق ضروری نہیں ہے کیونکہ اس میں ان کے لیے حرج ہے برخلاف داڑھی کے بالوں کے کہ ان کے درمیان پانی پہنچانے میں کوئی مشقت نہیں ہے۔ صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ ﷺ! میں سر کے بال گوندھتی ہوں تو کیا غسل جنابت کے وقت ان کو کھول ڈالا کروں؟“

آپ ﷺ نے فرمایا:

”اس کی ضرورت نہیں بلکہ اپنے سر پر تین چلو پانی ڈال کر باقی پانی بدن پر بہالینا کافی ہے۔“

بعض مشائخ کی رائے یہ ہے کہ بالوں کو تین مرتبہ تر کرنا اور ہر مرتبہ نچوڑنا واجب ہے۔ چنانچہ صلوٰۃ البقالی میں ہے کہ مینڈھیاں اگر پاؤں تک بھی پہنچ جائیں تب بھی صحیح یہ ہے کہ ان کو دھونا واجب ہے لیکن مبسوط میں ہے کہ مذکورہ حدیث مسلم کی روشنی میں صحیح یہ ہے کہ مینڈھيوں کو کھولنا واجب نہیں رہتا۔ جوہرہ میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اگر عورت حائضہ ہو تو بالوں کو کھول کر پانی پہنچانا ضروری ہے اور اگر جنبیہ ہے تو ضروری نہیں۔ صاحب کتاب نے عورت کی قید لگائی ہے، معلوم ہوا کہ مرد پر مطلقاً اپنے سر اور بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچانا ضروری ہے۔

اگر عورت کو غسل جنابت کے لیے پانی خریدنے کی ضرورت واقع ہو تو عورت کے مالدار ہونے کی صورت میں قیمت اس کے ذمہ ہوگی اور نادار ہونے کی صورت میں قیمت شوہر پر لازم ہوگی۔ فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں شوہر پر واجب ہے۔ رہی وضو کے پانی کی قیمت تو وہ بالا جماع شوہر کے ذمہ ہے اور اگر عورت کو غسل حیض کے لیے پانی خریدنے کی ضرورت ہو تو اگر حیض دس روز سے کم میں بند ہوا تو قیمت شوہر پر واجب ہوگی اور اگر پورے دس روز پر منقطع ہوا تو قیمت عورت پر واجب ہوگی۔



مسنون غسل

(دنوں کے اعتبار سے)

”وسن رسول اللہ ﷺ الغسل للجمعة والعیدین والاحرام
وعرفة“

”اور مسنون فرمایا ہے رسول اللہ ﷺ نے غسل جمعہ، عیدین، احرام اور عرفہ
کے لیے۔“

مفردات:

سنّ سنتہ: طریقہ مقرر کرنا۔ دستور۔

عرفہ: ذی الحجہ کی نویں تاریخ۔

مسائل و دلائل

جمعہ کے لیے غسل:

☆: ”اور مسنون فرمایا ہے رسول اللہ ﷺ نے غسل جمعہ کے لیے۔“

جمعہ کے روز غسل کرنا جمہور علماء کے نزدیک مسنون ہے۔ صاحب ہدایہ نے نقل

کیا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے کیونکہ
حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

”جو شخص جمعہ میں آئے اس کو غسل کرنا چاہئے۔“

(صحیحین، ترمذی، ابن ماجہ عن ابن عمر)

نیز حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ غسل جمعہ ہر بالغ پر واجب ہے۔

(صحیحین عن ابی سعید) (بزار عن ابی ہریرہ)

ہماری دلیل حضور نبی کریم ﷺ کا وہ ارشاد ہے کہ جمعہ کے روز وضو کر لینا بھی کافی ہے لیکن غسل افضل ہے۔

(ابوداؤد) (ترمذی) (نسائی عن سمرۃ) (ابن ماجہ) (بزار) (طبرانی عن انس) (بیہقی) (بزار عن الخدزی) (بزار ابن عدی عن ابی ہریرۃ) (ابن حمید، عبدالرزاق، ابن عدی عن جابر) (طبرانی عن عبدالرحمن بن سمرہ) (بیہقی عن ابن عباس)

یہ حدیث مندرجہ بالا صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، پس یا تو یہ کہا جائے کہ پہلی حدیث میں ”فلیغتسل“ امر سے مراد افضلیت ہے اور جن روایات میں وجوب کی تصریح ہے ان سے لغوی معنی مراد ہیں نہ کہ اصطلاحی یا یہ کہ وہ منسوخ ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ابوداؤد کی ایک طویل روایت میں ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جمعہ کا غسل کرے اور اس کا وضو ٹوٹ جائے پھر وہ وضو کر کے جمعہ کی نماز پڑھے تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سنت ادا نہ ہوگی اور حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ادا ہو جائے گی۔

خانیہ میں ہے کہ اگر کسی نے نماز جمعہ کے بعد غسل کیا تو امام ابو یوسف اور حسن بن زیاد دونوں کے نزدیک یہ غسل معتبر نہیں ہے۔ صاحب بحر نے حسن بن زیاد کے نزدیک عدم اعتبار غسل کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ غسل جمعہ کی مشروعیت اس لیے ہے تاکہ آدمی کے بدن کا میل کچیل دور ہو جس سے اہل اجتماع کو تکلیف ہوتی ہے اور نماز جمعہ کے بعد نہانے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا اور حسن بن زیاد کے نزدیک غسل کو جمعہ کے دن کے لیے ہے خاص کیا گیا ہے نہ کہ نماز کے لیے۔ تاہم یہ شرط ہے کہ غسل نماز سے پہلے

ہو۔

صاحب کتاب نے غسل ہائے اربعہ (غسل جمعہ، غسل عیدین، غسل احرام، غسل عرفہ) کے مسنون ہونے کی تصریح کی ہے۔ محیط اور وقایہ میں بھی مسنون ہونا منصوص ہے لیکن بعض حضرات کے نزدیک یہ چاروں غسل مستحب ہیں اور ابن الہمام نے فتح القدیر میں استحباب ہی کے قول کو اظہر کہا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”اصل“ یعنی مبسوط میں غسل جمعہ کو حسن قرار دیا ہے جس میں اس کے مسنون ہونے اور استحباب ہر دو کا احتمال ہے کیونکہ متقدمین کے یہاں لفظ حسن کا اطلاق عام معنی پر ہوتا ہے جو سنت، مستحب بلکہ واجب کو بھی شامل ہوتا ہے۔

صاحب ہدایہ کا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف وجوب غسل کو منسوب کرنا غالباً کسی غیر معتبر کتاب سے نقل ہے ورنہ خود ابن عبدالبر مالکی استدراک میں لکھتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ کسی نے غسل جمعہ کو واجب کہا ہو بجز فرقہ ظاہریہ کے۔ انہوں نے ہی ابن ذہب سے نقل کیا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے غسل جمعہ کے واجب ہونے کو دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

”یہ سنت اور بھلائی کی بات ہے۔“

عرض کیا گیا:

”حدیث میں تو واجب کہا گیا ہے؟“

فرمایا:

”حدیث میں وجوب اور معنی میں ہے۔“

نیز اشہب نے نقل کیا ہے کہ امام مالک نے غسل جمعہ کو حسن کہا ہے نہ کہ واجب۔

عیدین، عرفہ اور احرام کے لیے غسل:

☆: ”اور مسنون فرمایا ہے رسول اللہ ﷺ نے غسل عیدین، احرام اور عرفہ

کے لیے۔“

عیدین کے لیے بھی غسل مسنون ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ

عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ عیدین کے لیے غسل فرماتے تھے۔“

(ابن ماجہ) (طبرانی)

احرام باندھنے کے لیے بھی غسل مسنون ہے کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ احرام باندھنے سے پہلے غسل فرماتے تھے۔

(سنن ترمذی) (دارقطنی عن زید بن ثابت)

وقوف بعرفہ کے واسطے بھی غسل مسنون ہے۔ چنانچہ حضرت فاکہہ بن سعد صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ عید الفطر، یوم نحر اور یوم عرفہ میں غسل فرماتے تھے۔“

(مسند بزار)

اگر اتفاقی طور پر عید، جمعہ اور جنابت تینوں ایک ساتھ جمع ہو جائیں تو ایک بار نہانا سنت اور غسل فرض ہر دو کے لیے کافی ہوگا۔ جیسا کہ جنابت اور حیض دونوں کے لیے ایک غسل کافی ہے۔ اجتماع حیض و جنابت کی صورت یہ ہے کہ انقطاع حیض کے بعد جماع یا احتلام ہو جائے۔



موجباتِ غسل

”والمعانی الموجبة للغسل انزال المنی علی وجه الدفق والشهوة من الرجل والمرأة والتقاء الختانیین من غیر انزال والحیض والنفاس۔“

”اور غسل واجب ہو جاتا ہے جب منی کو دکر مرد یا عورت سے شہوت کے ساتھ نکلے، دونوں شرمگاہیں آپس میں ملیں خواہ انزال نہ ہو اور حیض اور نفاس سے جب عورت فارغ ہو۔“

مسائل و دلائل

☆: ”اور غسل واجب ہو جاتا ہے۔“

انزال منی، التقاء ختانیین، حیض اور نفاس درحقیقت اسبابِ غسل نہیں بلکہ بر مذہب صحیح اسبابِ جنابت ہیں کیونکہ یہ اسباب تو مزیل طہارت ہیں پھر موجب طہارت کیسے ہو سکتے ہیں؟ لیکن انزالی نے اس کی یہ توجیہ و تاویل کی ہے کہ یہ چیزیں غسل کو واجب کرتی ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ ان کے ہونے سے غسل کا وجوب ہوتا ہے۔ گویا یہ موجباتِ وجوبِ غسل نہیں بلکہ موجباتِ وجوبِ غسل ہیں۔ حاصل یہ کہ انزال وغیرہ اسبابِ موجبِ جنابت ہیں اور جنابت موجبِ غسل ہے، پس یہ امور علت العلة یا سبب السبب ہیں۔

منی کا کود کر نکلنا:

☆: ”اور غسل واجب ہو جاتا ہے جب منی کود کر مرد یا عورت سے نکلے۔“

اسباب غسل میں سے ایک سبب اچھل کر اور شہوت کے ساتھ منی کا نکلنا ہے، یہ منی مرد کی ہو یا عورت کی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلقاً منی کا نکلنا باعث غسل ہے شہوت کے ساتھ نکلے یا بلا شہوت کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

”الماء بالماء“

”غسل منی سے واجب ہوتا ہے۔“

(مسند احمد) (مسند بزار)

ہم یہ کہتے ہیں کہ آیت:

”وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا“ (المائدة: ۶/۵)

کا حکم جنبی کو شامل ہے اور لغت میں جنابت شہوت کے ساتھ منی کے نکلنے کو کہتے ہیں۔ پس غسل کا وجوب بحالت جنابت ہوگا اور جنابت کا تحقق شہوت کے ساتھ منی کے نکلنے سے ہوگا۔ رہی حدیث، سو یہ ظاہر ہے کہ وہ اپنے عموم پر نہیں ہے، ورنہ مذی و دی اور پیشاب بھی اس میں داخل ہو جائے گا جس کا کوئی قائل نہیں بلکہ خاص پانی (منی) مراد ہے اور وہ وہی ہے جو لغت اور آیت کی تائید سے سمجھ میں آرہا ہے یعنی شہوت کے ساتھ نکلنے والی منی۔ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے کے مطابق بقول امام ترمذی و طبرانی:

”الماء من الماء“

کا حکم صرف حالت احتلام کے ساتھ مخصوص ہو یا یہ کہ یہ حکم ابتداء اسلام میں ہو۔ چنانچہ تین احادیث میں صریح نسخ کا حکم وارد ہے۔ حضرت ابی بنی عوف بن کعب کہتے ہیں:

”الماء بالماء“

کی رخصت ابتداء اسلام میں تھی۔

(ابوداؤد) (ترمذی) (ابن ماجہ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے جماع بلا انزال سے خود غسل فرمایا اور دوسروں کو بھی غسل کا حکم فرمایا

(صحیح ابن حبان)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پہلے تو آپ ﷺ نے ”الماء بالماء“ کے لحاظ سے جماع بلا انزال کے بارے میں عدم غسل کا حکم دیا۔ اس کے بعد غسل کا حکم فرمایا۔

مخاریب نے اس روایت کی تحسین کی ہے۔

صاحب کتاب کہتے ہیں:

”جب منیٰ کو دکھنے تک غسل واجب ہوتا ہے۔“

علامہ ابن نجیم مصری نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ عورت کی منیٰ کو شامل نہیں کیونکہ یہاں دَفْق کی قید ہے اور عورت کی منیٰ اچھل کر نہیں نکلتی بلکہ اس کی منیٰ سینے سے فرج کی طرف بلا دَفْق منتقل ہوتی ہے۔ جیسا کہ صاحب تنویر الاسلام نے اپنی شرح میں ولوالحی سے نقل کیا ہے۔ علامہ ابن عابدین نے ”منحہ الخالق“ میں جواب کی کوشش کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ لفظ دَفْق عموماً متعدی استعمال ہوتا ہے بمعنی دفع بشدت مگر یہاں دَفْق بمعنی دَفْق لازم ہے ”ای ذی دَفْق“ لیکن یہ بات کہ عورت کی منیٰ اچھل کر نہیں نکلتی بعض حضرات اس سے متفق نہیں۔ چنانچہ غایہ البیان جامع الرموز اور معالم التنزیل وغیرہ میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے کہ عورت کی منیٰ بھی اچھل کر نکلتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وسعت محل کی بناء پر احساس نہیں ہوتا۔ قہستانی شارح نقایہ نے آیت:

”خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ“

سے استدلال کیا ہے کہ اس میں عورت کی منیٰ کی طرف بھی دَفْق کی نسبت کی گئی ہے لیکن صاحب درمختار نے اس کو تغلیب پر محمول کیا ہے۔ امام احمد رضا خان فاضل

بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ رضویہ اور مولانا عبدالحی لکھنوی نے ”السعیۃ“ میں اس مسئلہ کو شرح و بسط کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

شہوت کے ساتھ:

☆: ”اور شہوت بھی موجود ہو۔“

طرفین کے نزدیک عضو سے ظاہر ہوتے وقت شہوت کے ساتھ منی کے نکلنے کا اعتبار نہیں بلکہ صرف اپنے مستقر سے نکلنے کے وقت شہوت کا ہونا معتبر ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عضو سے ظاہر ہوتے وقت بھی شہوت کا ہونا ضروری ہے، پس اگر انفصال (علیحدگی) کے وقت شہوت ہو اور عضو سے ظاہر ہوتے وقت شہوت باقی نہ رہے بلکہ ہیجان نفس سکون کے ساتھ تبدیل ہو جائے تو طرفین کے نزدیک غسل واجب ہوگا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شرط زائد نہ پائی جانے کی وجہ سے غسل واجب نہ ہوگا۔ اس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں:

1: انفصال و ظہور دونوں حالتوں میں شہوت کا وجود نہ ہو۔ اس صورت میں بالاتفاق غسل واجب نہیں۔

2: دونوں حالتوں میں شہوت موجود ہو۔ اس صورت میں بالاتفاق غسل واجب ہوگا۔

3: انفصال کے وقت شہوت ہو اور ظہور کے وقت نہ ہو، یہ صورت نزاعی ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک غسل واجب نہیں لیکن طرفین کے نزدیک واجب ہے۔ عدم وجوب منی برقیاس ہے اور وجوب منی براحتیاط۔

فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ تاج الشریعہ وغیرہ محققین نے جو طرفین کے مذہب کو متون میں ذکر کیا ہے وہی ظاہر اصح اور احوط ہے۔ اس بارے میں درمختار کا قول (جو انہوں نے فتاویٰ تاتارخانیہ نوازل سے نقل کیا ہے کہ ”بقول ابی یوسف ناخذ لانه ایسر علی المسلمین“ قلت ولا شیما فی الشتاء والسفر) لائق التفات نہیں اور نہ

اس پر فتویٰ دینا جائز ہے سوائے یہ کہ حرج اور ضرورت ہو۔

شرمگاہوں کے دخول سے:

☆: ”جب شرمگاہوں کا دخول ہو جائے تو غسل لازم ہو جاتا ہے۔“

موجب غسل اسباب میں سے دوسرا سبب **التقاء ختانیین** ہے یعنی مرد و عورت کی شرمگاہوں کا باہم مل جانا لیکن **التقاء ختانیین** سے مراد اس کے حقیقی معنی نہیں بلکہ ان دونوں حصوں کی محاذات مراد ہے۔ پس اگر مرد و عورت کے ختنہ نہ ہوئے ہوں تب بھی یہی حکم ہے۔ چنانچہ معنی ابن قدامہ سے عینی نقل کرتے ہیں کہ مرد کا حشفہ فرج میں مطلقاً داخل ہونا موجب غسل ہے۔ خواہ مرد و عورت دونوں کے ختنے ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں۔ پھر **التقاء** سے مراد **التقاء مع تواری حشفہ** ہے کیونکہ بلا دخول حشفہ محض ایک کے ساتھ دوسرے کا اتصال بالاتفاق موجب غسل نہیں ہے۔ چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

”جب مرد و عورت کی چار شاخوں (یعنی ہاتھ اور پاؤں) کے درمیان اور ایک ختان دوسرے ختان کو چھوئے (یعنی صحبت کرے) تو غسل واجب ہو جائے گا۔“
(صحیحین)

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت یہ ہے:

”جب مرد و عورت کی چار شاخوں (یعنی ہاتھ اور پاؤں) کے درمیان اور ایک ختان دوسرے ختان کو چھوئے (یعنی صحبت کرے) تو غسل واجب ہو جائے گا خواہ اس کو انزال بھی نہ ہوا ہو۔“

نیز حشفہ سے مراد آدمی کا حشفہ ہے، پس اگر عورت کے ساتھ کوئی جن جماع کرے اور وہ اس کے سامنے آدمی کی صورت میں نہ ہو اور عورت کا انزال بھی نہ ہو تو عورت پر غسل واجب نہیں لیکن اگر جن آدمی کی صورت میں ظاہر ہو تو فقط ادخال حشفہ سے غسل واجب ہو جائے گا، انزال ہو یا نہ ہو کیونکہ احکام کا مدار ظاہر پر ہے۔



باب : ۳

پانیوں کے بیان میں

پانی کی کیفیت

”والطهارة من الاحداث جائزة بماء السماء والاودية والعيون والآبار وماء البحار ولا تجوز الطهارة بماء اعتصر من الشجر والتمر ولا بماء غلب عليه غيره فاخرجه عن طبع الماء كالأشربة والخل والمرق وماء الباقلاء وماء الورد وماء الزردج وسور الأدمى طيب وسور الحمار والبغل مشكوك فان لم يجد الانسان غيره توضأ به وتيمم و بآيهما بدأجاز و سور الآدى وما يوكل لحمه طاهر وسور الكلب والخنزير و سباع السبھائم نجس و سور الهرة والدجاجة المخلاة و سباع الطيور و ما يسكن فى البيوت مثل الحية والفارة مكروه۔“

”اور ہر قسم کے حدث سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے بارش، وادیوں، چشموں، کنوؤں اور سمندروں کے پانی سے۔ اور پاکی حاصل کرنا جائز نہیں درخت اور پھل کے نچوڑے ہوئے پانی سے اور اس پانی سے جس پر کوئی اور شے غالب آکر اس کو پانی کی طبیعت سے نکال دے جیسے ہر قسم کے شربت، سرکہ، شوربا، عرق باقلا، عرق گلاب، عرق زردک اور انسان کا جھوٹا پاک ہے اور گدھے اور نخر کا جھوٹا مشکوک ہے سواگر کوئی اس کے علاوہ پانی نہ پائے تو وضو اور تیمم کرے اور ان میں سے جس کو چاہے پہلے کرے۔ آدمی کا جوٹھا اور ایسے جانوروں کا جوٹھا طاہر ہے جن کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ کتے اور خنزیر اور درندوں کا جوٹھا نجس ہے، بلی اور آزاد پھرنے والی مرغی، شکار کرنے والے پرندوں اور بتوں میں رہنے والے جانوروں مثلاً

سانپ اور چوہے کا جوٹھا مکروہ ہے۔“

مفردات:

احداث: حدث کی جمع مراد ناپاکی۔

ماء السماء: بارش کا پانی

الاولیة: جمع وادی، لغت کی رو سے وہ وسعت جو پہاڑوں اور ٹیلوں کے درمیان میں ہوتی ہے۔ اس جگہ مقصود بارش کا وہ پانی جو بارش کی وجہ سے بہہ کر اکٹھا ہو جاتا ہے۔

عیون: عین کی جمع، چشمے۔

آبار: بئر کی جمع، کنویں۔

بحار: بحر کی جمع، سمندر۔

ورد: گلاب۔

زردج: گاجر

سور: جوٹھا۔

کلب: کتا۔

خنزیر: سور۔

سباع: درندہ۔ یہ سبع کی جمع ہے۔

البہائم: چارپائے۔ یہ جمع ہے بہیمۃ کی۔

ہرة: بلی۔

دجاجة: مرغی۔

المخلاة: چھیڑی

طیور: جمع طیر، پرندہ۔

بیوت: گھر۔ یہ جمع ہے بیت کی۔

حیة: سانپ۔

مسائل ودلائل

پاکی پانیوں کے ساتھ:

☆: ”اور ہر قسم کے حدث سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے بارش، وادیوں، چشموں، کنوؤں اور سمندروں کے پانی سے۔ اور پاکی حاصل کرنا جائز نہیں درخت اور پھل کے نچوڑے ہوئے پانی سے اور اس پانی سے جس پر کوئی اور شے غالب آکر اس کو پانی کی طبیعت سے نکال دے جیسے ہر قسم کے شربت، سرکہ، شوربا، عرق، باقلا عرق گلاب عرق زردک (گاجر)۔

ہر قسم کے حدث سے مراد حدث اصغر اور حدث اکبر ہیں۔ بارش کا پانی بارش ہوتے ہوئے بھی پاک ہے اور اگر کسی جگہ جمع ہو جائے تو بھی پاک ہے جب تک اس میں کوئی گندگی نہ مل جائے اور اس کے اوصاف تبدیل نہ ہو جائیں۔ اگر کسی آدمی پر غسل لازم تھا اور وہ بارش میں نہ آیا تو اگر اس کا سارا جسم دھل گیا ہے تو اس کا غسل ہو جائے گا بشرطیکہ وہ منہ اور ناک دھولے۔ اسی طرح وادیوں، چشموں، کنوؤں اور سمندروں کے پانی سے پاکی حاصل کی جاسکتی ہے۔ لیکن درختوں اور پھلوں کے نچوڑے ہوئے پانی سے پاکی حاصل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ان کو عادتاً اور شرعاً اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا۔

اس پانی سے بھی پاکی حاصل کرنا جائز نہیں جس پر کوئی اور شے غالب آکر اس کو پانی کی طبیعت سے نکال دے جیسے ہر قسم کے شربت، سرکہ، شوربا، عرق، باقلا عرق گلاب، عرق زردک (گاجر)۔

انسان کا جھوٹا:

☆: ”آدمی کا جھوٹا طیب ہے۔“

سور (جھوٹا) کی پانچ قسمیں ہیں:

1: طاهر بالاتفاق

2: نجس بالاتفاق

3: مختلف فیہ

4: مکروہ

5: مشکوک

سور الادی سے قسم اول کا بیان ہے۔ انسان اور حلال جانوروں کا جھوٹا بالاتفاق پاک ہے کیونکہ اس کے جھوٹے میں لعاب دہن شامل ہوتا ہے جو پاک گوشت سے بنتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک پیالہ دودھ پیش کیا گیا جس سے آپ نے کچھ نوش فرمایا اور باقی ایک اعرابی کو عنایت فرمایا جو آپ کے دائیں جانب بیٹھا تھا، اس نے کچھ پی کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیا۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

”یا رسول اللہ ﷺ! میں تو جنبی تھا؟“

آپ ﷺ نے فرمایا:

”سبحان اللہ! ان المومن لاینجس“

(اصح البخاری)

”سبحان اللہ! مومن ناپاک نہیں ہوتا۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لاتنجسوا موتا کم فان المسلم لیس ینجس حیا ومیتاً“

(المستدرک للحاکم)

”مسلمان مردہ کو ناپاک نہ سمجھو کیونکہ مسلمان زندہ ہو یا مردہ ناپاک نہیں ہوتا۔“

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”میں بحالت جنابت اپنا جھوٹا پانی نبی کریم ﷺ کو پیش کرتی تو آپ ﷺ اسی

جگہ سے منہ لگا کر نوش فرمالتے جہاں سے میں نے پیا ہوتا۔

(اصح المسلم)

نیز حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کو اسلام لانے سے پہلے آنحضرت ﷺ نے مسجد نبوی کے ستون سے باندھ دیا تھا۔ معلوم ہوا کہ کافر بھی ظاہر انا پاک نہیں ہوتا۔ نبی کریم ﷺ کو جب حکم ہوا کہ اپنے رشتے داروں کو ڈرائیے تو آپ ﷺ نے کھانے کی دعوت کی اور اپنے رشتے داروں کو بلایا اور ان کے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ کافر کا جھوٹا بھی ناپاک نہیں ہوتا۔ اسی لیے صاحب کتاب نے فرمایا:

”سورۃ آدمی طیب“

”آدمی کا جھوٹا پاک ہے۔“

یہاں آدمی میں جنبی، حائضہ، نفاس والی عورت اور کافر سب داخل ہیں۔ عموم مذکور کے لیے یہ شرط بھی ہے کہ آدمی کے منہ میں ظاہری ناپاکی نہ لگ رہی ہو حتیٰ کہ اگر شراب پینے یا منہ سے خون نکلنے کے فوراً بعد منہ لگا کر پانی پیا تو جھوٹا ناپاک سمجھا جائے گا۔ ہاں اگر کچھ دیر بعد یا کئی مرتبہ تھوک نکلنے کے بعد پیا تو بقول صحیح ناپاک نہ ہوگا لیکن شراب خور کی مونچھیں لمبی ہوں تو کچھ دیر بعد پینے سے بھی اس کا جھوٹا ناپاک ہی رہے گا کیونکہ ایسی حالت میں مونچھوں کی تلویٹ کا احتمال ہے۔

کتے اور خنزیر کا جھوٹا:

☆: ”کتے اور خنزیر کا جھوٹا ناپاک ہے۔“

سورۃ الکلب اور سورۃ الخنزیر سے قسم دوم کا بیان ہے کہ کتے اور خنزیر کا جھوٹا ناپاک ہے۔ بعض نے کتے کی بابت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ذکر کیا ہے کہ ان کے یہاں کتے کا جھوٹا پاک ہے حالانکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

”اذا دنع الکلب فی اناء احد کم فلیہرقہ ولیغسلہ ثلاث مرات“
”جب کتا تمہارے برتن میں منہ ڈال دے تو اس کو گرا دینا چاہئے اور برتن کو

تین مرتبہ دھونا چاہئے۔“

ظاہر ہے کہ کتے کی زبان پانی سے لگتی ہے اور جب اس کے منہ ڈالنے سے برتن ناپاک ہو گیا تو پانی بدرجہ اولیٰ ناپاک ہونا چاہئے اور خنزیر کا جھوٹا بھی بالاتفاق ناپاک ہے کیونکہ وہ نجس العین ہے۔

درندوں کا جھوٹا:

☆: ”اور درندوں کا جھوٹا بھی ناپاک ہے۔“

وسباع البہائم سے قسم سوم کا بیان ہے کہ شیر، بھیڑیے، چیتے، لومڑی، ہاتھی، بچو وغیرہ درندوں کا جھوٹا بھی ناپاک ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کتے اور خنزیر کے علاوہ دیگر درندوں کا جھوٹا پاک ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے ایسے تالاب کے متعلق دریافت کیا گیا جس پر درندے اور کتے آکر پانی پیتے تھے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”لہاماخذت فی بطونہا وما بقی ہاوما بقی فہولنا شراب شراب طہور۔“

(سنن ابن ماجہ) (دارقطنی)

”جو کچھ ان کے پیٹ میں چلا گیا وہ ان کا ہے اور جو باقی رہا وہ ہمارے لیے پاک ہے۔“

احناف یہ کہتے ہیں کہ درندوں کا گوشت چونکہ ناپاک ہے اور لعاب گوشت ہی سے پیدا ہوتا ہے اس لیے پاکی ناپاکی میں گوشت ہی کا اعتبار کیا جائے گا۔ رہی حدیث سو اس میں کتے کا بھی ذکر موجود ہے جس کا استثناء امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کرتے ہیں۔ پس روایت میں تائید کے ساتھ ساتھ ان کی تردید بھی موجود ہے۔ پھر صاحب نہایہ کہتے ہیں کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے درندوں کے جھوٹے کے ناپاک ہونا ذکر کیا ہے لیکن یہ ذکر نہیں کیا کہ نجاست غلیظہ ہے یا خفیفہ؟ امام صاحب سے منقول ہے کہ نجاست غلیظہ

ہے اور امام یوسف سے منقول ہے کہ نجاست خفیفہ ہے۔

بلی کا جھوٹا:

☆: ”اور بلی کا جھوٹا مکروہ ہے۔“

وسور الہرة سے قسم چہارم کا بیان ہے کہ بلی، آزاد مرغی، اسباع طیور جیسے باز، شکرہ، عقاب، چیل، کوئے، گھریلو جانور اور سانپ اور چوہے وغیرہ کا جھوٹا مکروہ ہے۔ بلی کی بابت یہ قول طرفین کا ہے کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

”الہرة سبع“

(مسند امام احمد بن حنبل) (مصنف ابن ابی شیبہ) (متدرک للحاکم)

”بلی ایک درندہ ہے۔“

ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کا منشاء بلی کی تخلیق بیان کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا حکم بیان کرنا مقصود ہے۔ اس حدیث کی رو سے گو بلی کو جھوٹا ناپاک ہونا چاہئے مگر گھروں میں اس کی بکثرت آمد و رفت کی وجہ سے نجاست ساقط ہوگئی اور صرف کراہت رہ گئی۔ امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک بلی کا جھوٹا بلا کراہت پاک ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ پانی کا برتن بلی کے سامنے کرتے اور اس کے پینے کے بعد اس سے وضو فرما لیتے۔

(دارقطنی)

بلی کے جھوٹے کی کراہت طرفین کے نزدیک تنزیہی یا تحریمی؟ جامع صغیر میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کراہت تنزیہی منقول ہے اور یہی اصح اور آثار کے مطابق ہے۔ صاحب ہدایہ نے وجہ کراہت کے سلسلے میں دو روایتیں نقل کی ہیں:

اول یہ کہ کراہت اس کے گوشت کے حرام ہونے کی وجہ سے ہے۔ یہ قول امام طحاوی کا ہے جو تحریم کے قریب ہونے کی طرف مشیر ہے۔

دوم یہ کہ وجہ کراہت بلی کا نجاست اور گندگی سے نہ بچنا ہے۔ یہ قول امام کرخی کا

ہے جس سے کراہت تزیہی کی طرف اشارہ ہے۔

مرغی کا جھوٹا:

☆: ”اور آوارہ مرغی کا جھوٹا بھی مکروہ ہے۔“

آوارہ مرغی کا جھوٹا بھی مکروہ ہے کیونکہ وہ گندگی میں آلودہ رہتی ہے۔ ہاں اگر وہ بندھی ہوئی ہو کہ اس کی چونچ اس کے بچوں تک نہیں پہنچتی تو پھر مکروہ نہیں ہے کیونکہ اس طرح آلودگی کا خطرہ نہیں رہتا۔

گدھے اور خچر کا جھوٹا:

☆: ”گدھے اور خچر کا جھوٹا مشکوک ہے، اگر متوضی (وضو کرنے والا) ان کے جھوٹے پانی کے علاوہ کوئی پانی نہ پائے تو وضو اور تیمم دونوں کرے اور ان میں سے جسے چاہے پہلے کرے اور جسے چاہے بعد میں۔“

وسور الحمار سے قسم پنجم کا بیان ہے کہ پالتو گدھے اور اس خچر کا جھوٹا جو گدھی کے پیٹ سے پیدا ہو مشکوک ہے۔ ابوطاہر دباس اسی پر اعتراض کرتے ہیں کہ مشکوک کہنا صحیح نہیں کیونکہ احکام الہی میں کوئی بھی مشکوک نہیں پس ان کا جھوٹا پاک ہے اگر اس میں کپڑا ڈوب گیا تو اس سے نماز جائز ہے۔ البتہ اس میں احتیاط برتی گئی ہے اس لیے وضو اور تیمم ہر دو کا حکم ہے اور بحالت قدرت اس کے استعمال سے منع کیا جاتا ہے۔ مشائخ کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ مشکوک کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا شرعی حکم معلوم نہیں کیونکہ حکم شرعی یعنی استعمال کا ضروری ہونا نجاست کا منقہ (یعنی نفی) ہونا اور اس کے ساتھ تیمم کو ضم کرنا تو بلاشک معلوم ہے بلکہ شک سے مراد تعارض اولہ کی بناء پر توقف ہے کہ ان کے گوشت کی اباحت و حرمت میں احادیث مبارکہ متعارض ہیں۔ چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جنگ خیبر کے موقع پر پالتو گدھیوں کے گوشت سے منع فرمادیا تھا اور گھوڑے کے گوشت کی اجازت دی تھی۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گھوڑے، گدھے اور نخر کے گوشت سے ممانعت فرمائی۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ قحط کے زمانے میں آپ ﷺ نے بعض کو پالتو گدھے کے گوشت کی اجازت دی تھی۔

بعض حضرات نے اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کو وجہ اشکال مانا ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت تو سور حمار کے ناپاک ہونے کی ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت پاک ہونے کی ہے۔ شیخ الاسلام خواہر زادہ فرماتے ہیں کہ دونوں وجہیں قوی نہیں کیونکہ جب محرم اور میح کا اجتماع ہو تو محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔ نیز پانی کی طہارت و نجاست میں اختلاف کا ہونا باعث اشکال نہیں۔ جیسے کوئی شخص ایک برتن کے بارے میں اطلاع دے کہ یہ ناپاک ہے اور دوسرا کہے کہ پاک ہے تو ایسی صورت میں دونوں خبریں مستوی (برابر) ہیں اور اعتبار اصل کا ہوتا ہے لہذا یہاں بھی ایسا ہی ہوگا پس اشکال کی بہتر وجہ ضرورت ہے کہ ان جانوروں کو اکثر گھروں کے دروازوں میں باندھا جاتا ہے اور کونڈوں میں پانی پلایا جاتا ہے اور ضرورت کا تحقق اسقاط نجاست میں موثر ہوتا ہے جیسے بلی اور چوہے کے مسئلے میں ہے۔ البتہ گدھے کے بارے میں جو ضرورت ہے وہ اس ضرورت سے کم ہے جو بلی اور چوہے میں ہے۔ اب اگر ضرورت کا تحقق قطعاً نہ ہوتا جیسے کتے اور درندوں میں ہے تب تو بلا اشکال نجاست کا حکم لاگو ہوتا اور یہاں من وجہ ضرورت ہے اور من وجہ نہیں ہے اور موجب طہارت و موجب نجاست ہر دو مستوی ہیں۔ لہذا دونوں ساقط ہو کر اصل کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوا اور اصل یہاں دو چیزیں ہیں پانی میں طہارت اور لعاب میں نجاست اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے اولیٰ ہے یا نہیں اس لیے معاملہ مشکل ہو گیا۔ پھر مشکوک فیہ میں بھی دو قول ہیں:

ایک یہ کہ خود ایسے پانی کی طہارت میں شبہ ہے کیونکہ اگر یہ پانی پاک ہوتا

تو دوسرے پانی میں ملنے کے بعد پانی کے مقابلہ میں مغلوب ہونے کی صورت میں مطہر (پاک) بھی ہونا چاہئے تھا، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس کے مطہر (پاک) ہونے میں شبہ ہے کیونکہ اگر کوئی شخص گدھے کے جھوٹے پانی سے سر کا مسح کر لے اور بعد میں اس کو مطلق پانی دستیاب ہو تو اس پر سر کا دھونا واجب نہیں۔ اگر اس کے پاک ہونے میں شبہ ہوتا تو بلاشبہ سر کو دھونا واجب ہوتا۔

متوضی اگر ان کے جھوٹے پانی کے علاوہ دوسرا پانی نہ پائے تو وضو اور تیمم دونوں کو جمع کر لے اور جس کو چاہے پہلے کرے۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”پہلے وضو کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ پانی واجب الاستعمال ہے۔ لہذا مطلق پانی کے مشابہ ہے۔“

ہم یہ کہتے ہیں کہ ان دونوں میں سے چونکہ صرف ایک ہے اس لیے دونوں کا جمع کرنا مفید ہوگا نہ کہ ترتیب۔



باب : ۴

پنجم کے بیان میں

ابتدائیہ

مشروعیت تیمم اور طریقہ

مؤخر کرنے کی وجہ:

تیمم چونکہ وضو کا قائم مقام ہوتا ہے اس لیے مصنف نے وضو کے بیان سے فارغ ہو کر تیمم کا بیان شروع کیا ہے کیونکہ خلیفہ کا مرتبہ اصل کے بعد ہوتا ہے۔ پھر اس میں کلام اللہ کی اتباع بھی ہے۔ کیونکہ کلام الہی میں پہلے وضو کا بیان ہے، پھر غسل کا اور اس کے بعد تیمم کا۔

لغوی اور اصطلاحی معنی:

لغت میں تیمم کے معنی مطلق قصد اور ارادے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”وَلَا تَيْمَمُوا الْخَبِيثَ“

”خبیث چیز کو چھوؤ بھی نہ۔“

شرعاً تیمم بہ نیت تقریب پاک مٹی وغیرہ سے چہرہ اور دونوں ہاتھوں کو مسح کرنے کو کہتے ہیں۔ صحیح اور متفق علیہ تعریف یہی ہے۔

ارکان تیمم:

ارکان و شروط تیمم کا مفصل بیان تو آگے آرہا ہے۔ یہاں اجمالی سا خاکہ ملاحظہ کیجئے:

تیمم کے دورکن ہیں:

1: دو مرتبہ پاک مٹی وغیرہ پر ہاتھ مارنا۔

2: چہرہ اور دونوں ہاتھوں کا پورے طور پر استیعاب۔

شرائط تیمم:

تیمم کی چھ شرطیں ہیں:

- 1: نیت
- 2: مسح
- 3: کم از کم تین انگلیوں سے تیمم کرنا۔
- 4: مٹی یا اس کے مثل ہونا۔
- 5: زمین وغیرہ کا مطہر (پاک) ہونا۔
- 6: پانی کا نہ ملنا یا نقصان دہ ہونا۔

ابن وہبان نے شرط اسلام کا بھی اضافہ کیا ہے نیز حیض و نفاس کا منقطع ہونا اور چہرے اور ہاتھوں پر چربی وغیرہ کا نہ ہونا بھی شرط ہے جو مانع تیمم ہوں۔

سنن تیمم:

تیمم کی آٹھ سنتیں ہیں:

- 1: شروع میں بسم اللہ پڑھنا۔
- 2: دونوں ہتھیلیوں کے اندرونی حصے کو زمین پر مارنا۔
- 3: ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو زمین پر رکھ کر آگے کی طرف کھینچنا۔
- 4: پھر ان کو زمین پر رکھے ہوئے لوٹانا۔
- 5: پھر ان کا جھاڑنا تاکہ زائد مٹی جھڑ جائے ورنہ مثلہ ہو جائے گا۔
- 6: انگلیاں کشادہ کر کے زمین پر مارنا تاکہ اگر غبار ہو تو اس کے درمیان میں آجائے۔

- 7: ترتیب قائم رکھنا یعنی اول چہرہ، پھر داہنے ہاتھ پھر بائیں ہاتھ پر مسح کرنا۔
- 8: مسح میں اس طرح تسلسل رکھنا کہ اگر پانی سے اعضاء دھوئے جاتے تو اتنی دیر

میں پہلا عضو خشک نہ ہونے پاتا۔
یہ تمام چیزیں اس قطعہ میں منظوم ہیں:

والاسلام شرط عذروضرب ونیت
ومسح وتعمیم صعید مطهر
وسنت سہی وبطن وفرج
ونقض ورتب وآل اقبل وتدبر

مشروعیت تیمم:

مشروعیت تیمم امت محمدیہ کے خواص میں سے ہے، ارشاد نبویؐ ہے:
”وجعلت لی الارض مسجداً وطهوراً“

”روئے زمین کو خاص طور پر میرے (اور میری امت کے) لیے مسجد اور
ذریعہ طہارت بنایا گیا ہے۔“

اس کی مشروعیت غزوہٴ مرسیع میں ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہڈی کا
ہار کم ہو گیا تھا تو آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو تلاش کرنے کا حکم فرمایا۔ اس میں نماز
کا وقت ہو گیا اور پانی موجود نہ تھا۔ بعض لوگوں نے اس پریشان کن حال کی شکایت
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کی کہ آپ کی صاحبزادی کی وجہ سے آنحضرت ﷺ اور
دوسرے لوگوں کو زحمت انتظار گوارا کرنی پڑی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ
رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ان کی گود میں سر رکھے سو رہے
ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اظہار ناراضگی
کیا کہ تیری وجہ سے ایسی جگہ رکنا پڑا جہاں پانی نہیں ہے، اس پر آیت تیمم نازل ہوئی۔

یہ باب 2 فصلوں پر مشتمل ہے:

فصل نمبر 1: ضرورت و فرائض تیمم

فصل نمبر 2: نواقض و شرائط تیمم

ضرورت و فرائض تیمم

”ومن لم يجد الماء وهو مسافر أو خارج المصر وبينه وبين المصر نحو الميل أو أكثر أو كان يجد الماء إلا أنه مريض فخاف أن يستعمل الماء اشتد مرضه أو خاف الجنب أن اغتسل بالماء يقتله البرد أو يمرضه فإنه يتيمم بالصعيد والتيمم ضربتان يمسح باحدهما وجهه وبالأخرى يديه إلى المرفقين والتيمم في الجنابة والحدث سواء ويجوز التيمم عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله بكل ما كان من جنس الأرض كالتراب والرمل والحجر والجص والنورة والكحل والوردنيخ وقال أبو يوسف رحمه الله لا يجوز إلا بالتراب والرمل خاصة والنية فرض في التيمم ومستحبة في الوضوء“ ○

”جو شخص پانی نہ پائے اور وہ مسافر ہو یا شہر سے باہر ہو اور اس کے اور شہر کے درمیان ایک میل یا اس سے زائد ہو یا پانی تو پاتا ہو لیکن وہ بیمار ہو اور اندیشہ ہو کہ اگر پانی استعمال کیا تو مرض بڑھ جائے گا یا جنس کو اندیشہ ہو کہ اگر پانی استعمال کیا تو اس کو سردی مار ڈالے گی یا بیمار سردی کی تو وہ پاک مٹی سے تیمم کرے۔ تیمم کی دو ضربیں ہیں، ایک کو اپنے منہ پر ملے اور دوسری کو دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک اور تیمم جنابت میں اور حدث میں یکساں ہے اور جائز ہے۔ تیمم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر اس چیز سے جائز ہے جو زمین کی جنس سے ہو جیسے مٹی، ریت، پتھر، گچ، چونہ، سرمہ، ہڑتال۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تیمم مٹی اور فقط ریت سے جائز ہے۔ تیمم میں نیت فرض ہے اور وضو میں مستحب ہے۔“

مسائل ودلائل

مسافر و خارج المصر:

☆: ”جو شخص پانی نہ پائے اور وہ مسافر ہو یا شہر سے باہر ہو اور اس کے اور شہر کے درمیان ایک میل یا اس سے زائد ہو۔“

جو شخص سفر میں ہونے کی وجہ سے یا شہر سے باہر ہونے کی وجہ سے پانی نہ پائے اور حال یہ ہو کہ اس کے اور شہر کے درمیان ایک میل یا اس سے زائد کا فاصلہ ہو۔ پانی تو پاتا ہے مگر مریض ہونے کی وجہ سے پانی استعمال کرنے کی صورت میں بیماری بڑھ جانے کا خطرہ ہے یا جنبی کو غسل کرنے کی صورت میں ٹھنڈ کی بناء پر مرجانے یا بیمار پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو وہ پاک مٹی سے تیمم کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا طيبا“

”اگر پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کر لو۔“

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

”التراب طهور المسلم ولو الی عشر جميع ما لم يجد الماء“

”مٹی مسلمان کے لیے پاکی کا ذریعہ ہے اگرچہ دس سال تک پانی نہ ملے۔“

سوال: اللہ تعالیٰ نے اس آیت ”وان كنتم مرضی او علی سفر (المائدة

۶:۵)“ میں بیمار کو مسافر پر مقدم کیا ہے پھر صاحب کتاب نے اس کا عکس کیوں کیا؟

مع ان کلام اللہ تعالیٰ احق ان یتبع۔

جواب: اس لیے کہ بیمار کی نسبت مسافر کے ذکر کی ضرورت زیادہ ہے۔ کیونکہ سفر کا وقوع اعم و اغلب ہے اور آیت میں بیمار کو مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آیت کا نزول بیانِ رخصت کے لیے ہے اور رخصت کا مشروع ہونا بندوں کے لیے خاص رحمت ہے اور رحمت کا زیادہ مستحق بیمار ہے۔

خارج المصر ظرفیت کی بناء پر منصوب ہے، تقدیر عبارت یوں ہے:

”**اوفى خارج المصر اى فى مكان خارج المصر**“

پھر شہر سے باہر ہونا عام ہے برائے تجارت ہو یا برائے کاشتکاری یا اس کے علاوہ کسی کام کی وجہ سے۔ صاحب کتاب نے اس قول سے یہ بتایا ہے کہ شہر میں رہتے ہوئے پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم جائز نہیں۔ بجز تین صورتوں کے جو اس سے مستثنیٰ ہیں یعنی نمازِ جنازہ یا نمازِ عیدین کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو یا جنبی کو ٹھنڈ کی بناء پر بیمار ہو جانے کا خطرہ ہو۔ شیخ سلمیٰ سے شہر میں رہتے ہوئے پانی نہ ملنے کی حالت میں بہر صورت تیمم کا جواز منقول ہے لیکن صحیح وہ ہے جو ہم نے ذکر کیا۔

قرآن مجید میں پانی کی غیر موجودگی کو شرط نہیں فرمایا بلکہ مشکل سے دستیاب ہونے کی شرط قرار دیا ہے جس کا معیار اکثر علماء کے نزدیک کم از کم ایک میل کی دوری قرار دیا گیا ہے۔ بعض نے اتنی دوری کا اعتبار کیا ہے جہاں اذان کی آواز نہ سن سکے۔ بعض نے کہا ہے کہ چلانے سے جہاں تک آواز پہنچے اتنی دوری کا اعتبار ہے اور بعض کے نزدیک بجانب سفر دو میل کی دوری ضروری ہے۔ بعض نے ہر طرف دو میل کی دوری کہا ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اگر پانی اتنی دور ہو کہ اس کی تلاش میں قافلہ اور رفقاء سفر نظروں سے اوجھل ہو جائیں گے جس سے جانی و مالی نقصان کا اندیشہ ہو تو اس مسافت کو دور سمجھا جائے گا اور تیمم جائز ہوگا۔ صاحب ذخیرہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے متعلق کہتے ہیں:

”وهذا حسن جدا“

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز جاتے رہنے کا اندیشہ ہوتب بھی تیمم جائز ہے اگرچہ پانی میل سے کم دوری پر ہو لیکن صاحب ہدایہ نے ”دون خوف الفوت“ کہہ کر اس کو رد کر دیا ہے کیونکہ اس صورت میں تو کوتاہی خود اس کی جانب سے ہے۔ اس لیے معذور سمجھ کر تیمم کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

میل کے سلسلہ میں معتبر قول ابو العباس احمد شہاب الدین بن ہاشم کا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

”ایک برید چار فرسخ کا ہوتا ہے اور ایک فرسخ تین میل کا، ایک میل ایک ہزار باع کا۔ ایک باع چار گز کا۔ ایک گز چوبیس انگل کا اور ایک انگل چھ جو کا۔ اس طرح کہ ایک جو کی پیٹھ دوسرے جو کے پیٹ سے ملی ہو اور جو خنجر کے چھ بالوں کا ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ایک میل تہائی فرسخ کا ہوتا ہے جس کی مقدار چار ہزار گز ہے۔ بعض حضرات نے کل مسافتوں کو ان اشعار میں جمع کیا ہے:

ان البرید من الفراسخ اربع
ولفرسخ فثلاث امیال وضعوا
ثم الذراع من الاصابع اربع
من بعد هالعشرون ثم الاصبح
ثم الشعيرة ست شعرات فقل
والمیل الف ای من الباعات قل
والباع اربع اذرع تتبع
ست شعيرات فظهر شعيرة
منها الی بطن لاخری توضع
من شعر بغل لیس فیها مدفع

مریض کی تین حالتیں ہیں:

1: اول یہ کہ اس کے لیے پانی کا استعمال نقصان دہ ہو۔ جیسے چیچک یا بخار کا مریض اس کے لیے بالاجماع تیمم جائز ہے۔

2: دوم یہ کہ پانی تو مضر نہ ہو لیکن حرکت کرنا مضر ہو۔ جیسے دستوں کا مریض یا عرق مدنی کا بیمار جس کو رشتہ کی بیماری کہتے ہیں۔ اس صورت میں اگر اس کا کوئی مددگار بھی نہ ہو تب بھی بالاجماع تیمم جائز ہے اور اگر کوئی مددگار ہو تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس صورت میں بھی جائز ہے خواہ مددگار اس کے ماتحت لوگ ہوں جیسے نوکر، خادم، اولاد یا کوئی اور۔ صاحبین کے نزدیک اس صورت میں جائز نہیں۔ لیکن محیط میں ہے کہ اگر مددگار اس کا ماتحت ہو تو بالاجماع تیمم جائز نہیں ہے۔

3: سوم یہ کہ مریض وضو پر قادر نہ ہو، نہ بذات خود اور نہ کسی دوسرے کی مدد سے۔ اس صورت میں بعض کا قول بقیاس قول ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ ہے کہ جب تک کسی ایک پر قادر نہ ہو جائے اس وقت تک نماز نہ پڑھے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **بطریق تشبہ بالمصلین** نماز پڑھے اور قدرت کے بعد اعادہ کرے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس سلسلہ میں مضطرب ہے۔ چنانچہ روایت زیادات میں ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں اور ابو سلیمان کی روایت میں ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں۔

داؤد ظاہری وغیرہ معمولی شکایت میں بھی تیمم کی اجازت دیتے ہیں لیکن ہمارے یہاں مطلق بیماری میح تیمم نہیں یعنی تیمم کو مباح نہیں کرتی بلکہ حرج کے درجہ پر ہونا ضروری ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جواز تیمم کے لیے ہلاکت یا کسی عضو کے تلف ہونے کی شرط لگاتے ہیں لیکن ظاہر نص ”**وان کنتم مرضی**“ سے اس کی تردید ہوتی ہے کیونکہ اس میں یہ قید نہیں ہے۔

سوال: نص میں مرض کے امتداد و اشتداد کی قید بھی نہیں ہے۔ پھر احناف یہ قید کہاں سے لگاتے ہیں؟

جواب: آخر آیت میں ہے: ”**ما يريد الله ليجعل عليكم من حرج**“ (المائدة: ۶:۵) اس سے معلوم ہوا کہ جوازِ تیمم کی غرض دفعِ حرج ہے اور امتداد یا اشتداد میں حرج ظاہر ہے اور بقول علامہ عینی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول قدیم اور صحیح و مشہور ہمارے موافق ہی ہے۔ شرح ابو جہیز میں ہے کہ عام اصحاب اور امام ابو حنیفہ و مالک رحمۃ اللہ علیہم کا قول بھی یہی ہے اور حلیہ میں اسی کو اصح کہا گیا ہے۔

دو ضربیں:

☆: ”تیمم کی دو ضربیں ہیں۔ پہلی کو اپنے منہ پر ملے۔“

تیمم کرتے وقت زمین پر ہاتھ ایک مرتبہ مارے یا دو مرتبہ یا اس سے زائد؟ اس کے جواب میں شیخ دہلوی نے شرح سفر السعادة میں لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں روایات متعارض ہیں۔ بعض میں مطلق ضرب ہے اور بعض میں **ضربة واحدة** ہے۔ چنانچہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ (کی روایت جو صحیحین میں کئی طریقوں سے مروی ہے) اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت (جو صحیحین و سنن میں مروی ہے) میں صرف ایک ہی ضرب کا ذکر ہے۔

نیز بعض میں **کفین مذکور** ہے اور بعض میں **یدین الی المرفقین** اور بعض میں مطلق **یدین**۔ اسی اختلاف کی وجہ سے ائمہ کے اقوال بھی مختلف ہیں۔ چنانچہ امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما سے ایک روایت یہ ہے کہ پنجوں تک فرض اور کہنیوں تک ہاتھ پھیرنا مختار ہے۔

معنی میں ابن قدامہ کہتے ہیں کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک ضرب مسنون اور دو ضربیں کافی ہیں اور بقول قاضی دو ضربیں کمال میں داخل ہیں۔ حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہ دو ضربوں کے قائل تھے، ایک چہرہ کے لیے اور ایک یدین کے

لیے اور ایک ان دونوں کے لیے۔ لیکن اکثر علماء اور احناف کے نزدیک مختار و ضریر ہیں ہیں کیونکہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

” التيمم ضربتان ضربة للوجه وضربة للذراعين الى المرفقين “
(المستدرک للحاکم) (طبرانی) (دارقطنی)

حاکم نے اس کو صحیح الاسناد اور دارقطنی نے اس کے تمام رجال کو ثقہ قرار دیا ہے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کے راوی عثمان بن محمد الانماطی کے متعلق کلام کیا گیا ہے لیکن صاحب تنقیح کہتے ہیں کہ یہ جرح مقبول نہیں کیونکہ اس میں یہ نہیں بتایا گیا کہ اس کے متعلق کس نے کلام کیا ہے جب کہ ابن ابی حاتم نے اس کو بلا حرج ذکر کیا ہے اور ابن عبد البر نے تقریب میں اس کو مقبول اور بلوغ المرام میں اس کی اسناد کو حسن کہا ہے۔ نیز ابوداؤد اور ابوبکر بن ابی عاصم نے اس سے روایت کی ہے۔

فقہ کی اکثر کتابوں میں ضرب کا ذکر واقع ہے اور اصل یعنی مبسوط میں وضع مذکور ہے نہ کہ ضرب۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ضرب تیمم کا رکن ہے یا نہیں۔ سواہ سعید ابن شجاع کہتے ہیں کہ تیمم کا رکن ہے یہاں تک کہ اگر ضرب کے بعد اور تیمم سے پہلے کسی کو حدث پیش آگیا یا اس نے ضرب کے بعد نیت کی تو اس سے تیمم درست نہیں اور یہ ایسا سمجھا جائے گا جیسے وضو میں بعض اعضاء کے دھونے کے بعد حدث پیش آجائے کہ یہ دھونا کالعدم ہوتا ہے۔

امام اسماعیل کہتے ہیں کہ ضرب رکن نہیں ہے اور صورت مذکورہ میں تیمم جائز ہے اور یہ ایسا ہو جائے گا جیسے ہاتھ میں پانی لینے کے بعد استعمال کرنے سے پہلے حدث پیش آجائے۔ لیکن البیان اور فتح القدر کے بیان کے مطابق تحقیق یہ ہے کہ تیمم میں بنظر دلیل صرف ضرب کا اعتبار نہیں، اس واسطے کہ قرآن پاک میں صرف مسح کا حکم ہے اور حدیث میں جو ضرب کا ذکر ہے وہ عادت اکثر یہ کے طور پر ہے۔

کہنیوں تک:

☆: ”دوسری ضرب کو دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک ملے۔“

کہنیوں تک کی قید کے ذریعے امام زہری کے قول سے احتراز ہے کہ وہ منکبین تک مسح کے قائل ہیں اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے بھی احتراز ہے کہ وہ نصف ذراعین تک مسح کو کافی سمجھتے ہیں۔ پھر بعض نسخوں میں استیعاب کے شرط ہونے کی تصریح ہے اور یہی صحیح ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حسن کی روایت یہ ہے کہ استیعاب شرط نہیں بلکہ اگر اکثر حصہ پر مسح ہو گیا تو کافی ہے۔ ہدایہ میں ہے:

”لا یدمن الاستیعاب فی ظاہر الروایۃ القیامہ الوضوء“

جنابت وحدث کے لیے:

☆: ”تیمم جنابت میں اور حدث میں یکساں ہے اور جائز ہے۔“

تیمم حدث اور تیمم جنابت فعل و نیت ہر دو اعتبار سے برابر ہے اور حیض و نفاس جنابت کے ساتھ ملحق ہیں۔ شیخ ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نیت کے ذریعے ممتاز کرنا ضروری ہے۔ تیمم حدث میں رفع حدث کی اور تیمم جنابت میں رفع جنابت کی نیت کرے لیکن صحیح یہ ہے کہ اس کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ ایک قوم نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

”انا قوم نسکن هذه الرمال ولم نجد الماء شهراً او شهرين و فينا

الجنب والحائض والنفساء“

(مسند امام احمد) (سنن بیہقی) (ابن راہویہ) (مسند ابویعلی) (طبرانی عن ابی ہریرۃ)

”یا رسول اللہ ﷺ! ہم ریگستان کے رہنے والے ایک ایک دود و مہینے پانی

نہیں پاتے اور اس اثناء میں ہم میں حیض و نفاس اور جنابت والے بھی

ہوتے ہیں؟“

آپ ﷺ نے فرمایا:

”علیکم بارضکم“

”تمہیں مٹی سے ضرورت پوری کرنی چاہئے۔“

کس کس چیز سے تیمم کیا جاسکتا ہے:

☆: ”تیمم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر اس چیز سے جائز ہے جو زمین کی جنس سے ہو جیسے مٹی، ریت، پتھر، گچ، چونہ، سرمہ، ہڑتال۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تیمم مٹی اور فقط ریت سے جائز ہے۔“

طرفین کے نزدیک ہر ایسی چیز سے تیمم جائز ہے جو زمین کی جنس سے ہو یعنی وہ آگ میں نہ جلے اور پانی میں نہ گلے۔ جیسے مٹی، ریت، پتھر، چونہ وغیرہ لیکن راکھ اس سے مستثنیٰ ہے کہ وہ نہ جلتی ہے اور نہ ہی پگھلتی ہے پھر بھی اس سے تیمم جائز نہیں اور جو چیزیں جل کر راکھ ہو جائیں جیسے لکڑی اور گھاس وغیرہ یا پگھل کر نرم ہو جائیں جیسے لوہا، تانبہ، پتیل، سونا، چاندی وغیرہ ان سے بھی تیمم جائز نہیں ہے کیونکہ وہ زمین کی جنس سے نہیں ہیں۔ چونکہ اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس سے تیمم کی اجازت ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے اس بارے میں دو قول ہیں:

1: مٹی اور ریت دونوں سے جائز ہے۔

2: بقول یعلیٰ ان کا آخری قول صرف خالص مٹی کا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف اُگانے والی مٹی سے جائز ہے کیونکہ آیت ”فَتِيمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا“ کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہی کی ہے۔ عرض یہ ہے کہ صعید کے معنی روئے زمین کے ہیں یعنی بالائی حصہ۔ اصمعی، خلیل، ثعلب اور ابن الاعرابی سے یہی منقول ہے۔ زجاج نحوی ”معانی القرآن“ میں لکھتے ہیں کہ صعید کے معنی زمین کے بالائی حصہ کے ہیں، وہ مٹی ہو، ریت ہو یا پتھر۔ ائمہ لغت میں سے کسی نے اس کے خلاف نہیں کیا۔ لفظ طیب میں صاف ستھرے، حلال اور اُگانے سب معانی کا احتمال ہے لیکن یہاں بقول ابواصلح اکثر کے نزدیک **قرینہ**

مقالیہ کی وجہ سے اس کے معنی طاہر اور پاک کے ہیں۔ رہے اُگانے کے معنی سواؤل تو یہ اس مقام کے مناسب نہیں۔ دوم یہ کہ بقول اصح خود امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی شرط نہیں کیونکہ پاک مٹی سے تیمم جائز ہے گواگانے والی نہ ہو اور ناپاک سے جائز نہیں گواگانے والی ہو۔

نیت کا فرض ہونا:

☆: ”تیمم میں نیت فرض ہے اور وضو میں مستحب ہے۔“

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نیت فرض نہیں کیونکہ تیمم وضو کا خلیفہ ہے:

”فلا ینخالفہ فی وصفہ“

ہم یہ کہتے ہیں کہ تیمم کے معنی ہی قصد و ارادہ کے ہیں لہذا بغیر قصد و نیت کے اس کا تحقق نہیں ہو سکتا اور شرعی معنی میں اس ذاتی جزء کا لحاظ رکھنا ضروری ہوگا۔



نواقض وشرائط تيمم كإبيان

”وينقض التيمم كل شئ ينقض الوضوء وينقضه ايضاً روية الماء اذا قدر على استعماله ولا يجوز التيمم الا بصعيد طاهر ويستحب لمن لم يجد الماء وهو يرجوان يجده في آخر الوقت ان يؤخر الصلوة الى آخر الوقت فان وجد الماء توءاً وصلّى والاتيّم ويصلّى بتيممه ماشاء من الفرائض والنوافل ويجوز التيمم للصحيح المقيم في المصر اذا حضرت جنازة والولى غيره فخاف ان اشتغل بالطهارة ان يفوته صادة الجنازة فله ان يتيمم ويصلّى وكذلك من حضر العيد فخاف ان اشتغل بالطهارة ان يفوته العيد وان خاف من شهد الجمعة ان اشتغل بالطهارة ان يفوته الجمعة توءاً فان ادرك الجمعة صلاها والا صلى الظهر اربعا وكذلك ان ضاق الوقت فخشى ان توءاً فاته الوقت لم يتيمم ولكنه يتوءا ويصلّى فائته والمسافر اذا نسي الماء في رحله فتيمم وصلّى ثم ذكر الماء في الوقت لم يعد صلواته عند ابي حنيفة ومحمد وقال ابو يوسف يعيد وليس على المتيمم اذا لم يغلب على ظنه ان يقربه ماء ان يطلب الماء وان غلب على ظنه ان هناك ماء لم يجزله ان يتيمم حتى يطلبه وان كان مع رفيقه ماء طلبه منه قبل ان يتيمم فان منعه منه تيمم وصلّى.“

”اور توڑتی ہے تیمم کو ہر وہ چیز جو توڑتی ہے وضو کو اور نیز توڑ دیتا ہے تیمم کو پانی کو دیکھ لینا جبکہ اس کے استعمال پر قادر ہو۔ تیمم صرف پاک مٹی سے جائز ہے۔ جو آدمی پانی نہ پائے اور اس کو پانی ملنے کی امید ہو تو اس کا آخر وقت تک نماز کو موخر کرنا مستحب ہے۔ پس اگر پانی مل جائے تو وضو کر کے نماز پڑھے ورنہ تیمم کرے اور تیمم سے پڑھے جو چاہے، وہ فرائض ہوں یا نوافل۔ جائز ہے تیمم تندرست مقیم کے لیے جب آجائے کوئی جنازہ اور ولی کوئی اور ہو پس اندیشہ ہو کہ اگر وضو میں مشغول ہو گیا تو نماز جنازہ فوت ہو جائے گی تو وہ تیمم کر کے نماز پڑھے۔ اسی طرح وہ شخص جو نماز عید کے لیے آیا اور اس کو اندیشہ ہو کہ وضو میں مشغول ہونے سے نماز عید جاتی رہے گی تو وہ بھی تیمم کر کے نماز ادا کر لے۔ اگر اندیشہ ہو جمعہ کے لیے آنے والے کو کہ اگر وضو میں مشغول ہوا تو نماز جمعہ فوت ہو جائے گی تو وہ وضو کرے، پس اگر جمعہ مل جائے تو فہما ورنہ ظہر کی چار رکعت پڑھے۔ اسی طرح اگر وقت تنگ ہو اور اندیشہ ہو کہ وضو کرنے سے وقت نکل جائے گا تو تیمم نہ کرے بلکہ وضو کر کے اپنی قضا نماز پڑھے۔ مسافر جب بھول گیا ہو پانی اپنے اسباب میں رکھ کر اور تیمم کر کے نماز پڑھے، پھر وقت کے اندر پانی یاد آ گیا تو طرفین کے نزدیک نماز نہ لوٹائے مگر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وضو کر کے نماز لوٹائے۔ تیمم کرنے والے پر پانی تلاش کرنا ضروری نہیں جبکہ قریب پانی ہونے کا غالب گمان نہ ہو اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ یہاں پانی ہے تو تیمم کرنا جائز نہیں جب تک کہ تلاش نہ کر لے۔ اگر اس کے ساتھی کے پاس پانی ہو تو اس سے مانگ لے تیمم کرنے سے پہلے، پس اگر وہ نہ دے تو تیمم کر کے نماز پڑھے۔“

وضو کی مثل:

☆: ”توڑتی ہے تیمم کو ہر وہ چیز جو توڑتی ہے وضو کو۔“

جو چیزیں وضو کو توڑنے والی ہیں وہ تیمم کو بھی توڑ دیتی ہیں کیونکہ تیمم وضو کا نائب ہے تو اس کا حکم بھی اسی جیسا ہوگا۔ اتنے پانی کے استعمال پر قادر ہو جانا بھی تیمم کو توڑ دیتا ہے جو اس کی ضرورت اصلیہ سے فاضل ہو اور وضو کے لیے کافی ہو کیونکہ پانی کی موجودگی جو مٹی کی پاکی کے لیے غایت قرار دی گئی ہے اس سے مراد حصولِ قدرت ہے۔ صاحب کتاب، صاحب کنز الدقائق اور صاحب وقایہ نے یہ کہا ہے کہ ناقض تیمم ناقض وضو ہے حالانکہ تیمم کبھی وضو کا ہوتا ہے، کبھی جنابت کا اور کبھی حیض و نفاس کا، چنانچہ اسی لیے صاحب تنویر الابصار و شارح نقایہ نے کہا ہے:

”ناقضہ ناقض الاصل۔“

اور یہی بہتر ہے اس واسطے کہ جو ناقض غسل ہے وہ ناقض وضو ضرور ہے لیکن ہر ناقض وضو ناقض غسل نہیں۔ پس اگر وضو کا تیمم ہو تو ایک لوٹا پانی ملنے سے ٹوٹ جائے گا لیکن غسل کا تیمم اتنے پانی سے نہیں ٹوٹے گا۔ اسی طرح ریح خارج ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو اس سے وضو کا تیمم بھی ٹوٹ جائے گا۔ اس سے چونکہ غسل نہیں ٹوٹتا تو غسل کا تیمم بھی اس سے نہ ٹوٹے گا۔ ہاں احتلام یا جماع سے دونوں تیمم ٹوٹ جائیں گے۔

پانی کو دیکھنا:

☆: ”نیز توڑ دیتا ہے تیمم کو پانی کو دیکھ لینا جبکہ اس کے استعمال پر

قادر ہو۔“

پانی کا دیکھنا درحقیقت ناقض نہیں ہے کیونکہ یہ خروج نجاست نہیں ہے بلکہ ناقض درحقیقت حدث سابق ہے لیکن ناقض کا عمل چونکہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے اس لیے مجازاً رویت ماہ کی طرف ناقض ہونے کی نسبت کر دی گئی ہے۔ پھر لفظ رویت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اتنا پانی دیکھتے ہی تیمم ٹوٹ جائے گا، پانی کا استعمال ضروری

نہیں ہے۔ امام ابن ہمام فرماتے ہیں:

”یہ عام ہے نماز کے اندر قادر ہو یا نماز سے باہر، بہر حال تیمم ٹوٹ جائے گا لیکن ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نماز کے درمیان قادر ہونا معتبر نہیں ہے۔ تیمم بحالہ باقی رہے گا بقول بغوی اکثر علماء کا یہی قول ہے۔“

نماز کو مؤخر کرنا:

☆: ”جو آدمی پانی نہ پائے اور اس کو پانی ملنے کی امید ہو تو اس کا آخر وقت تک نماز کو مؤخر کرنا مستحب ہے۔ پس اگر پانی مل جائے تو وضو کر کے نماز پڑھے ورنہ تیمم کرے۔“

جس کے پاس پانی نہ ہو لیکن ملنے کی امید ہو تو اس کو آخر وقت تک انتظار کرنا مستحب ہے۔ اگر پانی مل جائے تو وضو کر لے ورنہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے تاکہ نماز کی ادائیگی کمال طہارت کے ساتھ ہو جائے۔

اس بارے میں صاحب کتاب استحباب ہی کے قائل ہیں۔ شیخین سے غیر اصول کی روایت یہ ہے کہ تاخیر کرنا واجب ہے کیونکہ غالب رائے کا حکم متیقن جیسا ہوتا ہے۔ ظاہر الراویہ کی وجہ سے کہ عجز حقیقتاً ثابت ہے اس لیے اس کا حکم زائل نہیں ہونا چاہئے تا وقتیکہ اسی کے برابر یقین حاصل نہ ہو۔

”وہ نماز کو مؤخر کرے۔“ یہ اطلاق نماز مغرب کو بھی شامل ہے پس اس کو غیوبت شفق تک مؤخر کرے، اکثر کی رائے یہی ہے۔ پھر آخر وقت سے مراد آخر وقت جواز ہے یا آخر وقت استحباب؟ بعض علماء کا کہنا ہے کہ آخر وقت جواز تک مؤخر کرے لیکن صحیح یہ ہے کہ آخر وقت استحباب تک مؤخر کرے۔

ایک تیمم سے کئی فرائض و نوافل:

☆: ”تیمم سے پڑھے جو چاہے، وہ فرائض ہوں یا نوافل۔“

ایک تیمم سے متعدد فرائض وقتی و غیر وقتی ادا ہو سکتے ہیں، ابن المسیب، نخعی

اور بصری کا یہی قول ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہر فرض کے لیے علیحدہ تیمم کے قائل ہیں۔ البتہ سنتوں کو فرائض کے تابع مانتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک تیمم طہارت ضروریہ ہے اور دو فرضوں کے لیے ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ”ایک تیمم سے ایک نماز سے زیادہ نہ پڑھنا سنت ہے۔“

(دارقطنی) (طبرانی)

ہمارے نزدیک تیمم طہارت مطلقہ ہے، لہذا یہ وضو جیسا عمل کرے گا۔ نیز حدیث گزر چکی ہے۔

”پاک منی مسلمان کے لیے وضو کا کام دیتی ہے خواہ دس سال پانی نہ ملے۔“ اور جہاں تک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت ہے کہ ”ایک تیمم سے ایک نماز سے زیادہ نہ پڑھنا سنت ہے۔“ تو اس روایت میں دو طرح سے کلام ہے، ایک یہ کہ اسناد میں حسن بن عمارہ ہے جس کو شعبہ، احمد، سفیان، نسائی، دارقطنی، ابن معین، ابن المدینی، ساجی اور جرجانی وغیرہ نے ضعیف اور متروک کہا ہے اس لیے قابل حجت نہیں۔ دوسرے یہ کہ اس میں صرف سنت کا بیان ہے۔

تندرست مقیم اور تیمم:

☆: ”جائز ہے تیمم تندرست مقیم کے لیے جب آجائے کوئی جنازہ اور ولی کوئی اور ہو، پس اندیشہ ہو کہ اگر وضو میں مشغول ہو گیا تو نماز جنازہ فوت ہو جائے گی تو وہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے۔ اسی طرح وہ شخص جو نماز عید کے لیے آیا اور اس کو اندیشہ ہوا کہ وضو میں مشغول ہونے سے نماز عید جاتی رہے گی تو وہ بھی تیمم کر کے نماز ادا کر لے۔ اگر اندیشہ ہو جمعہ کے لیے آنے والے کو کہ اگر وضو میں مشغول ہوا تو نماز جمعہ فوت ہو جائے گی تو وہ وضو کرے پس اگر جمعہ مل جائے تو فبہا ورنہ ظہر کی چار رکعت پڑھے۔ اسی طرح اگر وقت تنگ ہو اور اندیشہ ہو کہ وضو کرنے سے وقت نکل جائے گا تو تیمم نہ

کرے بلکہ وضو کر کے اپنی قضا نماز پڑھ لے۔“

تندرست مقیم کو اگر نماز جنازہ فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ بھی تیمم کر سکتا ہے کیونکہ اس کی قضا نہیں ہوتی۔ مگر یہ اس وقت ہے جب ولی جنازہ کوئی اور ہو کیونکہ ولی جنازہ کے لیے اعادہ نماز کا حق ہوتا ہے۔ لہذا اگر وہ ولی ہو تو اس کے لیے تیمم جائز نہیں بلکہ وہ وضو کر کے ہی نماز ادا کرے گا کیونکہ اس کے حق میں نماز فوت نہیں سمجھی جائے گی وہ تو دوبارہ بھی نماز جنازہ کی جماعت کروا سکتا ہے۔

نیز وضو میں مشغول ہونے سے اگر نماز عید جھوٹ جانے کا اندیشہ ہو تب بھی تیمم کی اجازت ہے کیونکہ نماز عید کی بھی قضا نہیں ہے لیکن نماز جمعہ اور وقتی نماز کے فوت ہونے کے خوف سے تیمم سنت نہیں کیونکہ ان دونوں نمازوں کا بدل موجود ہے یعنی نماز جمعہ کا بدل ظہر اور وقتی نماز کا بدل اس کی قضا ہے۔

پانی رکھ کر بھول جانے والا مسافر:

☆: ”مسافر جب بھول گیا ہو پانی اپنے اسباب میں رکھ کر اور تیمم کر کے نماز پڑھ لی، پھر وقت کے اندر پانی یاد آ گیا تو طرفین کے نزدیک نماز نہ لوٹائے مگر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وضو کر کے نماز لوٹائے۔“

اگر مسافر اپنے کجاوہ میں پانی بھول جائے اور تیمم کر کے نماز پڑھ لینے کے بعد پانی یاد آئے تو طرفین کے نزدیک نماز دہرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ جب تک یادداشت اور علم نہ ہو تو پانی پر قدرت شمار نہیں کی جاسکتی اور پانی کی موجودگی کا مطلب اس پر قدرت کا ہونا ہی ہے۔ امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما نماز لوٹانے کا حکم دیتے ہیں کیونکہ جب پانی موجود ہے تو پھر تیمم کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

صاحب کتاب نے یہاں چند قیود ذکر کی ہیں:

1: مسافر ہو۔

جامع صغیر میں اس کی قید نہیں ہے جبکہ ہر بھولنے والے کا یہی حکم ہے۔ شرح

فخر الاسلام میں بھی ایسا ہی ہے۔ ممکن ہے کہ اصل میں تو یہ حکم مسافر کے لیے ہو لیکن غم مسافر کو اسی حکم میں لاحق کر دیا گیا ہو یا یہ قید بنظر غالب ہو کہ عموماً پانی مسافر ہی ساتھ رکھتا ہے۔

2: نسیان ہو گیا ہو۔

کیونکہ اگر مسافر نے یہ شک یا گمان کرتے ہوئے کہ پانی ختم ہو چکا ہے تیمم کر لیا تو بالا جماع نماز کا اعادہ ضروری ہے۔

3: اپنے کجلوے میں۔

کیونکہ اگر پانی کا مشکیزہ پیٹھ پر لدا ہو یا گردن میں لٹکا ہو یا سامنے رکھا ہو اور بھول کر تیمم کر کے نماز پڑھ لے تو یہ بالا جماع جائز نہیں ہے۔ لانہ نسی مالا مینی۔

4: نماز کے وقت کے اندر ہی پانی یاد آجائے۔

کیونکہ اگر عین نماز میں یاد آ گیا تو نماز کو ختم کر کے اعادہ کرنا ضروری ہے۔

گمان اور غالب گمان:

☆: ”تیمم کرنے والے پر پانی تلاش کرنا ضروری نہیں جبکہ قریب پانی ہونے کا غالب گمان نہ ہو اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ یہاں پانی ہے تو تیمم کرنا جائز نہیں جب تک کہ تلاش نہ کر لے۔“

اگر نمازی کا غالب گمان یہ ہو کہ یہاں پانی ہوگا تو پانی تلاش کئے بغیر تیمم کرنا جائز نہیں اور اگر غالب گمان نہ ہو تو تلاش کرنا ضروری نہیں۔

اب کتنی دور تک تلاش کرے؟ ہدایہ اور کنز الدقائق میں ہے کہ ایک غلوہ کی مقدار تک پانی تلاش کرے۔

غلوہ چار سو گز فاصلہ کی مقدار کو کہتے ہیں اور بقول حلبی تین سو گز کی مقدار ہے۔ بعض نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ جتنی دور تک تیر جائے وہ غلوہ کی مقدار ہے۔ بدائع میں ہے کہ اتنی دور تک تلاش کرنا صحیح ہے کہ اس کا اپنا نقصان بھی نہ ہو اور ساتھیوں کو

زحمت انتظار نہ بھی ہو۔

ساتھی سے مانگنا:

☆: ”اگر اس کے ساتھی کے پاس پانی ہو تو اس سے مانگ لے تیمم کرنے سے پہلے پس اگر وہ نہ دے تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے۔“

اگر ساتھی کے پاس پانی ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک پانی مانگنا واجب ہے اور اگر وہ نہ دے تو تیمم کرے۔ عینی نے تجرید سے نقل کیا ہے کہ ساتھی سے پانی مانگنا طرفین کے نزدیک واجب نہیں ہے۔ حسن بن زیاد کا قول اور امام شافعی کی رائے بھی یہی ہے کیونکہ باحیاء اور غیرت مند شخص کو مانگنا بالخصوص معمولی چیز کا سوال کرنا ناگوار ہوتا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ ساتھی سے مانگنا اس وقت واجب ہے جب دے دینے کا گمان غالب ہو ورنہ مانگنا واجب نہیں۔



باب : ۵

موزوں پر مسح کے بیان میں

ابتدائیہ

لمسح علی الخفین

تیمم کے بعد مسح علی الخفین کا تذکرہ:

صاحب کتاب نے تیمم کے بعد موزوں پر مسح کا ذکر فرمایا ہے۔ اس لیے کہ یہ دونوں طہارت بذریعہ مسح ہیں۔ نیز تیمم **خلف عن الكل** ہے اور مسح **خلف عن البعض** یعنی تیمم پورے وضو کا بدل ہے اور موزوں پر مسح کرنا فقط پاؤں دھونے کا بدل ہے۔ مصنف نے تیمم کو مسح خفین پر مقدم کیا ہے کیونکہ تیمم کا ثبوت قرآن کریم سے ہے اور موزوں پر مسح کا ثبوت احادیث متواترہ و اخبار مشہورہ سے ہے۔

خاصۃ امت محمدیہ:

مسح علی الخفین امت محمدیہ کے خصائص میں سے ہے جس کی مشروعیت سنت نبویہ سے ثابت ہے۔

زیادت علی القرآن:

اس بارے میں روایات مشہور ہیں اور اس درجہ تک مشہور ہیں کہ بقول صاحب مستخلص ان کے ذریعے سے **زیادة علی الكتاب** جائز ہے۔

امام اعظم اور امام احمد:

مبسوط میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول موجود ہے کہ جب تک میرے نزدیک روز روشن کی طرح موزوں کے مسح پر دلائل قائم نہیں ہو گئے اس وقت تک میں اس کا

قائل نہیں ہوا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
 ”میرے دل میں مسح علی الخنفین کی بابت ذرا بھی کھٹک نہیں ہے کیونکہ اس کی
 بابت چالیس اصحاب رسولؐ سے احادیث مروی ہیں۔“

راوی صحابہ کی تعداد:

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:
 ”مسح علی الخنفین اکتالیس صحابہ سے مروی ہے۔
 امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ستر صحابہ نے مجھ سے موزوں پر مسح
 کے بارے میں احادیث بیان کی ہیں۔

بدائع میں امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی ہے:
 ”میں نے ستر بدری صحابہ کو مسح علی الخنفین کا قائل پایا ہے۔“
 فتح القدیر میں روایت کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک کثیر جماعت کے نام
 مذکور ہیں۔ علامہ عینی کہتے ہیں کہ میں نے 67 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی روایات
 تخریج کی ہیں اور روایت کرنے والے محدثین کے نام بھی بیان کیے ہیں۔
 حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ بعض حضرات
 نے مسح علی الخنفین روایت کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع کیا تو ان کی تعداد 80
 سے تجاوز کر گئی۔

منکر مسح علی الخنفین:

بہر کیف روافض و خوارج کے علاوہ پوری امت کا اجماع ہے کہ مسح علی الخنفین
 ثابت ہے جس میں کسی طرح شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اسی لیے محیط میں امام اعظم
 رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے:

”منکر مسح کے لیے اندیشہ کفر ہے۔“

درمختار میں ہے:

منکر مسح مبتدع ہے۔“

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک منکر مسح علی الخفین کافر ہے لیکن اظہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر بلا تاویل منکر ہو تو منکر ثبوت قطعی ہونے کی وجہ سے کافر ہے۔

علامات اہل سنت:

شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اہل سنت والجماعت کی تعریف پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا:

”ان تفضل الشيخین وتحب الختین وترى المسح على

الخفین“

”جو شیخین (حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کی

فضیلت کا معترف ہو اور ختین (حضرت عثمان و علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما) کا

شیدائی ہو اور مسح علی الخفین کا قائل ہو وہ اہل سنت والجماعت میں سے ہے۔

اس باب کی تین فصول ہیں:

1: جواز مسح علی الخفین اور شرائط۔

2: مدت مسح

3: اوصاف موزہ اور مسح کی کیفیت۔



جواز مسح علی الخفین اور شرائط

”المسح علی الخفین جائز بالسنة من کل حدث موجب للوضوء
 اذالبس الخفین علی طهارة ثم احدث“
 ”موزوں پر مسح کرنا جائز ہے اور یہ سنت سے ثابت ہے۔ ہر ایسے حدث کے
 وقت مسح ہوگا جو باعث وضو ہو جب کہ موزے طہارت کے بعد پہنے ہوں اور
 پھر حدث ہو جائے۔“

مسائل و دلائل

مسح افضل ہے یا دھونا:

☆: ”مسح علی الخفین جائز ہے۔“

مسح علی الخفین رخصت ہے اور پاؤں کا دھونا عزیمت۔ اب ان میں سے کون سا
 عمل افضل ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے مسح کو اختیار کیا ہے کہ یہ
 افضل ہے بالخصوص جب کہ ترک مسح سے اس کے خارجی یا رافضی ہونے کا شبہ ہوتا ہو
 (کذافی فتح الباری شرح بخاری) لیکن صاحب ہدایہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ
 پاؤں کا دھونا افضل ہے۔

شیخ الاسلام خواہر زادہ نے شرح مبسوط میں اس کی تشریح کی ہے:

”وبہ نص الناطق فی اخبارہ“

”اور اخبار میں اس کے نص ناطق موجود ہے۔“

صاحب کتاب رحمۃ اللہ علیہ نے ”جائز“ کہہ کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

سنت سے ثابت:

☆: ”مسح علی الخفین سنت سے ثابت ہے۔“

بعض حضرات کے خیال میں مسح علی الخفین کا جواز آیت ”وارجلکم“ کی قرأت جبر سے ثابت ہے لیکن صاحب فتح القدر اور علامہ عینی کے نزدیک یہ صحیح نہیں کیونکہ آیت میں **ارجلکم** کے ساتھ ”الی الکعبین“ بھی مذکور ہے حالانکہ مسح علی الخفین بالاتفاق **کعبین** تک نہیں ہوتا بلکہ صرف پشت قدم (بجانب ساق) پر ہوتا ہے۔ صاحب کتاب نے **بالسنة** کہہ کر اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ مسح علی الخفین کے جواز کا ثبوت سنت سے ہے نہ کہ قرآن کریم سے۔ پھر صاحب کتاب نے ”بالسنة“ کہا ہے بالحدیث نہیں کہا کیونکہ حدیث فقط آپ ﷺ کے اقوال کو کہتے ہیں اور سنت قول و فعل ہر دو کو شامل ہے اور مسح علی الخفین کا ثبوت کیونکہ قول اور فعل دونوں سے ثابت ہے اس لیے بالسنة کا لفظ استعمال کیا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، عبادلہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے موزوں پر مسح کیا۔

حضرت عمر فاروق، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت صفوان رضی اللہ عنہم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”یمسح المقیم یوما ولیلة“

”مقیم موزوں پر ایک دن اور ایک رات مسح کرے۔“

سوال: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ مجھے اپنے پاؤں کا پارہ پارہ ہونا زیادہ پسند ہے بہ نسبت موزوں پر مسح کرنے کے۔ اس قول سے تو عدم جواز ہی ثابت

ہوتا ہے؟

جواب: اس قول کا راوی محمد بن مہاجر ہے جس کے متعلق محمد بن حبان کہتے ہیں:

”یہ شخص حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔“

علامہ ابن الجوزی خصوصاً اس روایت کے متعلق کہتے ہیں:

”یہ روایت اسی نے گھڑی ہے۔“

شرط طہارت:

☆: ”ہر ایسے حدث کے وقت مسح ہوگا جو باعث وضو ہو جب کہ موزے

طہارت کے بعد پہنے ہوں اور پھر حدث ہو جائے۔“

بموجب للوضوء کی قید کے ذریعے جنابت سے احتراز ہے کہ جس پر غسل واجب

ہو اس کے لیے مسح جائز ہے۔

علی طہارت ثم احدث کی جگہ بعض نسخوں میں صرف **علی طہارة**

ہے اور بعض میں ”**علی طہارة كاملة**“ ہے لیکن جواز مسح کے لیے ان میں سے

کوئی چیز بھی شرط نہیں یعنی یہ شرط نہیں کہ موزے پہننے کے وقت طہارت مکمل ہو بلکہ

حدث پیش آنے کے بعد مکمل طہارت کا ہونا ضروری ہے، احناف کا یہی مذہب ہے

، یہاں تک کہ اگر کسی نے صرف پاؤں دھو کر موزے پہن لیے اور اس کے بعد طہارت

پوری کر لی پھر حدث پیش آیا تب بھی مسح کرنا جائز ہے۔



موزوں پر مسح کی مدت

”فان كان مقيماً مسح يوماً وليلةً وان كان مسافراً مسح ثلاثة ايامٍ ولياليها وابتداءً وها عقيب الحدث و المسح على الخفين على ظاهرهما خطوطاً بالاصابع يبتدأ من الاصابع الى الساق وفرض ذلك مقدار ثلث اصابع من اصابع اليد۔ ومن ابتداء المسح وهو مقيم فسا فر قبل تمام يوم وليلة مسح تمام ثلاثة ايام ولياليها ومن ابتداء المسح وهو مسافرٌ ثم اقام فان كان مسح يوماً وليلةً او اكثر لزمه نزع خفيه وان كان اقل منه تتم مسح يوم وليلة۔“

”پس اگر مقيم ہو تو ایک دن اور ایک رات تک مسح کرے اور اگر مسافر ہو تو تین دن اور تین رات تک مسح کرے۔ مسح کا وقت وقت (موزے پہنے کے بعد پہلے) حدث سے شروع ہوتا ہے۔ موزوں کا مسح خطوط کی شکل میں ان کے ظاہر پر ہونا چاہئے۔ انگلیوں سے شروع کر کے انگلیوں سے پنڈلی تک لے جائے۔ مقدار مسح ہاتھ کی تین انگلیوں کے برابر فرض ہے۔ اگر کسی مقيم نے مسح شروع کیا پھر ایک دن رات تمام ہونے سے پہلے مسافر ہو گیا تو تین دن رات تک مسح کی مدت پوری کر لے اور اگر مسافر نے مسح شروع کیا تھا پھر مقيم ہو گیا تو اگر وہ ایک دن رات یا اس سے زیادہ تک مسح کر چکا ہے تب تو موزے نکال دے اور اگر اس سے کم کیا ہو تو ایک دن رات کی مدت پوری کرے۔“

مقیم کی مدت:

☆: ”اگر مقیم ہو تو اس کے لیے ایک دن اور ایک رات اور اگر مسافر ہو تو اس کے لیے تین دن اور تین رات تک مسح کرنا جائز ہے۔“

بعض حضرات نے تفرّد اختیار کرتے ہوئے مسح کے بارے میں وقت کی تحدید نہیں کی۔ چنانچہ مالکیہ کے یہاں یہی مشہور ہے کہ موزوں پر مسح کرنا بلا تحدید وقت جائز ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول (جس کو نووی قول قدیم اور ضعیف کہتے ہیں) یہ ہے کہ مسح کے لیے توقیت نہیں ہے لیکن عام علماء، صحابہ کرام، تابعین اور اکابرین کے نزدیک وقت محدود ہے اور بقول خطابی عام فقہاء کا قول یہی ہے کیونکہ حضرت عمر فاروق، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت جابر، حضرت خزیمہ، حضرت صفوان، حضرت عوف بن مالک، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”یَمْسَحُ الْمَقِيمُ يَوْمًا وَلَيْلَةً وَالْمَسَافِرُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا.“

”مقیم ایک دن رات تک اور مسافر تین دن رات تک مسح کر سکتا ہے۔“

سوال: ابوداؤد اور دارقطنی نے اس کی اسناد کو غیر ثابت مانا ہے۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں بلکہ مجہول ہے۔ حضرت عمر، ابن عمر، سعد بن ابی وقاص اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم سے آثار مروی ہیں کہ مسح کے لیے وقت کی تحدید نہیں ہے۔“

جواب: اول تو یہ آثار احادیث صحیحہ کے مقابلے میں لائق پذیرائی نہیں۔ دوسرا ان کی اسانید علت سے خالی نہیں۔ تیسرا انھی صحابہ رضی اللہ عنہم سے تحدید بھی مروی ہے تو ممکن ہے انہوں نے عدم تحدید کے قول سے رجوع کر لیا ہو۔

ابتدائے مدت:

☆: ”مسح کا وقت وقت (موزے پہنے کے بعد پہلے) حدث سے شروع

ہوتا ہے۔“

مسح کی ابتدا حدث کے بعد شروع ہوتی ہے کیونکہ موزہ حدث کے سرایت کرنے سے مانع ہوتا ہے، اس لیے مدت مسح کا اعتبار منع کے وقت سے ہونا چاہئے۔ امام شافعی، امام سفیان ثوری، امام احمد بن حنبل اور داؤد ظاہری کے دو قولوں میں سے اصح قول بلکہ جمہور علماء کا قول یہی ہے۔

امام اوزاعی اور امام ابو ثور کہتے ہیں:

”حدث کے بعد جب مسح کرنے لگے تو اس وقت سے مسح کی مدت شروع ہوگی۔“

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی طرح کی ایک روایت منقول ہے۔

طریقہ مسح:

☆: ”موزوں کا مسح خطوط کی شکل میں ان کے ظاہر پر ہونا چاہئے۔ انگلیوں سے شروع کر کے انگلیوں سے پنڈلی تک لے جائے۔ مقدار مسح ہاتھ کی تین انگلیوں کے برابر فرض ہے۔“

مسح علی الخفین کا مسئلہ چونکہ غیر قیاسی ہے اس لیے اس میں تمام شرعی قیود کو پیش نگاہ رکھا جائے گا۔ پس موزوں کے ظاہری حصہ پر مسح کرنا ضروری ہوگا اس طرح کہ انگلیوں سے خطوط کھینچ کر پاؤں کی انگلیوں سے شروع کر کے پنڈلی کی جانب لے جائے کیونکہ حدیث مغیرہ میں ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے موزوں کے بالائی حصہ پر ایک دفعہ مسح کیا گویا اب بھی میں آپ کی انگلیوں کے نشانات دیکھ رہا ہوں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ)

مقیم اگر مسافر ہو جائے تو:

☆: ”اگر کسی مقیم نے مسح شروع کیا پھر ایک دن رات تمام ہونے سے پہلے مسافر ہو گیا تو تین دن رات تک مسح کی مدت پوری کر لے۔“

جس شخص نے مسح کی ابتداء مقیم ہونے کی حالت میں کی اور ایک دن اور ایک

رات ختم ہونے سے پہلے سفر شروع کر دیا تو اس کو تین دن تین رات تک مسح کرنے کی اجازت ہے یعنی وہ مسافر مسح کی سفر والی مدت کو اس طرح پورا کرے کہ مجموعہ تین دن ہو جائے یہ مطلب نہیں کہ از سر نو تین دن تک مسح کرتا رہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی اجازت نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ نئے سرے سے پاؤں دھو کر موزے پہنے یا پھر اپنی مقیمگی کی مدت پوری کرے۔
ہماری دلیل حدیث مسح ہے۔

حضرت عمر فاروق، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت جابر، حضرت خزیمہ، حضرت صفوان، حضرت عوف بن مالک، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”یَمْسَحُ الْمَقِيمُ يَوْمًا وَلَيْلَةً وَالْمَسَافِرُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا۔“

”مقیم ایک دن رات تک اور مسافر تین دن رات تک مسح کر سکتا ہے۔“

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا سَفْرًا أَنْ لَا نَنْزِعَ خَفَافَنَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ

وَلَيَالِيهَا۔“

(سنن ترمذی) (سنن نسائی) (سنن ابن ماجہ) (صحیح ابن حبان) (مسند ابن خزیمہ) (مسند امام شافعی) (سنن بیہقی) (دارقطنی)

”رسول اللہ ﷺ اہم کو بحالت سفر حکم دیا کرتے تھے کہ تین دن تین رات

تک ہم موزے نہ نکالیں۔“

دوسرا یہ کہ جو احکام وقت سے متعلق ہوتے ہیں اور ان میں بھی آخر وقت کا اعتبار ہوتا ہے جیسے نماز کا مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص اخیر وقت میں سفر شروع کر دے تو اس کی فرض نماز چار رکعات کی بجائے دو رکعت ہوتی ہے اور اگر اخیر وقت میں مقیم ہو جائے تو دو رکعات کے بجائے چار رکعتیں ضروری ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی نابالغ اخیر وقت میں بالغ ہو جائے یا کوئی کافر مسلمان ہو جائے تو ان پر نماز واجب ہو جاتی ہے۔

مسئلہ مسح چونکہ وقت سے متعلق ہے اس لیے اس میں بھی آخری وقت کا اعتبار کیا جائے گا۔

صاحب کتاب رحمۃ اللہ علیہ نے **وہو مقیم** کہہ کر مسح کو بحالت اقامت ہونے کے ساتھ مقید کیا ہے۔ اس واسطے کہ اگر اس نے مقیم ہونے کی حالت میں موزے پہنے اور حدث ہونے سے پہلے ہی سفر شروع کر دیا تو اس صورت میں بالاتفاق (امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی) مدت اقامت میں مدت سفر کا داخل ہو جائے گا۔

نیز صاحب کتاب نے **”قبل تمام یوم والیلة“** کے ساتھ بھی مقید کیا ہے۔ اس واسطے کہ اگر مدت اقامت پوری کرنے کے بعد سفر شروع کیا تو اس صورت میں بالاتفاق مدت اقامت میں مدت سفر کا داخل نہ ہوگا کیونکہ اس وقت قدم میں حدث سرایت کر چکا ہے اور موزے میں اتنی قوت نہیں کہ رفع حدث کر سکے۔ وہ تو سائر حدث ہوتا ہے نہ کہ رافع حدث۔ اس لیے لامحالہ رفع حدث کے لیے پاؤں نکال کر دھونے پڑیں گے کیونکہ پانی رافع حدث ہے اور اگر حدث ہونے کے بعد مقیم مسافر ہوایا مسافر مقیم ہو تو ان دونوں صورتوں میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔

مسافر مقیم ہو جائے تو:

☆: ”اور اگر مسافر نے مسح شروع کیا تھا پھر مقیم ہو گیا تو اگر وہ ایک دن رات یا اس سے زیادہ تک مسح کر چکا ہے تب تو موزے نکال دے اور اگر اس سے کم کیا ہو تو ایک دن رات کی مدت پوری کرے۔“

اگر کوئی مسافر مقیم بن گیا تو دیکھا جائے گا کہ وہ مدت اقامت پوری کر چکا ہے یا نہیں؟ اگر مدت اقامت پوری کر چکا ہو تو موزے نکال لے کیونکہ رخصت سفر بغیر سفر کے باقی نہیں رہ سکتی اور اگر مدت اقامت پوری نہ کی ہو تو اس کو پوری کر لے کیونکہ مدت اقامت باقی ہے اور یہ مقیم ہو چکا۔



اوصاف موزہ اور نواقض مسح

”ولایجوز المسح علی خف فیہ خرق کثیریتین منه قدر ثلث اصابع الرجل وان کان اقل من ذلك جاز ولا یجوز المسح علی الخفین لمن وجب علیہ الغسل ینقض المسح ما ینقض الوضوء ینقضه ایضاً نزع الخف ومضی المدّة فاذا مضت المدّة نزع خفیہ وغسل رجلیہ وصلیٰ ولس علیہ اعادۃ بقیۃ الوضوء ومن لبس الجر موق فوق الخف مسح علیہ ولا یجوز المسح علی الجوربین الا ان یكونا مجلّدين او منعلین وقالایجوز اذا کانا تخنین لایشفان ولا یجوز المسح علی العمامة والقلنسوة والبرقع والقفازین ویجوز علی الجبائر وان شدّها علی غیر وضوء فان سقطت من غیر برء لم یبطل المسح وان سقطت عن برء بطل۔“

”جائز نہیں مسح ایسے موزے پر جس میں زیادہ پھٹن ہو کہ اس سے پاؤں کی تین انگلیوں کے بقدر نظر آتا ہو، اگر اس سے کم ہو تو جائز ہے اور جائز نہیں موزوں پر مسح کرنا اس کے لیے جس پر غسل واجب ہے۔ مسح کو ہر وہ چیز توڑ دیتی ہے جو وضو توڑ دیتی ہے اور نیز توڑ دیتا ہے اس کو موزے کا نکلنا اور مدت کا گزرنا۔ پس جب مدت گزر جائے (اور اس کا وضو

ہو) تو موزے نکال کر پاؤں دھو کے نماز پڑھ لے، باقی وضو دوبارہ کرنا ضروری نہیں۔ جس نے موزے پر جرموق پہن لی تو وہ اسی پر مسح کرے۔ مسح جرابوں پر جائز نہیں الا یہ کہ وہ پوری مجلد ہوں یا صرف تلے پر چمڑا چڑھا ہوا ہو۔ صاحبین کہتے ہیں کہ اگر جرابیں گاڑھی ہوں اتنی کہ نہ چھنتی ہوں تو ان پر مسح جائز ہے۔ پگڑی، ٹوپی، برقع اور دستانوں پر مسح جائز نہیں۔ زخم کی پٹی پر مسح جائز ہے اگرچہ بے وضو ہونے کی حالت میں باندھی گئی ہو۔ پس اگر پٹی زخم اچھا ہوئے بغیر گر جائے تو مسح باطل نہ ہوگا اور اگر زخم اچھا ہونے پر گرے تو باطل ہو جائے گا۔“

مفردات:

خرق: پھٹن۔

یتبین: ظاہر ہونا، کھل جانا۔

اصابع: انگلیاں۔ یہ اصبع کی جمع ہے۔

رجل: پاؤں۔

نزع: نکالنا۔

مضی: گزرنا۔

لبس: پہننا۔

جرموق: وہ تھیلی جو موزے کے اوپر اس کی حفاظت کے لیے پہنتے ہیں۔ عوام اس کو کالوش کہتے ہیں۔

جوربین: جرابیں۔ یہ جورب کا تثنیہ ہے۔

مجلدین: پورے پر چمڑا چڑھا ہوا ہو۔

منعلین: جوتے کے برابر چمڑا چڑھا ہوا ہو۔

ثخینین: گاڑھے ہوں۔

لايشفان: الشف لغت میں کپڑے کے رقیق ہونے کو کہتے ہیں۔ یہاں پانی کا نفوذ

مراد ہے۔

عمامہ: گپڑی۔

فلنسوہ: ٹوپی۔

قفازین: دستانے۔

جبائر: ٹوٹی ہوئی ہڈی کے باندھنے کی لکڑی یا پٹی۔ یہ جبیرۃ کی جمع ہے۔

شد: باندھنا۔

برد: اچھا ہو جانا۔

مسائل ودلائل

تین انگلیوں کی مقدار پھٹن:

☆: ”جائز نہیں مسح ایسے موزے پر جس میں زیادہ پھٹن ہو کہ اس سے

پاؤں کی تین انگلیوں کے بقدر نظر آتا ہو، اگر اس سے کم ہو تو جائز ہے۔“

ایسے موزے پر مسح کرنا جائز نہیں جس میں اتنی پھٹن ہو کہ پاؤں کی تین چھوٹی

انگلیاں دکھلائی دیتی ہوں اور اس سے کم ہو تو مسح جائز ہے۔

امام زفر اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ:

”مسح کرنا جائز نہیں ہے اگرچہ پھٹن کم ہو کیونکہ اس حالت میں جب ظاہر ہونے

والے حصہ کو دھونا پڑے گا تو باقی حصہ کو بھی دھونا چاہئے۔“

ہم یہ کہتے ہیں کہ موزے عموماً معمولی پھٹن سے خالی نہیں ہوتے۔ اس لیے ان

کے نکالنے میں حرج لازم آئے گا اور حرج شرعاً مرفوع ہے۔

مسح جائز نہیں جس پر غسل واجب ہو:

☆: ”جائز نہیں موزوں پر مسح کرنا اس کے لیے جس پر غسل واجب ہے۔“

جس پر غسل واجب ہو اس کے لیے بھی مسح کرنا جائز نہیں کیونکہ حضرت صفوان بن غسال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”کان رسول اللہ ﷺ یامرنا اذا كنا سفران لاننزع خفافنا لثله ایام

ولیا لیهن الا عن جنابة ولكن من غایة وبول ونوم۔“

(سنن ترمذی) (سنن نسائی) (سنن ابن ماجہ) (صحیح ابن حبان) (مسند ابن خزیمہ) (مسند امام شافعی) (سنن بیہقی) (دارقطنی)

”رسول اللہ ﷺ ہم کو بحالت سفر حکم دیا کرتے تھے کہ تین دن تین رات تک

ہم موزے نہ نکالیں الا یہ کہ جنابت پیش آجائے۔ البتہ پیشاب، پاخانہ یا نیند

آنے پر نکالنے کی ضرورت نہیں۔“

نیز جنابت چونکہ عادتاً بار بار نہیں ہوتی اس لیے موزے نکالنے میں کوئی حرج لازم

نہیں آتا۔

مدت مسح کا ختم ہونا

☆: ”نیز مسح کو توڑ دیتا ہے موزے کا نکلنا اور مدت کا گزرنا۔ پس جب

مدت گزر جائے (اور اس کا وضو ہو) تو موزے نکال کر پاؤں دھو کر نماز پڑھ لے باقی

وضو دوبارہ کرنا ضروری نہیں۔“

مدت مسح ختم ہونے کے بعد بھی مسح ٹوٹ جائے گا، پس ایسی صورت میں موزے

نکال کر پاؤں دھو کر نماز پڑھ لینی چاہئے، بقیہ وضو ہرانے کی ضرورت نہیں (امام شافعی

رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اعادہ ضروری ہے) لیکن یہ اس وقت ہے جب پانی موجود ہو

لیکن اگر پانی دستیاب نہ ہو تو پھر پاؤں دھونے کی بھی ضرورت نہیں۔ یہاں تک کہ اگر

نماز پڑھتے ہوئے مدت مسح پوری ہوگئی مثلاً کسی نے وضو کر کے موزے پہنے اور ظہر کے

وقت اس کو حدث ہو گیا۔ پس اس نے وضو کر کے مسح کر لیا۔ دوسرے روز اسی وقت کہ

اس کو حدث ہوا تھا نماز میں داخل ہوا اور اس کو یاد آیا کہ یہ وقت مسح کے پورے ہونے کا

ہے اور پانی موجود نہیں ہے تو صبح یہ ہے کہ نماز پوری کر لے۔

(محیط) (فتاویٰ قاضی خاں)

اگرچہ بعض مشائخ نے اس کی نماز کو فاسد کہا ہے اور یہی **اشبه بالفقہ** ہے۔

جرموق:

☆: ”جس نے موزے پر جرموق پہن لی ہو تو وہ اسی پر مسح کرے۔“

جرموق ان موزوں کو کہتے ہیں جو اصل موزوں کی حفاظت کے لیے ان کے اوپر پہنے جاتے ہیں تاکہ کچھڑیا نجاست سے آلودہ نہ ہو سکیں اور اس کی ساق بہ نسبت موزے کی ساق کے چھوٹی ہوتی ہے۔ جرموق فارسی کا معرب ہے، عربی میں اس کو موق کہتے ہیں۔ جو شخص موزوں پر جرموق پہن لے اس کو جرموق پر مسح کی اجازت ہے۔ بقول ابو حامد تمام علماء اسی کے قائل ہیں اور بقول مزنی اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ نے جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف نقل کیا ہے وہ ان کا قول جدید ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ جرموق موزہ کا بدل ہے اور خود موزہ پاؤں کا بدل تھا۔ اگر جرموق پر مسح جائز ہو تو بدل کے بدل کا اعتبار کرنا لازم آتا ہے حالانکہ اعتبار صرف بدل کا ہوتا ہے نہ کہ بدل البدل کا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے موقین پر مسح کیا ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں موقین سے مراد خفین ہے نہ کہ جرموقین لیکن سرموجی نے شرح ہدایہ میں جوہری، مطرزی اور عکبری کے حوالے سے یہ کہہ کر اس کو روک دیا ہے کہ جرموق اور موق دونوں موزوں پر پہنے جاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ دونوں خفین کے علاوہ ہیں۔ ابوالنصر بغدادی وغیرہ کی رائے میں موق وہی جرموق ہے جو موزہ پر پہنا جاتا ہے۔ صاعانی عباب میں حرف جیم کی بحث میں کہتے ہیں کہ جرموق موزہ پر پہنا جاتا ہے۔ حرف میم کی بحث میں لکھتے ہیں کہ موق موزہ پر پہنا جاتا ہے اور یہ فارسی لفظ ”موکہ سے معرب ہے بمعنی پائتانا۔ جوہری، قاضی عیاض، ابن الاثیر اور ہروی نے بھی اس کو معرب

ہی مانا ہے۔

جرابوں پر مسح کا حکم:

☆: ”مسح جرابوں پر جائز نہیں الا یہ کہ وہ پوری مجلد ہوں یا صرف تلے پر چمڑا چڑھا ہوا ہو۔ صاحبین کہتے ہیں کہ اگر جرابیں گاڑھی ہوں اتنی کہ نہ چھنتی ہوں تو ان پر مسح جائز ہے۔“

جورب فارسی کا معرب ہے۔ شامی لوگ سخت جاڑے کے موسم میں بٹے ہوئے سوت کا قدم سے لے کر ٹخنے تک پہنتے ہیں جس کو جراب کہنا چاہئے۔ امام صاحب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب یہ پورے چمڑے میں ڈھکے ہوئے نہ ہوں یا جوتے کے برابر ان پر چمڑا چڑھا ہوا نہ ہو اس وقت تک مسح جائز نہیں۔ پہلی صورت مجلد کی ہے اور دوسری منعل کی۔

صاحبین کے نزدیک چمڑا چڑھنے کی شرط نہیں بلکہ اتنا گاڑھا ہونا ضروری ہے کہ ان میں پانی نہ چھن سکے، جمہور صحابہ، تابعین، سفیان ثوری، ابن مبارک، اسحاق، احمد اور داؤد کا مذہب یہی ہے۔

حلیہ میں ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے موافق ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول صاحبین کے موافق ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے جوربین پر مسح کرنے کی روایت موجود ہے۔ مبسوط میں ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے وفات سے سات روز قبل (اور بقول کرخی تین روز قبل) جوربین پر مسح کیا اور فرمایا:

”میں جس چیز سے منع کرتا تھا خود اس کو کر لیا۔“

اس سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے رجوع پر استدلال کیا گیا ہے۔

عمامہ، ٹوپی، برقع اور دستانوں پر مسح کا حکم:

☆: ”پگڑی، ٹوپی، برقع اور دستانوں پر مسح جائز نہیں۔“

بقول امام ترمذی حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت انس رضی اللہ عنہم اور بقول ابن ارسلان حضرت ابو امامہ، حضرت سعد بن مالک، حضرت ابوالدرداء، حضرت عمر بن عبدالعزیز، حسن، قتادہ، مکحول، اوزاعی، اسحاق، ابو ثور، وکیع اور داؤد بن علی نے مسح عمامہ کو چند شرائط کے ساتھ جائز مانا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عمامہ کا مسح مستقلاً درست نہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ پہلے بالوں کے کچھ حصہ پر مسح کیا جائے پھر اس مسح کی تکمیل عمامہ پر کر لی جائے بشرطیکہ عمامہ کھولنے میں تکلیف ہوتی ہو۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول بتایا ہے۔

احناف سے اصل مذہب میں کوئی قول منقول نہیں۔ امام محمد سے صرف اتنا منقول ہے کہ عمامہ پر مسح پہلے تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ امام ابو حنیفہ اور ہمارے عام فقہاء رحمۃ اللہ علیہم بلکہ بقول خطابی جمہور کا قول یہی ہے کیونکہ آیت ”**وامسحوا برؤسکم**“ میں سروں پر مسح کرنے کا حکم ہے اور ظاہر ہے کہ جو شخص عمامہ پر مسح کرے اس کو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے سر پر مسح کیا ہے۔ جن روایات میں عمامے کے متعلق آیا ہے وہاں سر کے بعض حصہ پر مسح کر کے عمامہ پر ہاتھ پھیر لینا مراد ہے۔ چنانچہ حدیث مغیرہ میں اس کی تفسیر ناصیہ اور عمامہ پر مسح کرنے کی وارد ہوئی ہے اور ابوداؤد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے عمامہ کے نیچے دست مبارک داخل کیا اور **مقدم داس پر مسح کیا۔**

پٹی پر مسح کا حکم:

☆: ”زخم کی پٹی پر مسح جائز ہے اگرچہ بے وضو ہونے کی حالت میں باندھی گئی ہو۔ پس اگر پٹی زخم اچھا ہوئے بغیر گر جائے تو مسح باطل نہ ہوگا اور اگر زخم اچھا ہونے پر گرے تو باطل ہو جائے گا۔“

زخم کی پٹی پر مسح جائز ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے خود بھی ایسا ہی کیا ہے اور

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی اسی کا حکم فرمایا ہے۔ نیز اس میں موزوں کو نکالنے سے زیادہ حرج ہوتا ہے لہذا یہ بدرجہ اولیٰ مشروع ہونا چاہئے۔ پھر زخم کی کل پٹی پر مسح کرنا ضروری نہیں بلکہ اکثر پٹی پر مسح کافی ہے۔ صاحب ”کافی“ نے یہی ذکر کیا ہے۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ یہ حسن کی روایت ہے اور یہی قول مفتی بہ ہے۔

مسح جبیرہ چار باتوں میں مسح خفین سے جدا ہے:

1: اگر پٹی اچھی ہونے کی وجہ سے کھل گئی تو صرف اس جگہ کا دھولینا کافی ہے بخلاف خفین کے کہ اگر ان میں سے ایک نکل جائے تو دونوں پاؤں دھونا ضروری ہے۔

2: اگر زخم اچھا ہوئے بغیر پٹی کھل گئی تو دوبارہ باندھ لے مسح کا اعادہ ضروری نہیں لیکن اگر موزے نکال دیئے تو پاؤں دھو کر دوبارہ پہنے جائیں گے۔

3: اس کے لیے وقت کی کوئی تحدید نہیں لیکن موزوں کے لیے وقت کی قید ہے۔

4: زخم کی پٹی طہارت کے ساتھ باندھنا ضروری نہیں بلکہ اگر بغیر وضو باندھا ہو تب

بھی مسح کر سکتا ہے لیکن موزوں پر اس صورت میں ہی مسح ہو سکتا ہے جبکہ ان

کو پاؤں دھو کر پہنا ہو۔



باب : ۶

غلیظہ و خفیفہ نجاست کے بیان میں

غلیظ و خفیفہ نجاست کا بیان

ومن اصابته من النجاسة المغلظة كالدم والبول والغائط والخمر مقدار الدرهم ومادونه جازت الصلوة معه وان زاد لم يجز وان اصابته نجاسة مخففة كبول مايو كل لحمه جازت الصلوة معه ما لم تبلغ ربع الثوب وتطهير النجاسة التي يجب غسلها على وجهين فما كان له عين مرئية فطهارتها زوال عينها الا ان يبقى من اثرها ما يشق ازالتها وما ليس له عين مرئية فطهارتها ان يغسل حتى يغلب على ظن الغاسل انه قد طهر۔“

”جس کو ایک درہم کی مقدار میں نجاست غلیظہ جیسے خون، پیشاب، پاخانہ، شراب وغیرہ لگ گئی یا اس سے کم مقدار میں لگی تو نماز جائز ہے اور اگر نجاست زائد ہو تو جائز نہیں ہے۔ اگر لگ جائے نجاست خفیفہ جیسے ان جانوروں کا پیشاب جن کا گوشت کھایا جاتا ہے تو جائز ہے نماز اس کے ساتھ جب تک کہ نہ پہنچے کپڑے کے چوتھائی حصے کو اور وہ نجاست جسے دھونا واجب ہے اس سے حصول طہارت کی دو صورتیں ہیں جو طہارت بعینہ دکھائی دیتی ہو اس سے پاکی عین نجاست کا دور ہونا ہے الا یہ کہ اتنا نشان رہ جائے کہ اس کا زائل ہونا دشوار ہو اور جو نجاست بعینہ دکھائی نہ دے اس سے پاکی اس قدر دھونا ہے کہ پاک ہو جانے کا ظن غالب ہو جائے۔“

مسائل ودلائل

نجاستِ غلیظہ:

☆: ”جس کو ایک درہم کی مقدار میں نجاستِ غلیظہ جیسے خون، پیشاب، پاخانہ، شراب وغیرہ لگ گئی یا اس سے کم مقدار میں لگی تو نماز جائز ہے اور اگر نجاست زائد ہو تو جائز نہیں ہے۔“

اگر نجاستِ غلیظہ مثلاً خون، پیشاب، پاخانہ، شراب لگ جائے تو ایک درہم یعنی ہتھیلی بھر چوڑائی کی مقدار معاف ہے، اس کے ساتھ نماز ہو جائے گی اور اگر اس سے زائد ہو تو معاف نہیں۔

امام زفر اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک تھوڑی اور زیادہ سب یکساں ہیں کیونکہ جس نص میں دھونے کا حکم ہے اس میں اس کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ معمولی نجاست سے بچنا عادتاً ممکن نہیں ہے اس لیے اتنی نجاست کو معاف کرنا پڑے گا اور اگر نجاست خفیفہ ہے جیسے ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب لگ جائے تو چوتھائی کپڑے سے کم کی مقدار معاف ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نجاستِ غلیظہ کا ثبوت ایسی نص سے ہوتا ہے جس کے معارض دوسری نص مثبت طہارت نہ ہو اور اگر دونوں نصوص باہم متعارض ہوں تو پھر نجاست خفیفہ کہلائے گی۔ صاحبین کے نزدیک جس نجاست پر اجماع ہو چکا ہو وہ غلیظہ ہے اور جس میں اختلاف ہو وہ خفیفہ ہے۔ ثمرہ اختلاف گوبر کی بابت میں ظاہر ہوگا کہ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت **لیلة الجن** کی وجہ سے نجاستِ غلیظہ ہے کہ کوئی دوسری اس کے معارض نہیں ہے۔ صاحبین کے نزدیک گوبر کی نجاست خفیفہ ہے کیونکہ امام مالک اور ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک گوبر پاک ہے تو نجاست اتفاقاً نہ رہی بلکہ اختلافی ہوگئی۔

صاحب کتاب امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے نجاست غلیظہ اور نجاست خفیفہ کی تعریف ذکر نہیں کی اور صرف مثال پر اکتفا کیا ہے۔ اس واسطے کہ اول تو اس کی بابت امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے۔ دوم یہ کہ امام صاحب اور صاحبین کے مسلک پر اعتراض واقع ہوتا ہے کیونکہ امام صاحب کے مسلک کا مقتضی یہ ہے کہ گدھے کا جھوٹا نجس نجاست خفیفہ ہونا چاہئے کیونکہ اس کی بابت نصین متعارض ہیں یعنی حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

”کل من سمین مالک“

اور آپ ﷺ کا ارشاد:

”اکفئوا القدور“

حالانکہ امام صاحب کے نزدیک بھی گدھے کا جھوٹا پاک ہے۔ صاحبین کے مسلک کا مقتضی یہ ہے کہ ان کے نزدیک منی کی نجاست خفیفہ ہونی چاہئے کیونکہ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ منی کو پاک کہتے ہیں حالانکہ صاحبین کے نزدیک منی کی نجاست غلیظہ ہے نہ کہ خفیفہ۔

نجاست غلیظہ میں خون سے مراد انسان یا کسی جانور کا بہنے والا خون ہے۔ اس بارے میں غیر سیال خون، شہید کا خون، لاغر گوشت، رگوں، کلیجہ، تلی، دل، مچھلی، پسو، مچھر، کھٹل اور جوں کا خون مستثنیٰ ہیں۔

پیشاب سے مراد انسان اور غیر ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب ہے جن میں سے چمگادڑ اور چوہا مستثنیٰ ہیں کیونکہ چمگادڑ کا پیشاب پاک ہے اور چوہے سے احتراز نہایت مشکل ہے، اسی پر فتویٰ ہے۔

نجاست غلیظہ ایک درہم کے بقدر معاف ہے، اسی سلسلے میں بعض حضرات نے تو علی الاطلاق درہم کے وزن یعنی ایک شقال (بیس قیراط) کا اعتبار کیا ہے اور بعض حضرات نے مساحت کا اعتبار کیا ہے۔ فقیہ ہندووانی نے دونوں قولوں میں اس طرح

تطبیق دی ہے کہ پیشاب جیسی پتی نجاستوں میں مساحت یعنی ایک درہم کا پھیلاؤ، ہتھیلی کی گہرائی بھر معتبر ہوگی اور پاخانہ جیسی گاڑھی نجاستوں میں درہم کے وزن کا اعتبار ہوگا۔ بدائع میں ہے کہ مشائخ ماورا، انہر کے نزدیک یہی قول مختار ہے۔ جامع کروری میں بھی اسی کو مختار کہا گیا ہے۔ محیط زاہدی اور زیلعی نے اسی کو صحیح کہا ہے۔ تبین اور کافی وغیرہ فتاویٰ میں بھی اسی کو لیا گیا ہے۔

جازت الصلوٰۃ میں نماز کا جواز اسی معنی کو ہے کہ اس کے ذمہ سے فرضیت ساقط ہو جائے گی اور نماز بالکل باطل نہیں ہوگی البتہ مکروہ تحریمی ہوگی یعنی اتنی نجاست کا دھونا واجب ہے حتیٰ اگر نماز شروع کر چکا تو اس کے دھونے کے واسطے نماز کا توڑنا جائز ہے۔۔ **کذا فی الطحاوی۔**

نجاست خفیفہ:

☆: ”اگر لگ جائے نجاست خفیفہ جیسے ان جانوروں کا پیشاب جن کا گوشت کھایا جاتا ہے تو جائز ہے نماز اس کے ساتھ جب تک کہ نہ پہنچے کپڑے کے چوتھائی حصے کو۔“

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نصوص نجاست و طہارت متعارض ہونے کی وجہ سے نجاست میں تخفیف آجاتی ہے جیسے حدیث **عربین** تو اونٹ کے پیشاب کے پاک ہونے کی دلالت کرتی ہے اور حدیث ”**استنزهو امن البول**“ اس کی نجاست پر دلالت کرتی ہے۔ پس اگر نجاست خفیفہ مثلاً ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب لگ جائے تو چوتھائی کپڑے سے کم مقدار معفو عنہ ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے نماز ہو جائے گی۔ ماکول اللحم جانوروں سے مراد یہ ہے کہ فی نفسہ ان کا گوشت حرام نہ ہو۔ شیخین کے نزدیک گھوڑے کے پیشاب کی نجاست خفیفہ ہوگی کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس کے گوشت کو مکروہ کہا ہے تو اس لیے کہ یہ سامان جہاد میں سے ہے اس لیے نہیں کہ اس کا گوشت ناپاک ہے۔

بعض احکام میں چوتھائی حصہ کو بمنزلہ کل کے سمجھا گیا ہے جیسے چوتھائی سر کا مسح بمنزلہ کل سر کے قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح نجاست خفیفہ میں چوتھائی حصہ کو کل کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ رہی یہ بات کہ پورے بدن یا پورے کپڑے کا چوتھائی حصہ معتبر ہے یا صرف اس جگہ کا چوتھائی معتبر ہے جس میں نجاست لگی ہوئی ہے؟ سو اس میں اختلاف ہے۔ ابن ہمام نے اول کو احسن اور حلبی نے شرح منیہ میں مختار اور نہر الفائق میں رائج کہا ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک قولِ ثانی معتبر ہے۔ جیسے کرتہ کا دامن، کلی، آستین وغیرہ محیط اور تحفہ میں اسی کو اصح اور بدائع، مجتبیٰ سراجیہ میں صحیح اور حقائق میں مفتی بہ کہا ہے۔ مفتی بہ ہونا رائج اور مختار پر مقدم ہے۔

اگر کسی چیز میں نجاست غلیظہ اور خفیفہ دونوں جمع ہو جائیں تو احتیاطاً خفیفہ کو بھی غلیظہ کے تابع کر دیں گے۔ حتیٰ کہ غلیظہ اگر ایک درہم سے کم ہو لیکن نجاست خفیفہ ملا کر پورا ایک درہم یا ایک درہم سے زائد ہو جاتی ہو تو دونوں کو ملا کر ایک سمجھا جائے گا۔

نجاست مرئی وغیر مرئی:

نجاست کی دو قسمیں ہیں:

1: نظر آنے والی۔

2: نظر نہ آنے والی۔

اول میں محل نجاست کا پاک ہونا یہ ہے کہ بعینہ اس ناپاکی کو دور کر دیا جائے کیونکہ ناپاکی کسی محل میں گندگی حلول کرنے کی وجہ سے آئی ہے۔ لہذا اس گندگی کے دور کرنے ہی سے دور ہو سکتی ہے الا یہ کہ اس نجاست کا اتنا اثر اور نشان باقی رہ جائے جس کا زائل کرنا دشوار ہو کیونکہ حرج شرعاً مدفوع ہے۔

دوم میں محل نجاست کا پاک ہونا یہ ہے کہ اس کو اتنا دھویا جائے کہ دھونے والے کا غالب گمان یہ ہو کہ پاک ہو گیا ہے اور وہ تین مرتبہ ہے کیونکہ تین بار سے غالب گمان ہو جاتا ہے، پس سبب ظاہر کو طہارت کے قائم مقام کر دیا گیا لیکن ہر مرتبہ نچوڑنا ضروری ہے اور جس چیز کا نچوڑنا ممکن نہ ہو جیسے بوریہ، بچھونا، لحاف وغیرہ تو وہ تین بار دھو کر خشک

کرنے سے پاک ہو جائے گی۔

غایۃ البیان میں ہے کہ نمودار نجاست سے مراد وہ نجاست ہے جو خشک ہو جانے کے بعد نظر آئے جیسے خون، پاخانہ وغیرہ اور جو خشک ہو جانے کے بعد نظر نہ آئے وہ نمودار نہیں۔

زوال عینہا میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر ایک مرتبہ دھونے سے عین نجاست زائل ہو جائے تو تکرار غسل ضروری نہیں اور اگر تین مرتبہ دھونے سے بھی عین نجاست زائل نہ ہو تو مزید دھونا ضروری ہوگا یہاں تک کہ عین نجاست زائل ہو جائے کیونکہ نجاست مرئی میں اصل مقصود نجاست کا زوال ہے پس اس میں تین پانچ کا کوئی انحصار نہیں ہے۔ (سراجیہ) (محیط)

امام ابو حفص، فقیہ ابو جعفر اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اگر ایک مرتبہ دھونے سے عین نجاست کا زوال ہو تو دو مرتبہ اور دھونا چاہئے کیونکہ اس وقت اس کا درجہ نجاست غیر مرئیہ کا ہو جاتا ہے۔ بعض فقہاء کی رائے ہے کہ زوال عین کے بعد بھی تین مرتبہ دھونا چاہئے۔ شیخ صریفی کہتے ہیں کہ جب تین بار دھونے سے عین نجاست اور اس کی بُو دور ہو جائے تو محل نجاست پاک ہو جائے گا اور اگر صرف ہو جاتی رہ جائے تو اس کو زائل کیا جائے لیکن تین مرتبہ سے زائد دھونے کی ضرورت نہیں۔

مایشق مشقت یہ ہے کہ پانی کے علاوہ صابن وغیرہ کا استعمال کرنا پڑے یا گرم پانی استعمال کرنا پڑے۔ چنانچہ حدیث ابو ہریرہؓ میں ہے کہ خولہ بنت یسار نے آنحضرت ﷺ سے خون حیض کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے پانی سے دھونے کو فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ ﷺ! دھونے سے اس کا نشان نہیں جاتا؟“

آپ ﷺ نے فرمایا:

”کوئی حرج نہیں ہے۔“

(سنن ابی داؤد) (سنن ترمذی) (مسند امام احمد)

كتاب: ٢

كتاب الصلاة

تقسیم کتاب

اس کتاب میں ابواب اور فصول ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

مقدمہ: نماز کی فرضیت و فضائل

باب نمبر 1:

اوقات نماز

اوقات نماز اور فقہاء کرام

ابتدائیہ:

وقت نماز فجر

فصل نمبر 1:

وقت نماز ظہر و عصر

فصل نمبر 2:

وقت نماز مغرب و عشاء و وتر

فصل نمبر 3:

نمازوں کے مستحب اوقات

فصل نمبر 4:

اذان کے بیان میں

باب نمبر 2:

اذان فضیلت و اہمیت

ابتدائیہ:

اذان مسائل و شرائط

فصل نمبر 1:

نماز سے پہلے کی شرائط

باب نمبر 3:

شرائط نماز

ابتدائیہ:

نماز میں دخول کی شرائط

فصل نمبر 1:

نماز کی ادائیگی کی کیفیت

باب نمبر 4:

اندون نماز کی شرائط

ابتدائیہ:

ارکان و سنن نماز

فصل نمبر 1:

قرأت کا بیان

باب نمبر 5:

ابتدائیہ: قرأت کے اہم مسائل

فصل نمبر 1: قرأت کے بیان میں

باب نمبر 6: جماعت کا بیان

ابتدائیہ: امامت کے اہم مسائل

فصل نمبر 1: امامت و جماعت کا بیان

باب نمبر 7: نماز کے منافی امور

ابتدائیہ: نماز کے منافی امور کا بیان

فصل نمبر 1: مکروہات و مفسدات نماز

باب نمبر 8:

فوت شدہ نمازوں کو ادا کرنے کے بیان میں

ابتدائیہ: فوت شدہ نمازوں کے احکام

فصل نمبر 1: فوت شدہ نمازوں کی ادائیگی کا طریقہ اور مسائل

باب نمبر 9:

وہ اوقات جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہے

ابتدائیہ: مکروہ اوقات

فصل نمبر 1: نماز کے مکروہ اوقات کا بیان

باب نمبر 10: سنن و نفل نمازوں کا بیان

ابتدائیہ: مسنون اور نفل نمازوں کی ادائیگی

فصل نمبر 1: مسنون اور نفل نمازوں کی ادائیگی کا بیان

باب نمبر 11: نماز جمعہ کا بیان

ابتدائیہ: جمعہ کے اہم ترین فقہی مسائل

فصل نمبر 1: نماز جمعہ کا بیان

- باب نمبر 12:** عیدین کی نماز کا بیان
ابتدائیہ:
عیدین کے چند اہم مسائل
فصل نمبر 1:
عید الفطر کا بیان
فصل نمبر 2:
عید الاضحیٰ کا بیان
- باب نمبر 13:** مریض کی نماز کا بیان
ابتدائیہ:
مریض کی نماز کے اہم مسائل
فصل نمبر 1:
صلوٰۃ المریض کا بیان
- باب نمبر 14:** صلوٰۃ المسافر کا بیان
ابتدائیہ:
مسافر کی نماز کا بیان
فصل نمبر 1:
مسافر کی نماز کے احکام
- باب نمبر 15:** صلوٰۃ الخوف کا بیان
ابتدائیہ:
مسائل نماز خوف
فصل نمبر 1:
نماز خوف کا بیان
- باب نمبر 16:** سجود سہو کا بیان
ابتدائیہ:
سجود سہو کے مسائل
فصل نمبر 1:
سجود السہو کا بیان
- باب نمبر 17:** صلوٰۃ الکسوف کا بیان
ابتدائیہ:
صلوٰۃ الکسوف کے مسائل کا بیان
فصل نمبر 1:
سورج گرہن کی نماز کے اہم مسائل
- باب نمبر 18:** صلوٰۃ الاستسقاء کا بیان
ابتدائیہ:
صلوٰۃ الاستسقاء کے اہم مسائل
فصل نمبر 1:
صلوٰۃ الاستسقاء کے اہم مسائل اور شرعی ثبوت

باب نمبر 19: صلوة فی الكعبه کا بیان

ابتدائیہ: کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کے بیان میں
فصل نمبر 1: اندرون کعبہ نماز کے اہم مسائل

باب نمبر 20: صلوة الجنازہ کا بیان

ابتدائیہ: نماز جنازہ کے مسائل کا ثبوت
فصل نمبر 1: نماز جنازہ کا بیان

باب نمبر 21: شہید کا بیان

ابتدائیہ: شہید کے اہم مسائل کا بیان
فصل نمبر 1: باب الشہید

باب نمبر 22: سجده تلاوت کا بیان

ابتدائیہ: سجده تلاوت کے اہم فقہی مسائل
فصل نمبر 1: سجده تلاوت کا بیان



نماز..... فرضیت و فضائل

صلوٰۃ کا لغوی معنی و مفہوم:

صلوٰۃ کا لفظ لغوی معنی کے اعتبار سے دعا کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ“

”اے نبی! اُن کے لیے دعا کیجئے کہ آپ کی دعا اُن کے لیے تسکین کا باعث ہے۔“

لغت میں پیچھے چلنے کو بھی صلوٰۃ کہتے ہیں۔ کلام عرب میں مصلیٰ اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو گھڑ دوڑ میں اول آنے والے کے پیچھے ہوتا ہے۔ چونکہ نماز میں دعا اور اتباع دونوں کی جھلک موجود ہے اس لیے اسے صلوٰۃ کہا گیا ہے۔ نماز کا بڑا حصہ دعا پر مشتمل ہوتا ہے اور مقتدی امام کی اتباع کرتا ہے۔

اصلاحی معنی:

اصطلاح شریعت میں صلوٰۃ چند مخصوص اعمال و افعال کا نام ہے جن سے بندہ اپنے رب کے لیے اپنی عاجزی، خشوع و خضوع اور زاری کا اظہار کرتا ہے۔

اہمیت نماز:

تمام عبادات میں نماز اہم ترین عبادت ہے۔ روزہ سال بھر میں صرف ایک ماہ

کے لیے ہوتا ہے، حج اور زکوٰۃ کے لیے استطاعت اور مال شرط ہیں لیکن نماز وہ عبادت ہے جو دن رات میں پانچ مرتبہ ہر مسلمان پر فرض ہے۔ وقت کے موجود ہونے سے وہ ہر عاقل بالغ پر لازم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”ان الصلوٰۃ كانت على المومنین کتابا موقوتا“

”بلاشبہ نماز مومنوں پر مقررہ اوقات میں فرض کی گئی ہے۔“

صرف انسان ہی نہیں اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق اُس کی عبادت گزاری میں مصروف ہے لیکن ہر مخلوق کی عبادت کے طریقے مختلف ہیں۔ ارشاد الہی ہے:

”ولله يسجد من في السموات والارض“

”زمین و آسمان کی تمام مخلوق خدا کے سامنے سجدہ ریز ہے۔“

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

”كل قد علم صلواته وتسبيحه“

”ہر مخلوق کو اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے۔“

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق خواہ وہ جانور ہوں یا نباتات و جمادات اپنے اپنے انداز میں سب اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء میں مصروف رہتے ہیں۔

جامع عبادت:

نماز وہ عبادت ہے جس میں پوری اسلامی زندگی کا نچوڑ ہے۔ نماز کی شان جامعیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس میں خضوع و خشوع بھی ہے..... طہارت و پاکیزگی بھی..... وقت کی پابندی کی تلقین بھی ہے اور اطاعت امیر کا درس بھی..... اس میں اسلام کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے بے شمار فائدے پوشیدہ ہیں۔

تارک نماز:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”الفارق بین العبد و الکفر الصلوٰۃ“

”اللہ کے بندے اور کفر کے درمیان حد فاصل نماز ہے۔“

جمہور ائمہ تارک الصلوٰۃ کو کافر کے قریب قرار دیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ

اللہ علیہ کہتے ہیں:

”تارک صلوٰۃ کو قید کر دیا جائے یہاں تک کہ وہ توبہ کرے یا پھر قید میں

مر جائے۔“

پسندیدہ عبادت:

نماز اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ فعل ہے اور سجدے کی حالت میں بندہ اپنے رب کے قریب ترین ہوتا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے نماز بارگاہ رب العزت میں عاجزی اور انکساری کے اظہار کا بہترین ذریعہ ہے۔ نمازی پہلے ہاتھ باندھ کر باادب اس کے حضور میں کھڑا ہوتا ہے، اس حالت کا نام قیام ہے۔ اس کے بعد وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اپنے پروردگار کے سامنے جھک جاتا ہے جسے رکوع کہتے ہیں۔ اس میں قیام کی نسبت زیادہ خشوع و خضوع پایا جاتا ہے۔ پھر نمازی اپنے جسم کے شریف ترین حصہ یعنی چہرہ کو خالق کے سامنے خاک پر رکھ دیتا ہے، یہ سجدہ کی حالت ہے جو فروتنی، عاجزی اور خاکساری کا آخری درجہ ہے اور جس سے بڑھ کر اپنی بے چارگی اور بے بسی کے اظہار کا کوئی اور ذریعہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

نماز اور انسانی صحت

جس طرح رسول اللہ ﷺ کی دیگر تعلیمات روحانیت کے ساتھ ساتھ

جسمانی صحت کو بھی خوب سے خوب تر رکھنے میں مدد دیتی ہیں، اسی طرح نماز بھی روحانی

صحت کے ساتھ ساتھ جسمانی صحت کو قائم رکھنے میں اہم اور موثر کردار ادا کرتی ہے۔

نماز میں شفا:

1: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”ایک بار میرے پیٹ میں درد ہو رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا.....!

”کیا تمہارے پیٹ میں درد ہو رہا ہے؟“

میں نے عرض کیا!

”ہاں! اے اللہ کے رسول ﷺ!“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

”کھڑے ہو جاؤ اور نماز ادا کرو کیونکہ نماز میں شفا ہے۔“

(سنن ابن ماجہ، کتاب الطب، جلد 2، حدیث نمبر 3458)

حضور نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی اس حقیقت کو عیاں کرتا ہے کہ اقامتِ صلوة جسمانی امراض کے لیے بھی شفاء ہے بشرطیکہ اسے پورے آداب کے ساتھ سنتِ نبوی ﷺ کے مطابق ادا کیا جائے۔

نماز کی تاثیر:

2: ”نماز، بدن اور دل دونوں کی صحت کی نگرانی و حفاظت کی عجیب و غریب تاثیر

رکھتی ہے اور ان دونوں سے موادرِ ذیہ نکال دیتی ہے۔ دنیا میں جتنے بھی لوگ کسی

مشکل، بیماری، آفت یا بلا کا شکار ہوتے ہیں ان میں نماز پڑھنے والوں کا تناسب

کم سے کمتر ہوتا ہے اور ان کی عاقبت ہر طرح سے محفوظ و مامون رہتی ہے۔“

(طبِ نبوی، صفحہ 409-410، از شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ، مترجم حکیم عزیز الرحمن اعظمی، ناشر فاروقی کتب خانہ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور)

بیماریوں سے نجات:

3: ڈاکٹر محمد عالمگیر خاں کے نزدیک ”نماز سے جہاں روحانی فرحت اور اطمینان

قلب حاصل ہوتا ہے، وہاں اس میں جسمانی صحت کے راز بھی مضمحل ہیں۔ اس

کے تمام ارکان اگر اچھی طرح اور باقاعدگی کے ساتھ ادا کئے جائیں تو اس سے کئی جسمانی بیماریوں سے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔

احسانِ عظیم:

4: اللہ تعالیٰ ﷻ نے پانچ وقت کی نماز فرض کر کے ہم پر بہت بڑا احسان فرمایا ہے۔ نماز جہاں ہمیں روحانی عروج اور طمانیتِ قلب عطا کرتی ہے اور برائیوں سے نکال کر پاکیزگی کے دائرے میں داخل کرتی ہے، وہاں جسمانی صحت کے لیے بھی مدد و معاون ہے۔ جسم کو چاک و چوبندر کھنے، اعصابی تکلیفوں اور جوڑوں کی بیماریوں سے بچانے اور غذا ہضم کرنے میں نماز بہت مؤثر کردار ادا کرتی ہے۔ علاوہ ازیں صحتِ انسانی کے لیے نماز کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ یہ ہمارے خون میں کولیسٹرول یعنی چربی کو کم کرنے کا کسی حد تک باعث بنتی ہے۔“

(اسلام اور طب جدید، از ڈاکٹر محمد عالمگیر خاں، صفحہ 5)

نماز اور جسم کی نشوونما:

5: ڈاکٹر وحیم سید محمد کمال الدین حسین ہمدانی (پی، ایچ، ڈی۔ صدر شعبہ طب و جراحات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) اپنی تصنیف ”اسلامی اصولِ صحت“ میں لکھتے ہیں۔!

”اگر انسان پابندِ نماز بن جائے تو اس کے جسم کے لیے یہ ایک ورزش ثابت ہوگی جس سے جملہ اعضاءِ انسانی کی نشوونما بہتر ہوگی اور اس کی قوت بڑھے گی۔ نیز مفاصل (جوڑوں) کی ساختیں بھی درست رہیں گی اور مفاصل اپنے افعال صحیح طریقے سے انجام دیتے رہیں گے اور مفاصل مختلف قسم کے امراض مثلاً تخرِ مفاصل وغیرہ سے محفوظ رہیں گے۔ اس کے علاوہ نظامِ تنفس، نظامِ دورانِ خون اور نظامِ ہضم پر بھی بہتر اثرات مرتب ہوں گے اور انسان مدت

’العمر امراض وآفات جسمانی سے محفوظ رہے گا اور اپنے فرائض زندگی کو صحیح اور بہتر طریقے پر انجام دیتا رہے گا۔“

(اسلامی اصول صحت، صفحہ 35-36، از ڈاکٹر و حکیم سید محمد کمال الدین ہمدانی، ناشر جی الفلاح سوسائٹی علی گڑھ، بھارت)

بہترین ورزش:

6: ”نماز ایک بہترین اسلامی ورزش ہے جو انسان کو ہر وقت تازہ دم رکھتی ہے، سستی اور اضمحلال کو جسم میں بڑھنے نہیں دیتی۔ دیگر مذاہب میں کوئی ایسی جامع عبادت نہیں ہے جس کی ادائیگی کی صورت میں جملہ اعضاء انسان کی تحریک و طاقت بڑھے۔ یہ امتیاز نماز ہی کو حاصل ہے کہ یہ ایک نہایت جامع ورزش بھی ہے جس کا اثر جملہ اعضاء انسانی پر مساوی ہوتا ہے اور جملہ اعضاء جسم میں تحریک و طاقت پیدا ہوتی ہے اور صحت برقرار رہتی ہے۔“

(اسلامی اصول صحت، صفحہ 36، از ڈاکٹر و حکیم سید محمد کمال الدین ہمدانی، ناشر جی الفلاح سوسائٹی علی گڑھ، بھارت)

اسرارِ صلوة:

7: ترکی کے ڈاکٹر ”ہلوک نور باقی“ کا خیال ہے کہ کوئی جدید علم یا سائنس بھی نماز کے اسرار کا مکمل فہم رکھنے سے قاصر ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"No science has the power to unravel or outline the mysteries of prayer. In particular, to view prayer merely as a physical exercise is as ridiculous as believing that there is nothing more to the universe than the air we breathe."

(قرآنی آیات اور سائنسی حقائق، صفحہ 180، از ڈاکٹر ہلوک نور باقی، ناشر انڈس پبلشنگ کارپوریشن کراچی)

محض ورزش نہیں:

8: کوئی سائنس اس قابل نہیں ہے کہ وہ صلوٰۃ (نماز) کے رازوں کو پاسکے یا ان کا احاطہ کر سکے۔ نماز میں ورزش بھی ہے لیکن خاص طور پر اگر صلوٰۃ (نماز) کو محض ایک جسمانی ورزش سے تعبیر کیا جائے تو یہ اس قدر احمقانہ بات ہوگی جیسے یہ تصور کر لینا کہ کائنات میں اس ہوا کے سوا جس میں ہم سانس لیتے ہیں اور کچھ نہیں۔

بہترین نسخہ:

9: ڈاکٹر ہلوک نور باقی نے نماز کے روحانی پہلوؤں پر بہت زور دیا لیکن وہ بھی اس کے جسمانی فوائد کو نظر انداز نہیں کرتے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"Today even materialists acknowledge that there can be no prescription other than prayer for the relief of joints."

(قرآنی آیات اور سائنسی حقائق، صفحہ 182، از ڈاکٹر ہلوک نور باقی، ناشر انڈس پبلشنگ کارپوریشن کراچی)

”آج کے دور میں مادہ پرست لوگ بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ جوڑوں (کے درد) کے آرام کے لیے نماز سے بہتر نسخہ کوئی اور نہیں۔“

نسخہ کی میا:

10: نماز کی ورزشیں جہاں بیرونی اعضا کی خوشنمائی و خوبصورتی کا ذریعہ ہیں، وہاں اندرونی اعضاء مثلاً دل، گردے، جگر، پھیپھڑے، دماغ، آنتیں، معدہ، ریڑھ کی ہڈی، گردن، سینہ اور تمام قسم کے گلینڈز (Glands) کی نشوونما بھی کرتی ہیں بلکہ جسم کو سڈول اور خوبصورت بھی بناتی ہیں۔“

(سنت نبوی اور جدید سائنس، جلد 1، صفحہ 40، از حکیم محمد طارق محمود چغتائی، ناشر ادارہ اسلامیات لاہور)

نماز کا رواج ہوتا تو!:

11: ”کچھ امراض ایسے ہیں جن سے صرف نماز قائم کر کے محفوظ رہا جا سکتا ہے کیونکہ نماز کی ادائیگی سے جسم میں ان امراض کے خلاف قوتِ مدافعت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر حسن غزنوی کے یہ الفاظ قابلِ غور ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"In addition to saving us from the sins and elevating us to the heights of spirituality prayers are great help in maintaining our physical health. They keep our body active, help digestion and save us from muscle and joint diseases through regular balanced exercise. They help the circulation of blood and also mitigate the bad effect of Cholesterol. Prayers play a vital role in acting as preventive measure against heart attack, paralysis, diabetes mellitus etc.....Heart patients should offer the five obligatory prayers regularly as they get the permission from their doctor to leave bed."

(Islamic Medicine op. Cit. p.68)

”ہمیں گناہوں سے محفوظ رکھنے اور روحانی رفعتوں کی معراج تک پہنچانے کے ساتھ ساتھ نمازیں ہماری جسمانی صحت کی بہتری کے لیے بھی بڑی حد تک معاون و مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ یہ ہمارے جسم کو متحرک رکھتی ہیں، نظام انہضام میں مددگار ہوتی ہیں اور نماز میں ہونے والی باقاعدہ و منظم ورزش کی

وجہ سے ہم عضلات اور جوڑوں کے امراض سے بھی محفوظ رہتے ہیں۔ یہ ورزش دوران خون کے عمل کو بحال رکھتی ہے اور کولیسٹرول کی زیادتی کے مضر اثرات سے ہماری حفاظت کرتی ہے۔ نماز میں ہونے والی ورزش انسان کو امراض قلب، مرگی اور ذیابیطس جیسے موذی اور خطرناک امراض سے بچانے کے لیے توانائی بہم پہنچا کر ایک نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ امراض قلب کے مریض ہنجانہ نماز کی ادائیگی سے اس قابل ہو جاتے ہیں کہ وہ اپنے معالج سے نماز سے ملنے والی توانائی اور صحت کی بدولت اپنے بستر علالت کو چھوڑنے کی اجازت لے لیتے ہیں۔“

اس ضمن میں یورپی اور مغربی اہل علم کے تاثرات ملاحظہ کریں:

”اہل مغرب آج مختلف قسم کی ورزشیں کرتے ہیں تاکہ ان کے اجسام میں کولیسٹرول کی مقدار حد سے نہ بڑھے۔ اس کے علاوہ ان کے جسم کے تمام نظام موثر طریقے سے کام کریں۔ انہوں نے اس حقیقت کا اعتراف بھی کیا ہے کہ اسلامی نماز جیسی کوئی ورزش نہ کرنے کی وجہ سے انہیں مختلف ورزشوں کا سہارا لینا پڑتا ہے تاکہ وہ صحت مندرہ سکیں۔ جیسا کہ جرمنی کے مشہور رسالے ”دی ہائف“ میں نامور جرمن فاضل اور مستشرق ”جوایم دی یولف“ نے اس حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

”اگر اہل یورپ میں اسلامی نماز کا رواج ہوتا تو ہمیں جسمانی ورزش کے لیے نئی نئی ورزشی حرکتیں ایجاد نہ کرنا پڑتیں۔“

(المصالح العقلیہ للا حکام العقلیہ، صفحہ 406)

اعلیٰ ترین علاج:

12: ایک پاکستانی ڈاکٹر ”ماجد زمان عثمانی“ یورپ میں ”فزیوتھراپی“ کی اعلیٰ ڈگری کے لیے گئے۔ جب وہاں ان کو بالکل نماز کی طرح ورزش پڑھائی اور سمجھائی گئی

تو یہ اس ورزش کو دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ہم نے آج تک نماز کو ایک دینی فریضہ سمجھا اور پڑھتے رہے لیکن یہاں تو عجیب و غریب انکشافات ہوتے ہیں کہ نماز جیسی ورزش کے ذریعے تو بڑے بڑے بڑے امراض ختم ہو جاتے ہیں۔“

ڈاکٹر صاحب نے ان بیماریوں کی فہرست دی کہ جو بیماریاں نماز کے ذریعے از خود سرانجام پانے والی ورزش سے درست ہو سکتی ہیں اور وہ حسب ذیل ہیں:

- 1: دماغی امراض (Mental Diseases)
- 2: اعصابی امراض (Nerve Diseases)
- 3: نفسیاتی امراض (Psychic Diseases)
- 4: بے سکونی، ڈیپریشن اور بے چینی کے امراض (Restlessness, Depression and Anxiety)
- 5: دل کے امراض (Heart Diseases)
- 6: جوڑوں کے امراض (Arthritis)
- 7: یورک ایسڈ سے پیدا ہونے والے امراض (Diseases due to Uric Acid)
- 8: معدے کا السر (Stomach Ulcer)
- 9: شوگر (Diabetes mellitus)
- 10: آنکھوں اور گلے وغیرہ کے امراض (Eye and E.N.T. Diseases)

(سنت نبوی اور جدید سائنس، جلد 1، صفحہ 43-44، از حکیم محمد طارق محمود چغتائی، ناشر ادارہ اسلامیات لاہور)

عوارضِ نفس:

- 13: نماز میں نفسیاتی عوارض مثلاً گناہ کا، خوف کا، احساس کمتری کا، مایوسی، بے چینی اور پریشانی وغیرہ کا بھی علاج ہے۔ جن کی تفصیل کو کتاب کی طوالت کے ڈر

سے چھوڑا جا رہا ہے۔

بہر حال نماز سے انسان کو ان گنت فوائد کے علاوہ جسمانی اور ذہنی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ آج اسلامی عبادات کی سائنسی توجیہات سامنے آرہی ہیں۔ نماز کا ہر رکن کسی نہ کسی طبی و نفسیاتی افادیت کا حامل ہے۔

ورزش اور نماز:

14: ”ارکان نماز کو فرداً فرداً تشریحی روشنی میں دیکھا جائے تو واضح ہوگا کہ ہر رکن نماز کی ادائیگی میں مخصوص عضلات و مفاصل میں تحریک پیدا ہوتی ہے اور مخصوص عضلات کی ورزش ہوتی ہے۔ علم تشریح (Physiology) کا یہ ایک کلیہ ہے کہ جب انسان کسی حرکت کا ارادہ کرتا ہے تو متعلقہ مراکز دماغ سے تحریک مخصوص اعصاب کے ذریعہ متعلقہ عضلات میں پہنچتی ہے اور عضلات حسب محل منقبض یا منبسط ہو کر افعال مطلوبہ سرانجام دیتے ہیں اور جب نمازوں کی ادائیگی کی صورت میں بار بار ارکان نماز کا اعادہ کیا جاتا ہے تو یہ صورت ایک ورزش بن جاتی ہے جس سے عضلات و مفاصل کی نشوونما اور طاقت بہتر ہوتی ہے۔ نیز جملہ ارکان نماز کی ادائیگی کی صورت میں جملہ اعضاء انسانی کی ورزش بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر ہو جاتی ہے۔ جس سے جسم انسانی کی تازگی اور طاقت بحال رہتی ہے اور جسمانی افعال طبعی معیار پر جاری رہتے ہیں۔

جامع عبادت:

15: نماز ایک بہترین اسلامی ورزش ہے، جو انسان کو ہر دم تازہ رکھتی ہے۔ سستی اور اضمحلال کو جسم میں بڑھنے نہیں دیتی مگر دوسرے مذاہب میں کوئی ایسی جامع عبادت نہیں ہے جس کی ادائیگی کی صورت میں جملہ اعضاء انسانی کی تحریک و طاقت بڑھے۔ یہ امتیاز نماز ہی کو حاصل ہے کہ یہ ایک نہایت جامع اسلامی ورزش بھی ہے جس کا اثر جملہ اعضاء انسانی پر مساوی ہوتا ہے اور جملہ اعضاء جسم

میں تحریک و طاقت پیدا ہوتی ہے اور صحت برقرار رہتی ہے۔“

(اسلامی اصول صحت، صفحہ 36، از محمد کمال الدین ہمدانی)

تحلیل موادِ روّیہ:

16: ”نماز..... نفس اور بدن دونوں کے لیے ریاضت ہے، اس لیے اس میں قیام و قعود، سجدہ و رکوع اور قعدہ کی مختلف حرکتیں ہوتی ہیں اور آدمی ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے، اس کی وضع بدلتی رہتی ہے اور نماز میں جسم کے اکثر جوڑ جنبش کرتے رہتے ہیں اور اسی کے ساتھ اکثر باطنی اعضاء مثلاً معدہ، آنتیں، آلاتِ تنفس اور قناتِ غذا، ان سب کی وضع حرکات میں تغیر آجاتا ہے پھر اس صورت میں کون سی بات مانع ہے کہ ان حرکات سے بعض اعضاء توانا اور بعض موادِ غیر ضروریہ تحلیل نہ ہو جائیں۔“

(طبِ نبوی، صفحہ 399، از ابن قیم الجوزیہ)

ارکانِ نماز کے طبی و سائنسی فوائد

اب ترتیب کے ساتھ نماز کے بعض ارکان کے طبی و سائنسی فوائد بیان کیے جاتے

ہیں۔

تکبیر تحریمہ:

”جب ہم ہاتھوں کو کانوں تک اٹھاتے ہیں تو بازوؤں، گردن کے پٹھوں اور شانے کے پٹھوں کی ورزش ہو جاتی ہے۔ دل کے مریض کے لیے ایسی ورزش بہت مفید ہے جبکہ یہ ورزش نمازی سے نماز پڑھتے ہوئے خود بخود ہو جاتی ہے اور یہ ورزش فالج کے خطرات سے محفوظ رکھتی ہے۔“

(سنتِ نبوی اور جدید سائنس، جلد 1، صفحہ 50، از حکیم محمد طارق محمود چغتائی، ناشر ادارہ اسلامیات لاہور)

”نیت باندھتے وقت کہنی کے سامنے کے عضلات (Flexors) اور

کندھے کے جوڑ کے عضلات استعمال ہوتے ہیں اور ان کی ورزش ہو جاتی ہے۔“

(اسلام اور طب جدید، از ڈاکٹر محمد عالمیہ خاں، صفحہ 5)

”دماغ میں کھربوں خلیے کام کرتے ہیں اور خلیوں میں برقی رو دوڑتی رہتی ہے۔ اس برقی رو کے ذریعے خیالات شعور اور تحت الشعور سے گزرتے رہتے ہیں۔ دماغ میں کھربوں خلیوں کی طرح خانے بھی ہوتے ہیں۔ دماغ کا ایک خانہ وہ ہے جس میں برقی رو فونوٹولیتی رہتی ہے اور تقسیم کرتی رہتی ہے۔ یہ فونوٹولیتی ہی زیادہ تار یک ہوتا ہے یا بہت زیادہ چمک دار۔ ایک خانہ ہے جس میں کچھ اہم باتیں ہوتی ہیں اور ان اہم باتوں میں وہ باتیں بھی ہوتی ہیں جنہیں شعور نے نظر انداز کر دیا ہوتا ہے اور جن کو ہم روحانی صلاحیت کا نام دے سکتے ہیں۔ نمازی جب ہاتھ اٹھا کر دونوں کانوں کی نو کے قریب لے جاتا ہے تو ایک مخصوص برقی رو یعنی نہایت باریک آگ اپنا کنڈنسٹر (Condensor) بنا کر دماغ میں جاتی ہے اور دماغ کے اندر اس خانے کے خلیوں (Cells) کو چارج کر دیتی ہے، جس کو شعور نے نظر انداز کر دیا تھا۔ یہ خلیے چارج ہوتے ہیں تو دماغ میں روشنی کا ایک جھماکا ہوتا ہے اور اس جھماکے سے تمام اعصاب متاثر ہو کر اس خانے کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں جس میں روحانی صلاحیتیں مخفی ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ہاتھ کے اندر ایک تیز رو دماغ میں سے منتقل ہو جاتی ہے۔“

(روحانی نماز، صفحہ 54-55، از خولجہ شمس الدین عظیمی، ناشر مکتبہ روحانی ڈائجسٹ، کراچی)

قیام:

قیام میں جسم بالکل بے حرکت اور ساکن ہو جاتا ہے۔ اس حالت سے بھی جسم انسانی پر بہت سارے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

”جب نمازی قرأت شروع کرتا ہے اور حضور نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق اتنی بلند آواز سے قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے کہ جس کو اس کے اپنے کان سن سکیں تو ان الفاظ قرآن کے انوارات پورے جسم میں سرایت کر جاتے ہیں جو کہ امراض کے دفعیے کے لیے اکسیر اعظم ہیں۔

قیام سے جسم کو سکون کی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔

نمازی چونکہ قیام کے دوران قرآن پاک کی تلاوت کر رہا ہوتا ہے، اس لیے اس کا جسم ایک نور کے حلقے میں مسلسل لپٹا رہتا ہے اور وہ جب تک اس حالت میں رہتا ہے تو اس وقت تک وہ نور جسے سائنسی زبان میں ”غیر مرئی شعاعیں“ (Invisible rays) کہتے ہیں اس کا احاطہ کئے ہوئے ہوتی ہیں۔

قیام میں نمازی جس حالت میں ہوتا ہے اگر ہم روزانہ پینتالیس (45) منٹ تک اس حالت میں کھڑے رہیں تو دماغ اور اعصاب میں زبردست قوت اور طاقت پیدا ہوتی ہے۔

قیام سے مؤخر دماغ (Pons) جس کا کام چال، ڈھال اور جسم انسانی کی رفتار کو کنٹرول کرنا ہوتا ہے، قوی ہو جاتا ہے اور انسان ایک ایسے خطرناک مرض سے بچا رہتا ہے جس سے آدمی اپنا توازن درست نہیں رکھ سکتا۔“

(سنت نبوی اور جدید سائنس، جلد 1، صفحہ 64-65، از حکیم محمد طارق محمود چغتائی، ناشر ادارہ اسلامیات لاہور)

ہاتھ باندھنا:

”ہاتھ باندھتے وقت کہنی کے آگے اور پیچھے والے پٹھے (Flexors) اور کلائی کو آگے اور پیچھے کھینچنے والے پٹھے (Flexors and Extensors) حصہ لیتے ہیں اور ان کی ورزش ہو جاتی ہے۔“

(اسلام اور طب جدید، از ڈاکٹر محمد عالمگیر خاں، صفحہ 7)

نماز میں بایاں ہاتھ نیچے باندھا جاتا ہے ورنہ ہاتھ سے اسے گرفت میں

لیا جاتا ہے۔ دراصل انسانی اعضاء کے دائیں اور بائیں اطراف کی کیفیات الگ الگ ہیں۔ دائیں حصے سے خاص طور پر دائیں ہاتھ سے غیر مرئی شعاعیں (Invisible rays) نکلتی ہیں جو کہ مثبت (Positive) ہوتی ہیں اور بائیں ہاتھ سے جو شعاعیں (Invisible rays) نکلتی ہیں وہ منفی (Negative) ہوتی ہیں۔ بہر حال دائیں ہاتھ کی مثبت شعاعیں (Positive rays) بائیں ہاتھ سے منتقل ہو کر طاقت، قوت اور تحریک کا باعث بنتی ہیں جس کی وجہ سے انسان معمولات زندگی میں متوازن رہتا ہے اور پریشان نہیں ہوتا۔

نماز میں عورت اور مرد ایک مقام پر ہاتھ نہیں باندھتے بلکہ مرد ناف کے نیچے اور عورت سینہ پر ہاتھ باندھتی ہے۔ اس سے بھی جسم انسانی کو بہت فوائد ملتے ہیں۔ مرد جب ناف یا اس کے نیچے ہاتھ باندھتا ہے تو دونوں ہاتھوں سے لہریں نکلتی ہیں جو کہ مثبت (Positive) اور منفی (Negative) ہوتی ہیں۔ اب ان لہروں کے امتزاج سے ایک خاص اثر پیدا ہوتا ہے جو ناف کے ذریعے نظام اعصاب تک پہنچتا ہے جس سے گردے اور غدہ فوق الکلیہ (Adrenal glands) قوی ہوتے ہیں جس سے جنسی قوت قوی اور محرک ہوتی ہے۔“

عورتیں نیت کے بعد جب سینہ پر ہاتھ باندھتی ہیں تو ان کے دل میں صحت بخش حرارت منتقل ہوتی ہے اور وہ غدو دانشو و نما پاتے ہیں جن پر بچوں کی غذا کا انحصار ہوتا ہے۔ نماز قائم کرنے والی ماؤں کے دودھ میں ایک خاص تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔ جدید سائنس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عورتیں جب سینے پر ہاتھ رکھ کر ایک خاص مراقبہ کرتی ہیں جس میں دنیا سے کٹ کر کسی پرسکون خیال میں کھو جاتی ہیں (جیسا کہ نماز میں ہوتا ہے) تو ایسی حالت میں ایک خاص قسم کی ریز (Rays) پیدا ہوتی ہیں جو بقول ڈاکٹر ڈارون ہلکے نیلے یا سفید رنگ کی ہوتی ہیں جو اس کے جسم میں داخل اور خارج ہوتی رہتی ہیں اور اس کے جسم میں قوت مدافعت (Imunity) کے بڑھنے سے وہ جسم

کبھی بھی خلیات کے سرطان میں مبتلا نہیں ہوتا۔“

(سنت نبوی اور جدید سائنس، جلد 1، صفحہ 65-66، از حکیم محمد طارق محمود چغتائی، ناشر ادارہ اسلامیات لاہور)

رکوع:

”گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر کمر کو جھکانے کی حالت کو رکوع کہتے ہیں۔ اس حرکت میں جسم کے تمام پٹھوں کی ورزش ہوتی ہے۔ اس میں کولہے کے جوڑ جھکاؤ (Flexion) میں ہوتے ہیں، کہنیاں سیدھی کھینچی ہوئی (Extended) ہوتی ہیں اور کلانی بھی سیدھی ہوتی ہے اور ان تمام کے پٹھے چست حالت میں رہتے ہیں جبکہ پیٹ اور کمر کے پٹھے جھکتے اور سیدھے ہوتے وقت کام کرتے ہیں، اس طرح رکوع سے جسم کے متعدد اعضاء کی ورزش ہو جاتی ہے۔“

(اسلام اور طب جدید، از ڈاکٹر محمد عالمگیر خاں، صفحہ 17)

”ڈاکٹر حضرات رکوع اور سجدہ کو گھٹنوں اور کمر درد کے مریضوں کا علاج قرار دیتے ہیں۔ رکوع سے حرام مغز (Spinalmarrow) کی کارکردگی میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ مریض جن کے اعضاء سن ہو جاتے ہیں وہ اس مرض سے بہت جلد افاقہ حاصل کر لیتے ہیں۔

”رکوع سے کمر درد کے مریض یا ایسے مریض جن کے حرام مغز میں ورم (Inflammation cord spinal cord) ہو گیا ہو وہ بہت جلد صحت یاب ہو جاتے ہیں۔

رکوع سے گردوں میں پتھری بننے کا عمل سُست پڑ جاتا ہے اور اس سے ٹانگوں کے فالج زدہ مریض چلنے پھرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔“

رکوع سے دماغ اور آنکھوں کی طرف دوران خون کے بہاؤ (Circulation of blood) کی وجہ سے دماغ اور آنکھوں کی کارکردگی میں اضافہ ہوتا ہے۔“

(سنت نبوی اور جدید سائنس، جلد 1، صفحہ 66-67، از حکیم محمد طارق محمود چغتائی، ناشر ادارہ اسلامیات لاہور)

سجدہ:

”سجدہ میں کوہے، گھٹنے، ٹخنے اور کہنیوں پر جھکاؤ (Flexion) ہوتا ہے، جبکہ ٹانگوں اور رانوں کے پیچھے کے پٹھے اور کمر و شکم کے پٹھے کھنچے ہوئے ہوتے ہیں اور کندھے کے جوڑے کے پٹھے اس کو باہر کی طرف کھینچتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ کلائی کے پیچھے کے عضلات بھی کھنچے ہوئے ہوتے ہیں۔

سجدے میں عورتوں کے لیے گھٹنوں کو چھاتی سے لگانا احسن ہے، یہ بچہ دانی کے پیچھے گرنے (Retroversion of uterus) کا بہترین علاج ہے۔

سجدے میں اور بھی بہت سے جسمانی فوائد مضمحل ہیں، دماغ کو خون کی بہت ضرورت ہوتی ہے کیونکہ یہ رئیس الاعضاء ہے مگر اس کا محل وقوع ایسا ہے کہ اس تک خون پہنچنا ذرا مشکل ہوتا ہے بالخصوص اس وقت جب شریانیں بھی تنگ ہوں۔ سجدہ دماغ کو خون کی فراہمی کے لیے نہایت ہی موزوں عمل ہے۔

”دماغ عام حالت میں بیشتر وقت دل کے پمپ سے اونچا رہتا ہے اس لیے دماغ میں خون کی سرایت قدرے مشکل ہوتی ہے مگر سجدے میں دماغ دل سے نیچے ہوتا ہے اس لیے اس حالت میں اس کو خون با آسانی اور با افراط پہنچتا ہے۔ سجدہ جتنا لمبا ہوگا اتنا ہی زیادہ خون دماغ کو پہنچے گا۔ چنانچہ نبی اکرم نے طویل سجدوں کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ بنا بریں جو لوگ نماز کے عادی ہوتے ہیں ان کی عقل و فہم، یادداشت اور نفسیاتی صحت لمبی عمر تک درست رہتی ہے۔ کسی عمر میں بھی خداوند کریم کے حضور میں خلوص دل سے کیے ہوئے لمبے سجدے روحانی، دماغی اور نفسیاتی صحت کے لیے مدد و معاون ہیں۔“

(اسلام اور طب جدید، از ڈاکٹر محمد عالمگیر خاں، صفحہ 7-8)

جرمن مستشرق ”جواکیم دی یولف“ کے مطابق ”سجدہ میں دونوں ہاتھوں اور دیگر اعضاء کو ایک کشش کے ساتھ پھیلا نا اور سمینا فریبی کی مضر توتوں کو دور کرتا ہے۔“

(المصالح العقلية للاحكام النقلية، صفحہ 406)

”نمازی آدمی کے چہرے پر تازگی رہتی ہے کیونکہ نماز اور سجدہ کی وجہ سے اس کی تمام شریانوں میں خون پہنچتا رہتا ہے۔ جو لوگ نماز نہیں پڑھتے ان کے چہرے پر ایک افسردگی سی پھیلی رہتی ہے۔“

(سنت نبوی اور جدید سائنس، جلد 1، صفحہ 68، از حکیم محمد طارق محمود چغتائی، ناشر ادارہ اسلامیات لاہور)

قعدہ:

”دو یا چار رکعت کے بعد جب ہم التحیات پڑھنے کے لیے بیٹھتے ہیں تو اس کو قعدہ کہتے ہیں۔ التحیات پڑھتے وقت جب کہ جسم بیٹھنے کی حالت میں ہوتا ہے، گھٹنے اور گولے پر جھکاؤ ہوتا ہے، منحنے اور پاؤں کے عضلات پیچھے کھینچے ہوئے ہوتے ہیں، کمر اور گردن کے پٹھے کھینچے ہوئے ہوتے ہیں، اس سے ان عضلات کی ہلکی پھلکی ورزش ہو جاتی ہے۔ ورزش کا یہ اصول ہے کہ سخت ورزش کے بعد کچھ دیر توقف کیا جاتا ہے اور لمبے لمبے سانس لیے جاتے ہیں یا نسبتاً ہلکی پھلکی ورزش کی جاتی ہے۔ نماز میں بھی رکوع اور سجدوں کے بعد قعدہ میں بیٹھنا اسی اصول کا بہترین مظہر ہے۔“

(اسلام اور طب جدید، از ڈاکٹر محمد عالمگیر خاں، صفحہ 8)

سلام پھیرنا:

نشر میڈیکل کالج ملتان کے ڈاکٹر قاضی عبد الواحد کے مطابق نمازی کو سلام پھیرنے کے لیے سردائیں بائیں کرنا پڑتا ہے اور ایسا کئی بار ایک نماز میں کرنا پڑتا ہے۔ ایسا کرنے والا امراض قلب (Heart Diseases) اور اس کی اندرونی پیچیدگیوں سے ہمیشہ بچا رہتا ہے اور بہت کم ان امراض میں مبتلا ہوتا ہے۔“

(سنت نبوی اور جدید سائنس، جلد 1، صفحہ 69، از حکیم محمد طارق محمود چغتائی، ناشر ادارہ اسلامیات لاہور)

”سلام پھیرتے وقت گردن کے دائیں اور بائیں طرف کے پٹھے کام کرتے ہیں۔ یہ گردن کی بہترین ورزش ہے جو نماز کی ادائیگی کے باعث خود بخود

ہو جاتی ہے۔“

(اسلام اور طب جدید، از ڈاکٹر محمد عالمگیر خاں، صفحہ 8)

اوقاتِ نماز اور جدید سائنس

اللہ تعالیٰ نے انسان کو حرکت کرنے والا جسم عطا فرمایا۔ لہذا اس کی صحت جسم کے متحرک رہنے (یعنی ورزش وغیرہ) سے قائم رہ سکتی ہے۔ پنجگانہ نماز انسان کو متحرک رکھتی ہے۔ وقفے وقفے سے نماز باجماعت کے لیے مسجد جانا پڑتا ہے۔ یہ ایک اعلیٰ قسم کی ورزش مانی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے صحت مندانہ تحریک کے طور پر پانچ وقت نماز کے لیے جانا لازم ٹھہرایا تاکہ انسان وقفے وقفے سے مختلف اوقات میں نماز کی ادائیگی کے لیے حرکت کرتا رہے اور اپنے خالق و مالک کے حضور اپنی عبدیت و بندگی پیش کرتا رہے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے پانچ وقت نماز کے لیے مسجد جانا اور نماز باجماعت ادا کرنا ضروری ٹھہرایا۔ ان اوقات کے مختلف ہونے میں بھی کئی سائنسی اور طبی فوائد پائے جاتے ہیں۔ ایک مسلمان نمازی پانچ اوقات میں یہ نمازیں ادا کرتا ہے اور اس کے علاوہ نماز تہجد بھی سنت رسول ﷺ ہے، جس کا وقت طلوع فجر سے پہلے ہے۔ اب ان نمازوں کے مختلف الاوقات ہونے کے سائنسی اور طبی فوائد بیان کیے جاتے ہیں۔ ان کی ترتیب کچھ یوں ہے:

- (1): تہجد
- (2): فجر
- (3): ظہر
- (4): عصر
- (5): مغرب
- (6): عشاء

وقت تہجد:

1: ماہرین کی طویل تحقیقات سے تہجد کی نماز کے ذریعے درج ذیل فوائد کا حصول ثابت ہے :

- (1): وقت تہجد میں نماز پڑھنا بے سکونی اور نیند کی کمی کا علاج ہے۔
- (2): نماز تہجد دل کے امراض کے لیے تریاقِ اعظم ہے۔
- (3): وقت تہجد میں نماز ادا کرنا اعصابی کھچاؤ اور جکڑاؤ کے لیے مفید ہے۔
- (4): دماغی امراض خاص طور پر پاگل پن کی خطرناک کیفیت کے لیے نماز تہجد آخری علاج ہے۔

- (5): وقت تہجد میں نماز پڑھنا نظر کی بیماریوں کا مکمل علاج ہے۔ نماز تہجد خاص طور پر ان لوگوں کا علاج ہے جن کو دو دو چیزیں نظر آتی ہوں۔
- (6): نماز تہجد انسانی جسم میں نشاط، فرحت اور غیر معمولی طاقت پیدا کرتی ہے جو نمازی کو سارا دن ہشاش بشاش رکھتی ہے۔

علاوہ ازیں یہ کہ تہجد کی نماز میں انسان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ انتہائی قرب نصیب ہوتا ہے۔ رات کو کچھ وقفہ نیند لینے کے بعد یا یوں سمجھیں کہ آدھی رات کے بعد صبح صادق سے پہلے پہلے تک نماز تہجد کا وقت ہوتا ہے۔ نمازی جب نماز تہجد کے لیے نیند سے بیدار ہوتا ہے تو اس وقت اس میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ اس کا شعور غیبی تحریکات اور غیر مرئی شعاعوں کو آسانی سے قبول کر لیتا ہے۔

اسی لیے صوفیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کہتے ہیں:

”جس ولی اللہ نے جو کچھ بھی حاصل کیا ہے وہ نماز تہجد کو پڑھ کر ہی حاصل کیا ہے۔ تہجد گزار کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص خلوت نصیب ہوتی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ سے حصول قرب و معرفت کی آخری سیڑھی نماز تہجد ہی ہے۔“

وقت فجر:

2: رات ختم ہوتی ہے تو طلوع فجر کے ساتھ ہی فجر کی نماز فرض کی گئی ہے جو بلکی سی ہے۔ طبیعت پر گراں بھی نہیں۔ رات بھر آرام کرنے کے بعد جبکہ معدہ بھی خالی ہوتا ہے، سخت محنت و ورزش نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے اور اس کو کرنے سے آدمی کی صحت خراب ہو سکتی ہے۔ لہذا بلکی اور مختصر نماز مقرر فرمائی گئی تاکہ انسان کو گراں بھی نہ گزرے اور اس کو نقصان بھی نہ ہو بلکہ ایک نمازی یہ چار رکعت کی نماز پڑھ کر فوائد سے مالا مال ہو سکے۔ فجر کی نماز کو پڑھ کر آدمی اپنے سست جسم کو پھر متحرک و فعال (Active) کر سکے، اس کے بعد دن کے دوران اپنے رزق و معاش کے حصول کے لیے کام کاج میں مصروف ہو سکے اور دماغ پھر سے سوچنے سمجھنے کے لیے تیار ہو سکے۔

صبح سویرے تازہ موسم اور روشنی میں انسان نماز کے لیے باہر نکلتا ہے اور پیدل چلتا ہوا مسجد جاتا ہے تو تازہ، مصفیٰ اور پرسکون ماحول سے لطف اندوز ہوتا ہے جو صحت کے لیے بہت مفید ہے۔

فجر کی نماز کے لیے نمازی کو اپنے جسم کی صفائی کرنی پڑتی ہے۔ وہ وضو کرتے ہوئے اپنے جسم کے اعضاء کو دھوتا ہے، دانت صاف کرتے ہوئے مسواک کرتا ہے جو صحت کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ اگر یہ نہ کرے تو منہ اور جسم پر جراثیم پلنے لگیں اور مختلف امراض کا سبب بن کر آدمی کو اپنی لپیٹ میں لے لیں۔ لہذا فجر کی نماز فرض ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ صحت و صفائی کا کام باقاعدہ ہوتا رہے۔

وقتِ ظہر:

3: دن شروع ہونے کے ساتھ ہی انسان کسبِ معاش میں لگ جاتا ہے۔ گرد و غبار اس کے جسم پر لگتے ہیں۔ بعض کیمیکلز ہاتھ پاؤں کو لگنے کا بھی امکان ہوتا ہے۔ غرضیکہ آدمی جراثیم سے آلودہ ہوا میں رہتا ہے تو اس کے جسم پر جراثیم حملہ کر دیتے ہیں، نیز دوپہر تک کام کرتے کرتے تھکاوٹ بھی محسوس ہونے لگتی

ہے، لہذا ایک نمازی ظہر کی نماز کے لیے وضو کرتے ہوئے پھر سے اپنے ہاتھ، منہ اور پاؤں وغیرہ کو دھوتا ہے جس سے امراض کا خدشہ باقی نہیں رہتا۔
تھکے ہوئے اجسام ظہر کی نماز پڑھتے ہوئے آرام اور سکون بھی محسوس کرتے ہیں اور پھر سے تازہ دم ہو جاتے ہیں جس سے تھکاوٹ دور ہو جاتی ہے۔ یہ فوائد ایک نمازی کو ظہر کی نماز کے وقت حاصل ہوتے ہیں۔

دوپہر تک سخت گرمی پڑنے کی وجہ سے جب سورج ڈھلنے لگتا ہے تو زمین سے زہریلی گیس خارج ہونے لگتی ہے۔ اگر وہ زہریلی گیسیں انسان کے جسم کو متاثر کر دیں تو وہ مختلف امراض کا شکار ہو جاتا ہے، اس کا دماغ متاثر ہو جاتا ہے اور وہ پاگل پن کا شکار بھی ہو سکتا ہے۔ لہذا وہ دوپہر کے وقت نماز ظہر پڑھنے کے لیے وضو کرتے ہوئے اپنے جسم کو پھر سے نئی تازگی اور سکون فراہم کرتا ہے۔ وضو سے وہ زہریلی گیسوں سے اپنے جسم کو بچا لیتا ہے اور کئی قسم کے جراثیموں کو اپنے جسم سے نکال باہر کرتا ہے۔ اس لیے عین ان گیسوں کے اٹھنے کے وقت کو یعنی سورج ڈھلنے کے وقت کو ظہر کا وقت قرار دیا گیا۔

وقتِ عصر:

4: اصحابِ علم و فکر اور اہل دانش جانتے ہیں کہ زمین دو طرح کی گردش کرتی ہے۔ یہ گردشیں درج ذیل ہیں:

(2) محوری

(1) طولانی

جب سورج ڈھلنے لگتا ہے تو زمین کی گردش میں کمی ہونے لگتی ہے حتیٰ کہ عصر کے وقت گردش میں بہت زیادہ کمی آ جاتی ہے۔ اس وجہ سے انسان کے دن کے حواس پر رات کے حواس کا غلبہ ہونے لگتا ہے، طبیعت میں تکان اور اضمحلال واقع ہونے لگتا ہے۔ اسی نمازِ عصر کے وقت میں انسان کے شعورنی حواس پر لاشعوری حواس کی گرفت ہونے لگتی ہے جس کی وجہ سے آدمی خود کو نڈھال سا محسوس کرنے لگتا ہے۔

ایک نمازی عصر کی نماز کے لیے وضو کر کے اپنے آپ کو ان آفات کی گرفت سے

محفوظ کر لیتا ہے اور اپنے خالق و مالک کی عبادت میں لگ جاتا ہے، جس سے طبیعت زیادہ مضحمل نہیں ہوتی اور لاشعوری حواس کی گرفت کو برداشت کرنے کے قابل ہو جاتی ہے۔

نماز میں نورانی شعاعیں نمازی کو سکون بخشی ہیں جس کی وجہ سے وہ روح کے قریب ہو جاتا ہے اور نمازِ عصر ادا کر کے روحانی تحریکات کو قبول کرنے لگتا ہے۔

وقتِ مغرب:

5: انسان سارا دن محنت و مشقت میں گزارتا ہے اور اپنے لیے اور اہل و عیال کے لیے روزی کما کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس نے اس کو کسبِ معاش میں قوت عطا فرمائی۔ وہ کیف و سرور میں ہوتا ہے جس سے دل بھی ایک خاص قسم کا سرور محسوس کرتا ہے۔

وقتِ مغرب میں وہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر اپنی عبدیت کا اظہار کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور نورانی لہروں سے بہرہ مند ہوتا ہے جو اس کی روح کو تسکین دیتی ہیں۔ ان نورانی غیر مرئی لہروں کا اثر اس کے بچوں پر بھی ہوتا ہے کہ وہ مؤدب و سعادت مند بنتے ہیں۔ جو مسلمان نمازِ مغرب درست طور پر باقاعدہ ادا کرتے ہیں ان کی اولاد اپنے والدین کی مؤدب ہوتی ہے، ایسے نمازیوں کے بچے سعادت مند ہوتے ہیں اور ان کے گھر کا ماحول بھی شائستہ و خوشگوار ہوتا ہے۔

وقتِ عشاء:

6: انسان طبعی طور پر لالچی ہے۔ جب وہ کاروبار سے فارغ ہو کر گھر آتا ہے تو کھانا کھاتا ہے اور لذت و حرص میں کھانا زیادہ کھا لیتا ہے۔ اگر وہ کھانے کے بعد لیٹ جائے تو وہ مہلک بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔

انسان اگر سارے دن کی تھکاوٹ اور زیادہ کھا لینے کے بعد فوراً ہی لیٹ جائے تو وہ بے سکون ہی رہے گا۔ سونے سے پہلے اور زیادہ کھانا کھانے کے بعد تھوڑی بہت

ورزش کر لینا صحت کے لیے فائدہ مند ہے۔

بس دن کے تھکے ماندے اور زیادہ کھالینے والے حریص انسان کے لیے عشاء کی نماز کسی ورزش سے کم نہیں۔ نمازِ عشاء سے کیف و سرور اور سکون میسر ہوگا اور ساتھ ہی نظامِ نماز کے ذریعے کھانا بھی ہضم کے مراحل میں داخل ہو جائے گا۔

اس طرح عشاء کی طویل نماز کو پڑھ کر سونے والا آدمی ساری رات سکون اور آرام کی نیند سوائے گا اور اس کا کھانا بھی ہضم ہو جائے گا۔ اب تو ماہرین طب بھی سونے سے پہلے ہلکی پھلکی ورزش پر زور دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ورزش کئی اقسام کی مضر بیماریوں سے بچاتی ہے۔ محققین کا یہ بھی کہنا ہے کہ سونے سے پہلے نماز سے بہتر کوئی ورزش نہیں۔

نماز اور محققین

حرفِ آخر یہ کہ نماز جہاں روحانیت میں ترقی کا باعث ہے، وہاں جسمانی ورزش بھی ہے۔ چنانچہ دیگر محققین کی آراء بھی کو ملاحظہ فرمائیں:

”ریوران لیبان“:

1: یورپی فلاسفر ”ریوران لیبان“ فضائل نماز کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

”میں نے کئی مرتبہ مسیحی اور اسرائیلی نماز کا اسلامی نماز کے ساتھ موازنہ کیا، بالآخر ثابت ہوا کہ اسلامی نماز افضل ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایک اسلامی نماز کئی نمازوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں حمدِ خدا بھی ہے اور تقدیس و تحمید کے علاوہ ایک عاجزانہ التجا بھی۔ اسلامی نماز میں ایک اور خاصیت ہے اور وہ یہ کہ اس میں جہاں تلاوتِ قرآن، رکوع و سجود اور تشہد ہے وہاں انکساری و فروتنی کا عجیب روح پرور نظارہ بھی ہے۔“

میں اکثر جمعہ کے دن اسکندریہ کی جامع مسجد میں محض اسلامی نماز کی شان دیکھنے جایا کرتا تھا۔ میں نے جب خطیب کے پر جوش خطبہ، صفوف کی ترتیب اور رکوع و سجود کے اہتمام پر غور کیا تو میرے قلب پر عجیب اثر ہوا جو ناقابل بیان ہے، میں سمجھتا تھا کہ اسلام مجھے آواز دے رہا ہے اور اس کی عبادت کا پر کیف نظارہ میری روح پر قبضہ کر رہا ہے۔“
(دی لیچر آف رمپچر: صفحہ 47)

”ریون جیمس مولر“:

2: عیسائیوں کا مذہبی رہنما ”ریون جیمس مولر“ کہتا ہے:
”تعصب سے کام لینا آسان ہے مگر سچ بولنا دشوار ہے اور میں اس وقت اس مشکل کام (سچ بولنے) کو اختیار کرتا ہوں۔ میں نے بارہا اپنے محمدی احباب (مسلمانوں) سے گفتگو کی ہے اور ان کے عقائد کی تفصیلات میں مشغول رہا ہوں۔ چودہ صدیوں سے بھی زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود یہ مسلمان اپنے پیغمبر علیہ السلام کے محبت اور اطاعت گزار ہیں اور یہ ان سے نسبت رکھنے والی ہر چیز کو محبوب رکھتے ہیں۔ مسیحی دنیا کے لیے مسلمانوں کی اس محبت اور خلوص میں ایک سبق پوشیدہ ہے۔“

اسلامی آبادی کا ایک بیشتر حصہ ایک اہم عبادت کا پابند ہے جس کا نام نماز ہے۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ نماز برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے، بظاہر یہ عقیدہ درست نہیں کیونکہ نمازی بھی برائیوں کی طرف مائل نظر آتے ہیں لیکن تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ وہ شخص جو دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھتا ہے یعنی ایک ایک ماہ میں ایک سو پچاس مرتبہ اپنے خدائے بزرگ و برتر سے پرہیزگاری اور گناہوں سے بیزاری کا عہد کرتا ہے، بالآخر ایک دن وہ اپنے عہد میں کامل ہو جاتا ہے یعنی وہ واقعی پرہیزگار بن جاتا ہے۔“

”سینٹ ہٹلر“:

3: ”سینٹ ہٹلر“ روما کا مشہور پادری اپنی کتاب "The Pray" (دی پری) میں لکھتا ہے:

”مسٹر ایم کینگ“:

5: ”مسٹر ایم کینگ“ رقمطراز ہیں :

”انسان فطرتاً اس بات کا عادی ہے کہ جب دنیاوی کاموں اور مجلسی تفریحوں میں مشغول ہو جاتا ہے تو اس کو اصلاحِ نفس کا خیال ہی نہیں رہتا اور بعض تفریحوں کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان اپنے پیدا کرنے والے کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے۔ ان حالات میں جب میں (مسٹر ایم کینگ) اس بات پر غور کرتا ہوں کہ اسلام نے اپنے وفاداروں پر دن اور رات میں پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے اور ان کو مجبور کیا ہے کہ وہ ہر حال میں اپنا فرض ادا کریں تو مجھے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ نماز ایک بہترین ذریعہ ہدایت ہے۔

جب سچے عقیدہ کا آدمی (مسلمان) ہر طرف سے بے نیاز ہو کر خلوص و محبت کے ساتھ اپنے خالق و مالک کو یاد کرتا ہے، اس کی تسبیح و تقدیس کر کے اس کی خوشنودی چاہتا ہے اور اس قادر و قدوس سے استعانت طلب کرتا ہے تو یقیناً اس کی روح ایک پاکیزہ حالت میں پہنچ جاتی ہے اور اس کے دل و دماغ سے نفس پرستی کا خبط دور ہو جاتا ہے۔

میں نے اعلیٰ پوزیشن کے مسلمانوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے اثر و اقدار کے لحاظ سے ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں اور کم حیثیت آدمی ان سے بات کرنے کی بھی جرأت نہیں رکھتے۔ لیکن جب نماز کا وقت آتا ہے تو ایک عظیم الشان آدمی بے تابانہ مسجد میں داخل ہو جاتا ہے اور اپنے غیر معروف بھائیوں کے ساتھ مل کر، امام کی اقتداء میں فریضہ نماز ادا کرتا ہے۔ اس نظارے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس عبادت میں سادگی و فروتنی کا سبق موجود ہے اور اس میں مساوات کی شان نظر آتی ہے۔

مساوات کا عظیم الشان واقعہ یہ ہے کہ اسلامی رسولؐ (محمد رسول اللہ ﷺ) نے عجیب انداز میں امیر و غریب اور ادنیٰ و اعلیٰ کو ایک صف میں جمع کیا ہے اور مناسب

کردیں تو وہی غالب ہوں جیسا کہ ان کے قرآن نے کہا ہے۔ نماز جسم اور معاشرے کی اصلاح کا بہترین جاپ اور چہن (طریقہ اور قاعدہ و قانون) ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ بھی خوش اور مخلوق بھی راضی۔“

ماہر انگریز:

9: ایک مسلمان یورپ میں نماز ادا کر رہا تھا جبکہ ایک انگریز شخص کھڑا ہو کر اسے دیکھتا رہا۔ جب اس نے نماز مکمل کر لی تو اس انگریز نے پوچھا!

”تم نے کون سی کتاب سے یہ طریقہ ورزش سیکھا ہے؟ میں نے بھی اپنی کتاب میں ورزش کا یہی طریقہ بتایا ہے اور اس طریقے سے ورزش کرنے والا شخص طویل، پیچیدہ اور سخت تکلیف دہ امراض سے ہمیشہ بچا رہتا ہے۔ اگر کھڑا آدمی ورزش کرتے ہوئے سیدھا نیچے سجدے میں چلا جائے تو اس سے اعصاب اور دل پر برا اثر پڑتا ہے۔ لہذا تم نے جیسا (رکوع) کیا میں نے بھی اپنی کتاب میں ایسے ہی لکھا ہے۔ اور میں نے یہ بھی لکھا ہے کہ پہلے کھڑے ہو کر ورزش کریں۔ اس میں ہاتھ باندھ کر رکھیں۔ پھر (رکوع کی طرح) جھکیں اور ہاتھوں اور کمر کی ورزش کریں۔ پھر اس کے بعد سر زمین پر رکھ کر ورزش کریں۔ ایسی ورزش صرف ماہرین ہی کے بس کی بات ہے دیگر لوگ اس کی خوبی کو نہیں جانتے۔ تم نے یہ ورزش کیسے اور کس کے کہنے پر کی؟“

وہ مسلمان کہنے لگا:

”میں مسلمان ہوں۔ ہمارے دین میں یہ حکم ہے کہ ہم ایسا کریں۔ میں نے آپ کی کتاب کو دیکھا تک نہیں۔ ہم مسلمان تو آج سے چودہ سو سال سے بھی زیادہ عرصہ سے اپنے نبی کریم ﷺ کے بتانے سے یہ عمل ہر روز باقاعدہ پانچ مرتبہ کرتے ہیں۔“

انگریزیہ بات سن کر حیرت زدہ رہ گیا اور اس مسلمان سے مزید معلومات حاصل کرنے لگا۔

ماہر امراضِ دل:

10: ایک پاکستانی شخص جو دل کی بیماری میں مبتلا تھا علاج کے لیے آسٹریلیا گیا۔ وہاں ایک بڑے مشہور ماہرِ امراضِ دل نے اس کا معائنہ کر کے چند دوائیاں تجویز کیں اور ساتھ ہی آٹھ دن کے لیے اسے اپنے فزیو وارڈ میں مخصوص انداز میں ڈاکٹر کی موجودگی میں ورزش کرنے کی ہدایت کی۔ وہ ورزش خشوع و خضوع کے ساتھ نماز کی مانند تھی۔ مریض درست طور پر ورزش کرنے لگا تو ڈاکٹر نے کہا: ”آپ پہلے مریض ہیں جو اتنی جلدی یہ ورزش درست طور پر کرنے لگے ہیں۔ ورنہ! یہاں تو آٹھ دن میں مریض صرف ورزش کا طریقہ ہی سیکھ پاتے ہیں۔“

مسلمان مریض نے کہا:

”میں مسلمان ہوں اور یہ طریقہ بالکل ہماری نماز کی طرح ہی ہے۔“

یہ بات سن کر ڈاکٹر نے آٹھ دن کی بجائے دوسرے ہی دن اس مسلمان مریض کو کچھ ادویات دے کر اور اسی ورزش کی ہدایت کر کے رخصت کر دیا۔

ڈاکٹر سید محمد کمال الدین ہمدانی:

11: ڈاکٹر و حکیم سید محمد کمال الدین حسین ہمدانی (پی ایچ ڈی، صدر شعبہ طب و جراحات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) اپنی تصنیف ”اسلامی اصولِ صحت“ میں لکھتے ہیں۔!

”اگر انسان پابندِ نماز بن جائے تو اس کے جسم کے لیے یہ ایک ورزش ثابت ہوگی جس سے جملہ اعضاءِ انسانی کی نشوونما بہتر ہوگی اور اس کی قوت بڑھے گی۔ اس کے علاوہ نظامِ تنفس، نظامِ دورانِ خون اور نظامِ ہضم پر بھی

بہتر اثرات مرتب ہوں گے اور انسان مدت العمر امراض و آفات جسمانی سے محفوظ رہے گا۔“

(اسلامی اصولِ صحت، صفحہ 35-36، از ڈاکٹر و حکیم سید محمد کمال الدین ہمدانی، ناشرتی علی الفلاح سوسائٹی علی کڑھ بھارت)

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:

”نماز ایک بہترین اسلامی ورزش ہے جو انسان کو ہر دم تازہ دم رکھتی ہے، سُستی اور اضمحلال کو جسم میں بڑھنے نہیں دیتی۔ دیگر مذاہب میں کوئی ایسی جامع عبادت نہیں ہے جس کی ادائیگی کی صورت میں جملہ اعضاء انسان کی تحریک و طاقت بڑھے۔ یہ امتیاز نماز ہی کو حاصل ہے کہ یہ ایک نہایت جامع اسلامی ورزش بھی ہے جس کا اثر جملہ اعضاء انسانی پر مساوی ہوتا ہے اور جملہ اعضاء جسم میں تحریک و طاقت پیدا ہوتی ہے اور صحت برقرار رہتی ہے۔“

(اسلامی اصولِ صحت، صفحہ 36، از ڈاکٹر و حکیم سید محمد کمال الدین ہمدانی، ناشرتی علی الفلاح سوسائٹی علی کڑھ بھارت)

اہل مغرب نے اس حقیقت کا اعتراف بھی کیا ہے کہ اسلامی نماز جیسی کوئی ورزش نہ کرنے کی وجہ سے انہیں مختلف ورزشوں کا سہارا لینا پڑتا ہے تاکہ وہ صحت مند رہ سکیں۔ جیسا کہ جرمنی کے مشہور رسالے ”دی ہائف“ میں نامور جرمن فاضل اور مستشرق ”جواکیم دی یولف“ نے اس حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔!

”اگر اہل یورپ میں اسلامی نماز کا رواج ہوتا تو ہمیں جسمانی ورزش کے لیے نئی نئی ورزشی حرکتیں ایجاد نہ کرنا پڑتیں۔“

(المصالح العقلیہ لہذا کام التقلید، صفحہ 406)

سید محمد کمال الدین ہمدانی لکھتے ہیں:

”جب نمازوں کی ادائیگی کی صورت میں بار بار ارکان نماز کا اعادہ کیا جاتا ہے تو یہ صورت ایک ورزش بن جاتی ہے جس سے عضلات و مفاصل کی نشوونما اور طاقت بہتر ہوتی ہے۔ نیز جملہ ارکان نماز کی ادائیگی کی صورت میں جملہ

اعضاء انسانی کی ورزش بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر ہو جاتی ہے۔ جس سے جسم انسان کی تازگی اور طاقت بحال رہتی ہے اور جسمانی افعال طبعی معیار پر جاری رہتے ہیں۔“

(اسلامی اصولِ صحت، صفحہ 36، از ڈاکٹر و حکیم سید محمد کمال الدین ہمدانی، ناشر حی علی الفلاح سوسائٹی علی گڑھ بھارت)

ڈاکٹر ماجد زمان عثمانی:

12: ڈاکٹر ماجد زمان عثمانی یورپ میں فزیوتھراپی کی اعلیٰ ڈگری کے لیے گئے۔ جب وہاں ان کو بالکل نماز کی طرح ورزش پڑھائی اور سمجھائی گئی تو یہ اس ورزش کو دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ہم نے آج تک نماز کو ایک دینی فریضہ سمجھا اور پڑھتے رہے لیکن یہاں تو عجیب و غریب انکشافات ہوتے ہیں کہ نماز جیسی ورزش کے ذریعے تو بڑے بڑے امراض ختم ہو جاتے ہیں۔“

(سنت نبویٰ اور جدید سائنس، جلد 1، صفحہ 43-44، از حکیم محمد طارق محمود چغتائی، ناشر ادارہ اسلامیات لاہور)

حکیم محمد طارق محمود چغتائی:

13: ”نماز کی ورزشیں جہاں بیرونی اعضاء کی خوشنمائی و خوبصورتی کا ذریعہ ہیں وہاں اندرونی اعضاء مثلاً دل، گردے، جگر، پھیپھڑے، دماغ، آنتیں، معدہ، ریڑھ کی ہڈی، گردن، سینہ اور تمام قسم کے گلینڈز (Glands) کی نشوونما کرتی ہیں بلکہ جسم کو سڈول اور خوبصورت بناتی ہیں۔“

(سنت نبویٰ اور جدید سائنس، جلد 1، صفحہ 40، از حکیم محمد طارق محمود چغتائی، ناشر ادارہ اسلامیات لاہور)

طب اور جدید سائنس سے ثابت ہوا کہ استنجا، مسواک، وضو اور نماز ایسی عبادات ہیں کہ ان کے ذریعے جسم و روح دونوں کی حفاظت کی جاسکتی ہے اور اپنے جسم کو مختلف الاقسام بیماریوں سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں دینِ کامل پر کامل عمل کرنے کی توفیق واثق عطا فرمائے۔ آمین

باب : ۱

اوقاتِ نماز کے بیان میں

ابتدائیہ

اوقات نماز اور فقہاء کرام

پہلا باب نماز کے اوقات کے بیان میں ہے۔ امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں پہلے تو نمازوں کے اول و آخر وقت کا تعین کیا ہے اور پھر نمازوں کے مستحب اوقات بیان کیے ہیں۔

اوقات نماز کے بارے میں یہ جان لینا چاہیے کہ فجر کی نماز کے ابتدائی وقت اور آخری وقت میں کوئی فقہی اختلاف نہیں، صرف افضل وقت کے بارے میں اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک نماز فجر کا مستحب وقت وہ ہے جب روشنی اچھی طرح پھیل جائے، لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک افضل وقت یہ ہے کہ طلوع فجر کے فوراً بعد جب اندھیرا بھی موجود ہو نماز شروع کر دی جائے۔

نماز ظہر کے اول وقت میں کوئی اختلاف نہیں البتہ اس کے آخر وقت میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز ظہر کا آخر وقت تب ختم ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایہ (زوال کے سائے کو چھوڑ کر) اس چیز کی اپنی لمبائی سے دوگنا ہو جائے۔ اسی اختلاف کی بناء پر عصر کے وقت کی ابتداء میں اختلاف ہے لیکن آخر وقت میں کوئی اختلاف نہیں یعنی غروب آفتاب اس کا آخری وقت ہے۔

مغرب کی ابتداء غروب آفتاب سے ہوتی ہے اور وقت کا اختتام، شفق کے غائب ہونے پر ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شفق اس سفیدی کو کہتے ہیں جو سرخی کے بعد افق پر نمودار ہوتی ہے، لیکن صاحبین اس شفق سرخی کو کہتے ہیں جو سورج کے

غروب کے وقت آسمان کے مغربی کنارے پر ظاہر ہوتی ہے اور اسی وجہ سے عشاء کے ابتدائی وقت میں اختلاف ہے لیکن آخر وقت میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ طلوع صبح تک رہتا ہے۔ البتہ عشاء کی نماز کو تہائی رات تک پڑھنا افضل ہے۔

غرض یہ کہ نماز کے اوقات اور اس کی کیفیت کے بارے میں فقہاء کے نزدیک کوئی بڑا اختلاف موجود نہیں۔ اختلاف صرف افضلیت کے بارے میں ہے۔ بعض فقہاء کے نزدیک ایک کیفیت افضل ہے تو بعض کے نزدیک دوسری، لیکن جواز کے بارے میں دونوں متفق ہیں۔

اس باب کی چار فصول ہیں:

- 1: وقت نماز فجر
- 2: وقت نماز ظہر و عصر
- 3: وقت نماز مغرب و عشاء و وتر
- 4: نمازوں کے مستحب اوقات



وقت نماز فجر

”اول وقت الفجر اذا طلع الفجر الثاني وهو البياض المعترض في الافق و آخر وقتها ما لم تطلع الشمس۔“
 ”فجر کا اول وقت تب شروع ہوتا ہے جب فجر ثانی طلوع ہو اور وہ (فجر ثانی) افق پر نمودار ہونے والی اور پھیلنے والی سفیدی ہے اور فجر کا آخری وقت طلوع آفتاب ہے۔“

مفردات:

طلع: ابھرا ہوا۔ طلوع ہوا۔ نمودار ہوا۔

البياض: سفیدی

المعترض: پھیلنے والا

الافق: آسمان کا کنارہ۔ اس کی جمع آفاق ہے۔

مسائل و دلائل

وقت نماز فجر:

☆: ”فجر کا اول وقت تب شروع ہوتا ہے جب فجر ثانی طلوع ہو اور وہ (فجر ثانی) افق پر نمودار ہونے والی اور پھیلنے والی سفیدی ہے اور فجر کا آخری وقت طلوع آفتاب ہے۔“

نماز فجر کا ابتدائی وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور اسے فجر ثانی کہا گیا ہے

- صبح دو قسم کی ہوتی ہے:

1: صبح صادق

2: صبح کاذب

صبح کاذب: روشنی کی وہ سیدھی لکیر ہوتی ہے جو نور کے مینار کی صورت شرقاً غرباً آسمان میں ظاہر ہوتی ہے لیکن جلد ہی ختم ہو جاتی ہے اور پھر اندھیرا چھا جاتا ہے۔ حدیث نبویؐ میں اس کو ”ذنب السرخان“ یعنی بھیڑیے کی دم سے تعبیر کیا گیا ہے۔

صبح صادق: اس روشنی کو کہا جاتا ہے جو مشرقی افق پر شمالاً جنوباً نور کی ایک چادر کی مانند نمودار ہوتی ہے۔ یہ روشنی پھیلتی جاتی ہے اور اندھیرا مغرب کی طرف سمٹتا جاتا ہے یہاں تک کہ تمام کائنات منور ہو جاتی ہے۔

نماز فجر کا ابتدائی وقت اسی صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور اس کا آخری وقت وہ ہے جب تک سورج طلوع نہ ہو۔ جب سورج کا کنارہ افق پر نمودار ہو جائے تو نماز فجر کا وقت ختم ہو چکا ہوتا ہے۔



وقت نمازِ ظہر و عصر

”واول وقت الظهر اذا زالت الشمس و آخر وقتها عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى اذا صار ظل كل شيء مثليه سوى في الزوال وقال ابو يوسف و محمد رحمهما الله اذا صار ظل كل شيء مثله و اول وقت العصر اذا خرج وقت الظهر على القولين و آخر وقتها ما لم تغرب الشمس۔“

”اور اول وقت ظہر کا شروع ہو جاتا ہے جب سورج زائل (ڈھل) جائے اور ظہر کا آخر وقت امام ابوحنیفہ کے نزدیک (اس وقت تک) ہوتا ہے جب تک ہر چیز کا سایہ اس کی لمبائی سے دوگنا ہو جائے یعنی اصلی سایہ کے علاوہ۔ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے کہا ہے کہ جب ہر چیز کا سایہ اس کی لمبائی کے سایہ کے برابر ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ عصر کا وقت (تب شروع ہوتا ہے) جب دونوں قولوں کے مطابق ظہر کا وقت نکل جائے اور اس کا آخری وقت تب تک رہتا ہے جب تک سورج غروب نہ ہو جائے۔“

مفردات:

ذالت: زوال پذیر ہوا۔ ڈھل گیا۔ صیغہ واحد مونث فعل ماضی مطلق مثبت معروف از ثلثاتی مجرد

ظل: سایہ

فی: زوال: کسی چیز کا اصلی سایہ۔ سورج ڈھلنے سے پہلے عین دوپہر کے وقت ہر چیز کا ایک سایہ ہوتا ہے۔ جغرافیائی محل وقوع اور موسموں کے مختلف ہونے سے یہ سایہ مختلف ہوتا رہتا ہے اس سائے کی عین دوپہر کے وقت پیمائش کر لی جائے اور کسی چیز کے سائے سے منہا کر لیا جائے تو جو باقی رہ جاتا ہے اس کو اس چیز کا صحیح سایہ جس کو "ظل کل شی" کہا گیا ہے۔

لم تغرب: غروب نہ ہوا۔

دلائل و مسائل

نماز ظہر کا وقت:

☆: ”اور اول وقت ظہر کا شروع ہو جاتا ہے جب سورج زائل (ڈھل) ہو جائے اور ظہر کا آخر وقت امام ابوحنیفہ کے نزدیک (اس وقت تک) ہوتا ہے جب تک ہر چیز کا سایہ اس کی لمبائی سے دوگنا ہو جائے سوائے اصلی سایہ کے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے کہا ہے کہ جب ہر چیز کا سایہ اس کی لمبائی کے سایہ کے برابر ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔“

نماز ظہر کے وقت کی ابتداء میں کسی قسم کا اختلاف نہیں اور تمام ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ جب سورج مغرب کی سمت ذرا سا ڈھل جائے (اس کی علامت یہ ہے کہ دیواروں کا سایہ مشرق کی طرف جوتے کے تسمے کے برابر نکل آئے) تو ظہر کی نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ البتہ ظہر کے وقت کی انتہا کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے دونوں شاگردوں (امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ جن کو صاحبین کہا جاتا ہے) کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ جب ہر چیز کا سایہ ”فی: زوال“ کو منہا کر کے اس سے دوگنا

ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور عصر کا وقت شروع ہوتا ہے جبکہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہا فرماتے ہیں کہ ہر چیز کا سایہ اس کے اصلی سایے کو چھوڑ کر اس کی ایک مثل ہو جائے (جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے) تو ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

صاحبین کی دلیل امامت جبرائیل علیہ السلام کی حدیث ہے کہ جبریل علیہ السلام کی امامت میں رسول اللہ ﷺ نے دوسرے دن جو نماز پڑھی تھی اُس میں واضح طور پر مذکور ہے کہ جب ہر چیز کا سایہ اُس کے مثل یعنی برابر ہو گیا تو اس وقت ظہر کی نماز کا آخری وقت جبریل علیہ السلام نے بیان کیا۔

نماز پنجگانہ کے ابتدائی اوقات اور آخری اوقات کے بارے میں واضح راہنمائی ہمیں حدیث امامت جبریل علیہ السلام سے ملتی ہے جس کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ حدیث یہ ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”میں نے بیت اللہ کے قریب جبریل علیہ السلام کی امامت میں دو مرتبہ نماز پڑھی۔ پہلی دفعہ ظہر کی نماز اس وقت پڑھی جب سورج ڈھل گیا اور سایہ جوتے کے تسمے کے برابر ہو گیا۔ عصر کی نماز اس وقت پڑھی جب ہر چیز کا سایہ اُس کے برابر ہو گیا۔ غروب آفتاب کے بعد روزہ داروں نے روزہ افطار کیا تو اس وقت مغرب کی نماز پڑھی۔ عشاء کی نماز اس وقت پڑھی جب شفق غائب ہو گئی۔ نماز فجر اس وقت پڑھی جب روزہ داروں نے کھانا پینا بند کر دیا لیکن دوسرے روز نماز ظہر اس وقت ادا کی جب ہر چیز کا سایہ اس سے دوگنا ہو گیا۔ یہ وہی وقت تھا جب پہلے دن ہم نے نماز عصر ادا کی تھی۔ مغرب کی نماز اسی وقت ادا کی جس وقت میں پہلے دن ادا کی تھی۔ عشاء کی نماز ایک تہائی رات گزرنے پر ادا کی۔ نماز فجر اس وقت پڑھی جب روشنی خوب پھیل گئی۔ پھر

جبریل علیہ السلام نے میری طرف متوجہ ہو کر کہا:

”اے محمد! پہلے انبیاء بھی انہی اوقات میں نماز ادا کرتے تھے اور نماز کا افضل

وقت وہ ہے جو ان دونوں کے درمیان ہے۔“

(سنن ابی داؤد) (سنن ترمذی) (مشکوٰۃ المصابیح، باب المواقیب)

نماز ظہر کے آخری وقت کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول صاحبین کے قول کے مطابق بھی نقل کیا گیا ہے، لہذا کوئی تضاد نہ رہا۔ ویسے بھی علمائے احناف کے نزدیک فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

فی الزوال یعنی سایہ زوال یا سایہ اصلی۔ ہر چیز کا ایک اصلی اور حقیقی سایہ بھی ہوا کرتا ہے اور یہ سایہ وہ ہوتا ہے جو عین سورج کے نصف النہار کے وقت ہر چیز کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ سایہ خط استواء سے دور ممالک میں زیادہ بڑا اور قریب کے ممالک میں چھوٹا ہوتا ہے۔ ظہر اور عصر کی نمازوں کا وقت معلوم کرنے کے لیے ہر چیز کا اصلی سایہ اس سے منہا کر لیا جانا چاہئے۔

وقت عصر:

نماز عصر کے شروع وقت کے بارے میں بھی وہی اختلاف ہے جو ظہر کے اختتام کے بارے میں ہے یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب ہر چیز کا سایہ اصلی سایہ کے علاوہ دوچند ہو جائے تو عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے مسلک کے مطابق جب ہر چیز کا سایہ علاوہ اصلی سایہ کے جب ایک مثل ہو جائے تو عصر کے وقت کی ابتداء ہو جاتی ہے۔

عصر کے وقت کی انتہا غروب آفتاب تک ہے۔ چنانچہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح مسلم میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”من ادرك ركعة في العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرك

صلوة العصر۔“

”جس نے سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت بھی پالی تو اس نے نماز عصر پالی۔“

اس صحیح حدیث سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ عصر کو غروب آفتاب تک پڑھا جاسکتا ہے۔ اگر عصر کی نماز ادا کرنے کے سے پہلے سورج غروب ہو چکا تھا مثلاً ایک رکعت رہتی تھی تین ادا ہو چکی تھیں لیکن سورج غروب ہو گیا تو نماز عصر کا فرض ادا ہو گیا اور اس کا اعادہ واجب ہو گیا کہ اصل میں وہ ساری اپنے وقت میں ادا نہیں ہوئی۔



وقت نمازِ مغرب، عشاء و وتر

”واول وقت المغرب اذا غربت الشمس و آخر وقتها ما لم تغب الشفق وهو البياض الذي يرى في الافق بعد الحمرة عند ابي حنيفة رحمه الله وقال ابو يوسف و محمد رحمهما الله هو الحمرة و اول وقت العشاء اذا غاب الشفق و آخر وقتها ما لم يطلع الفجر الثاني و اول وقت الوتر بعد العشاء و آخر وقتها ما لم يطلع الفجر۔“

”اور اول وقت مغرب کا (تب شروع ہوتا ہے) جب سورج غروب ہوتا ہے اور اس کا وقت (تب تک رہتا ہے) جب تک شفق غائب نہ ہو جائے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شفق وہ سفیدی ہے جو سرخی کے بعد افق میں دکھائی دیتی ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ شفق وہ سرخی ہی ہے۔ عشاء کا اول وقت (تب شروع ہوتا ہے) جب شفق غائب ہو جائے اور آخری وقت (تب تک رہتا ہے) جب تک فجر ثانی نہ طلوع ہو جائے۔ وتر کا اول وقت نماز عشاء کے بعد ہوتا ہے اور آخر وقت (تب تک رہتا ہے) جب تک فجر طلوع نہ ہو۔“

مفردات:

لم تغب: غائب نہ ہوا۔ نہ چھپا۔

الشفق: امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا معنی سفیدی اور امام ابو یوسف و امام محمد رحمۃ

اللہ علیہما کے نزدیک سرخی ہے۔

الحمرة: سرخی

الفجر الثانی: صبح صادق

مسائل ودلائل

مغرب کا وقت:

☆: ”اور اول وقت مغرب کا (تب شروع ہوتا ہے) جب سورج غروب ہوتا ہے اور اس کا وقت (تب تک رہتا ہے) جب تک شفق غائب نہ ہو جائے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شفق وہ سفیدی ہے جو سرخی کے بعد افق میں دکھائی دیتی ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ شفق وہ سرخی ہی ہے۔“

احناف کے نزدیک مغرب کا وقت غروب آفتاب کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے اور شفق کے غائب ہونے تک رہتا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مغرب کا وقت صرف اس قدر ہے کہ جس میں نماز باجماعت ادا کی جاسکے یعنی اول اور آخر وقت ایک ہی ہے۔

احناف کے قول کے مطابق شفق کے معنی میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ شفق اس سفیدی کو کہتے ہیں جو سرخی کے بعد مغربی افق پر ظاہر ہوتی ہے لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد کے نزدیک شفق سرخی کو کہتے ہیں۔ یہاں لغت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید کر رہی ہے کیونکہ ائمہ لغت نے شفق کا معنی لکھا ہے:

”ضوء الشمس بعد الغروب وضوء الفجر.“

”غروب کے بعد سورج کی روشنی اور فجر کی روشنی۔“

لہذا شفق کے معنی میں سرخی کا تصور موجود ہی نہیں اور وہ روشنی سفید ہے جو افق پر سورج کے بعد نظر آتی ہے۔ اگرچہ احتیاطاً اور اختلاف کو ختم کرنے کے لیے سرخی کے ختم

ہونے تک مغرب کی نماز پڑھ لینا اولیٰ ہے۔

عشاء کا وقت:

☆: ”عشاء کا اول وقت (تب شروع ہوتا ہے) جب شفق غائب ہو جائے اور آخری وقت (تب تک رہتا ہے) جب تک فجر ثانی نہ طلوع ہو جائے۔“
صلوٰۃ عشاء کا وقت شفق کے غروب کے ساتھ شروع ہوتا ہے اور صبح صادق کے طلوع ہونے تک رہتا ہے۔ نماز عشاء کے ادا کرنے سے متعلق رسول اکرم ﷺ سے کئی احادیث روایت کی گئی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے عشاء کی نماز:

”ثَلَاثَ اللَّيْلِ“

”ایک تہائی رات تک ادا فرمائی۔“

دوسری حدیث میں:

”نِصْفَ اللَّيْلِ“

”آدھی رات۔“

کے الفاظ ہیں۔

اور تیسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے عشاء کی نماز:

”اٰخِرَ اللَّيْلِ“

”رات کے آخری حصے میں ادا فرمائی۔“

ان سب احادیث کو جمع کرتے ہوئے احناف نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ تہائی رات تک مستحب وقت ہے، آدھی رات تک جائز ہے اور آخر رات تک مؤخر کرنا ضرورت کی وجہ سے ہے۔

نماز وتر:

☆: ”وتر کا اول وقت نماز عشاء کے بعد ہوتا ہے اور آخر وقت (تب تک

رہتا ہے) جب تک فجر طلوع نہ ہو۔“

وتر کی نماز عشاء کے بعد ادا کی جاسکتی ہے اور طلوع فجر تک اس کا وقت رہتا ہے۔ احناف کے نزدیک وتر واجب ہیں اور ان کا درجہ سنت سے اوپر اور فرض کے نیچے ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

”اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک نماز کا حکم دیا ہے جو تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے اور وہ وتر ہے۔“

اس حدیث میں ”حکم دیا ہے“ کے الفاظ وارد ہیں اور حکم وجوب ہی ہوتا ہے۔



نمازوں کے مستحب اوقات

”وَيَسْتَحِبُّ الْإِسْفَارَ بِالْفَجْرِ وَالْإِبْرَادَ بِالظُّهْرِ فِي الصَّيْفِ وَتَقْدِيمَهَا فِي الشِّتَاءِ وَتَأْخِيرَ الْعَصْرِ مَا لَمْ يَتَغَيَّرِ الشَّمْسُ وَتَعْجِيلَ الْمَغْرِبِ وَتَأْخِيرَ الْعِشَاءِ إِلَى مَا قَبْلَ ثُلُثِ اللَّيْلِ وَيَسْتَحِبُّ فِي الْوُتْرِ لِمَنْ يَأْتِي صَلَاةَ اللَّيْلِ أَنْ يُؤَخِّرَ الْوُتْرَ إِلَى آخِرِ اللَّيْلِ وَأَنْ لَمْ يَثِقْ بِالْإِنْتِبَاهِ أَوْ تَرْقُبَ النَّوْمَ.“

” فجر کی نماز کو روشن کر کے پڑھنا مستحب ہے اور ظہر کی نماز گرمیوں میں ٹھنڈی کر کے پڑھنا اور سردیوں میں جلدی پڑھنا مستحب ہے۔ عصر کی نماز سورج کی حالت تبدیل ہونے سے پہلے تک دیر سے پڑھنا مستحب ہے اور مغرب کی نماز جلد پڑھنا مستحب ہے۔ عشاء کی نماز تہائی رات سے پہلے پہلے پڑھنا مستحب ہے اور جو شخص نماز تہجد کا عادی ہو اس کے لیے وتر آخری رات تک کو تاخیر کر کے پڑھنا مستحب ہے اور اگر اسے (تہجد کے لیے) جاگنے پر بھروسہ نہ ہو تو وہ سونے سے پہلے ہی وتر پڑھ لے۔“

مفردات:

يستحب: مستحب ہے۔ پسندیدہ ہے۔

الاسفار: خوب روشن ہونا۔ پردہ اتارنا۔

الابراء: ٹھنڈا کرنا۔

الصيف: گرمیوں کا موسم۔

الشتاء: سردیاں۔

لم يتغير: تبدیل نہ ہوا۔

تعجيل: جلدی کرنا۔

يالف: مانوس ہوتا ہے۔ عادت بنا لیتا ہے۔

لم يثق: اعتماد نہ کیا۔ بھروسہ نہ کیا۔

الانتباه: نیند سے بیداری۔

مسائل ودلائل

فجر کا افضل وقت:

☆: ”فجر کی نماز کو روشن کر کے پڑھنا مستحب ہے۔“

نماز فجر کی ادائیگی کے لیے افضل وقت یہ ہے کہ روشنی اچھی طرح ہو جائے۔
چنانچہ حدیث رسول اللہ ﷺ ہے:

”اسفیر و ابالفجر فانه اعظم للاجر۔“

”فجر کی نماز کو خوب روشن کر کے پڑھو! بے شک اس کا اجر بہت بڑا ہے۔“

(سنن ابی داؤد) (سنن ترمذی)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں فجر کی نماز کا افضل وقت یہ ہے کہ اندھیرے میں شروع کی جائے۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ عورتیں مسجد میں نماز فجر ادا کر کے واپس جاتیں تو ایک دوسرے کو پہچان نہ سکتی تھیں۔

(اصح البخاری)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ دونوں حدیثوں کو اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے کہ نماز فجر شروع تو اول وقت میں کی جائے لیکن قرأت لمبی کی جائے اور ختم اس

وقت کی جائے جب خوب روشنی ہو جائے۔

ظہر کا افضل وقت:

☆: ”ظہر کی نماز گرمیوں میں ٹھنڈی کر کے پڑھنا اور سردیوں میں جلدی پڑھنا مستحب ہے۔

ظہر کی نماز کے لیے مستحب وقت یہ ہے کہ سردیوں میں جلدی ادا کی جائے اور گرمیوں میں تاخیر سے پڑھی جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے عمل سے یہی ثابت ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

”کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اشتد البرد بکر الصلوة
واذا اشتد الحر ابرد بالصلوة۔“

”جب سردی شدید ہوتی تو جلدی نماز ادا فرماتے اور جب گرمی شدید ہوتی تو نماز دیر سے ادا فرماتے۔“

(اصح البخاری واصح المسلم۔ عن انس رضی اللہ عنہ)

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”ابر دو ابالظہر فان شدة الحر مین فیح جہنم۔“

”ظہر کی نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو! کیونکہ گرمی کی شدت دوزخ کی بھاپ سے ہوتی ہے۔“

عصر کا افضل وقت:

☆: عصر کی نماز سورج کی حالت تبدیل ہونے سے پہلے تک دیر سے پڑھنا مستحب ہے۔“

عصر کی نماز کے لیے افضل وقت اس کا دیر سے پڑھنا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ سورج کا رنگ تبدیل نہ ہو یعنی زرد نہ ہو جائے۔ تاخیر سے پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ عصر کی نماز کے بعد حدیث پاک میں نوافل ادا کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ جب تاخیر سے

پڑھیں گے تو نماز عصر سے پہلے نوافل کثرت سے ادا کرنے کا وقت مل جائے گا۔ دوسرا یہ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عمل سے نماز عصر کا تاخیر سے پڑھنا ثابت ہے اور انہوں نے اسے سنت فرمایا ہے۔ لہذا یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

مغرب کا افضل وقت:

☆: ”مغرب کی نماز جلد پڑھنا مستحب ہے۔“

مغرب کی نماز کو جلدی ادا کرنا مستحب ہے کیونکہ اس کا وقت بہت تھوڑا ہوتا ہے۔ احناف کے نزدیک مغرب کا وقت غروب آفتاب کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے اور شفق کے غائب ہونے تک رہتا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مغرب کا وقت صرف اس قدر ہے کہ جس میں نماز باجماعت ادا کی جاسکے یعنی اول اور آخر وقت ایک ہی ہے۔ اسی لیے اس میں جلدی مستحب ہے تاکہ آدمی اختلاف سے بچ سکے۔

نماز عشاء کا افضل وقت:

☆: ”عشاء کی نماز تہائی رات سے پہلے پہلے پڑھنا مستحب ہے۔“

نماز عشاء کو تہائی رات سے قبل تک مؤخر کرنا افضل ہے۔ حدیث نبویؐ ہے:

”لولا ان اشق علی امتی لا خرت العشاء الی ثلث اللیل۔“

”اگر میری امت کے لیے یہ بات گراں نہ ہوتی تو میں عشاء کو تہائی رات

تک مؤخر کر دیتا۔“

(سنن ترمذی) (سنن ابی داؤد)

نماز تہجد اور وتر:

☆: ”اور جو شخص نماز تہجد کا عادی ہو اس کے لیے وتر آخری رات تک کو

تاخیر کر کے پڑھنا مستحب ہے اور اگر اسے (تہجد کے لیے) جاگنے پر بھروسہ نہ ہو تو وہ

سونے سے پہلے ہی وتر پڑھ لے۔“

نماز وتر کے لیے مستحب یہ ہے کہ جو شخص تہجدی نماز کو عادی ہو اُسے وتر تہجد کے بعد ادا کرنے چاہئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص رات کے آخری پہر اٹھنے میں رغبت رکھتا ہو تو وہ وتر آخر میں ادا کرے کیونکہ رات کے آخری پہر کی نماز میں ملائکہ حاضر ہوتے ہیں۔“

(اصحیح المسلم)

جس آدمی کو تہجد میں اٹھنے کا بھروسہ نہ ہو تو تو اُسے نیند سے پہلے نماز وتر ادا کر لینا چاہئے۔“



اذان کے بیان میں

ابتدائیہ

اذان فضیلت و اہمیت

اذان کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم:

اذان کا لغوی معنی ہے:

اعلان عام یا نماز کے اوقات کی اطلاع۔

قرآن مجید میں یہ لفظ اعلان کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ سورۃ الحج میں

ہے:

”واذن فی الناس بالحج“
”اور لوگوں میں حج کا اعلان کرو۔“

(القرآن المجید، سورۃ الحج (سورۃ نمبر 22)، آیت نمبر 27)

سورۃ التوبہ میں ہے:

”واذان من اللہ ورسولہ الی الناس“

اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کے لیے اعلان ہے۔“

(القرآن المجید، سورۃ التوبہ (سورۃ نمبر 9)، آیت نمبر 3)

سورۃ یوسف میں ہے:

”ثم اذن مؤذن ایتھا العیر انکم لسارقون“

”پھر ایک اعلان کرنے والے نے اعلان کیا: ”اے قافلے والو! تم چور ہو۔“

(القرآن المجید، سورۃ یوسف (سورۃ نمبر 12)، آیت نمبر 7)

شرعی اصطلاح میں اذان مخصوص کلمات کا نام ہے جن کے ذریعے مسلمانوں کو نماز

کے لیے بلایا جاتا ہے۔ اذان کے لیے نداء کا لفظ بھی قرآن مجید نے استعمال کیا ہے۔
چنانچہ سورۃ الجمعہ میں ارشاد ہے:

”يا ايها الذين امنوا اذنوا للصلوة من يوم الجمعة فاسعوا الى
ذكر الله۔“

”اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر
کی طرف دوڑ پڑو۔“

(القرآن المجید، سورۃ الجمعہ (سورۃ نمبر 62)، آیت نمبر 9)

ابتداءً اذان:

شب معراج میں رسول اللہ ﷺ نے ایک فرشتے کو اذان کہتے سنا، لیکن مکے میں
کفار کی سخت مخالفت کی وجہ سے اذان کا حکم نہ دیا گیا۔

جب ہجرت کے بعد مسلمانوں نے مسجد نبویؐ کو تعمیر کر لیا تو اب باجماعت نماز کی
طرف بلانے کے سلسلے میں اذان کی مشروعیت سے پہلے ”الصَّلَاةُ جَامِعَةٌ“ کے الفاظ
سے نماز کے لیے پکارا جاتا تھا۔ یہ الفاظ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ پکارا کرتے
تھے۔ اذان کا آغاز حضور ﷺ نے مدینہ میں 1 یا 2 ہجری میں فرمایا۔

مشہور ہے کہ نماز باجماعت کی طرف بلانے کے سلسلے میں حضور ﷺ نے
مسلمانوں سے مشورہ فرمایا کہ مسلمانوں کو نماز باجماعت کی طرف بلانے کے لیے کون سی
صورت اختیار کی جائے؟

بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ناقوس بجانے کا مشورہ دیا جیسا کہ نصاریٰ
(عیسائی) بجاتے ہیں۔

کسی نے یہودیوں کی طرح سینگ پھونکنے کا مشورہ دیا تو کسی نے کہا کہ کسی
بلند جگہ پر آگ روشن کرنی چاہیے۔

غرضیکہ ابھی کوئی بات طے نہیں پائی تھی کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(جن کو "صَاحِبُ الْأَذَانِ" کہا جاتا ہے۔) نے ایک خواب دیکھا کہ "ایک فرشتہ آسمان سے نیچے اترتا ہے اور اس کے ہاتھ میں ناقوس ہے۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے پوچھا:

"اے بندہ خدا! کیا اسے بیچتے ہو؟"

اس نے کہا:

"تم اسے کیا کرو گے؟"

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"میں اس سے لوگوں کو نماز کے لیے جمع کروں گا۔"

فرشتے نے کہا:

"میں تمہیں اس سے بہتر چیز سکھاتا ہوں۔"

اس کے بعد فرشتے نے.....

اللَّهُ	اللَّهُ	اللَّهُ	اللَّهُ
أَكْبَرُ	أَكْبَرُ	أَكْبَرُ	أَكْبَرُ
أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ	أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ	أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ	أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ	أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ	أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ	أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ
حَتَّىٰ عَلَى الصَّلَاةِ	حَتَّىٰ عَلَى الصَّلَاةِ	حَتَّىٰ عَلَى الصَّلَاةِ	حَتَّىٰ عَلَى الصَّلَاةِ
حَتَّىٰ عَلَى الْفَلَاحِ	حَتَّىٰ عَلَى الْفَلَاحِ	حَتَّىٰ عَلَى الْفَلَاحِ	حَتَّىٰ عَلَى الْفَلَاحِ
اللَّهُ	اللَّهُ	اللَّهُ	اللَّهُ
أَكْبَرُ	أَكْبَرُ	أَكْبَرُ	أَكْبَرُ
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ	لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ	لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ	لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

کے ساتھ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان سکھائی اور اسی طرح اقامت بھی سکھائی۔

جب صبح ہوئی تو حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور نبی اکرم ﷺ

کو اپنا خواب سنایا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اَلرُّوْءُ يَاحِقُّ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى“

(ترجمہ) ”ان شاء اللہ! یہ خواب سچا ہے۔“

پھر حکم ارشاد فرمایا!

”اے عبداللہ بن زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! جاؤ حضرت بلال (رضی اللہ تعالیٰ

عنہ) کو یہ کلمات سکھاؤ، اس لیے کہ اس کی آواز بلند تر، نرم تر اور شیریں تر ہے۔“

جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ الفاظ سنے تو دوڑتے ہوئے

اور اپنی چادر کو گھسیٹتے ہوئے آئے اور عرض کیا!

”یا رسول اللہ ﷺ! میں نے بھی وہی کچھ دیکھا ہے جو کچھ عبداللہ بن

زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے دیکھا۔“

(اصح البخاری، باب الاذان)

اس پر رسول اللہ ﷺ فرمایا!

”اگر ایسی بات ہے تو ان دونوں خوابوں کی موافقت پر اللہ تعالیٰ کی حمد

ہے۔ کیونکہ اس نے اپنی طرف سے الہام فرمایا اور صدق و ثواب کا راستہ

بتایا ہے۔“

(سیرۃ حلبیہ، جلد 2، صفحہ 266)

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ معراج کی رات رسول اللہ ﷺ نے اذان سنی تھی

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور ﷺ معراج پر تشریف

لے گئے تو کبریائے حق کے ایک خاص محل سے گزرے۔ وہاں ایک فرشتہ نمودار ہوا۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دریافت فرمایا!

”یہ فرشتہ کون ہے؟“

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جواباً عرض کیا!

”قسم ہے اس خدائے ذوالجلال کی! جس نے آپ (ﷺ) کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ بیشک میں بارگاہ رب العزت میں سب سے زیادہ مقرب بندہ ہوں مگر میں نے اس فرشتہ کو اس ساعت سے پہلے (جب سے مجھے پیدا کیا گیا ہے) کبھی نہیں دیکھا۔“
نمودار ہونے والے فرشتے نے کہا!

”اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ“ پردہ جلال سے آواز آئی۔

”اے میرے بندے! تو نے سچ کہا۔ یقیناً میں بہت بڑا ہوں۔“

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اس فرشتے نے اذان کے

بقیہ کلمات کو پڑھا۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے شبِ معراج اذان کو سماعت فرمایا لیکن حکم نہ ہوا تھا کہ ان

کلماتِ اذان کو نماز کے لیے پکارا جائے۔

حضور ﷺ مکہ المکرمہ میں بغیر اذان کے نماز ادا فرماتے رہے یہاں تک کہ

مدینہ المنورہ میں رونق افروز ہوئے تو نمازیوں کو ایک جگہ جمع کرنے کے لیے صحابہ کرام

رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مشورے سے ان کلماتِ اذان کو اختیار فرمایا۔

بعض کا کہنا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اذان کو جب خواب میں

سنا تو وحی آئی کہ ان کلمات کو جو آسمان پر تھے زمین پر اختیار کرو۔

(سیرۃ حلبیہ، جلد 2، صفحہ 266)

بہر حال نماز کے لیے اذان دینا سنت ہے اور اسلامی شعائر میں سے ہے۔ امام محمد

رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اگر کسی آبادی کے لوگ اذان نہ دینے پر متفق ہو جائیں تو ان

کے خلاف قتال کیا جائے۔

دنیا میں ہر وقت نغمہ توحید و رسالت کی گونج:

یہ بھی اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے کہ اذان کی آواز ہر وقت دنیا میں گونج رہی

ہے۔ زمین کے کسی نہ کسی خطے میں کسی نہ کسی ملک و علاقے میں ہر وقت اذان کی

آواز بلند ہوتی رہتی ہے۔

اگر آپ دنیا کے نقشے کو غور سے دیکھیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ اسلامی ممالک میں ”انڈونیشیا“ کرہ ارض کے عین مشرقی جانب واقعہ ہے۔ یہ ملک بے شمار جزیروں پر مشتمل ہے جن میں ”سامٹرا“، ”جاوا“ اور ”سیلبز“ بڑے مشہور جزیرے ہیں۔ انڈونیشیا آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑا اسلامی ملک ہے۔

80 کروڑ آبادی کے اس ملک میں غیر مسلم آبادی آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔

طلوع سحر سیلبز کے مشرق میں واقع جزائر میں ہوتی ہے۔ وہاں جس وقت صبح کے ساڑھے پانچ بج رہے ہوتے ہیں طلوع سحر کے ساتھ ہی ”انڈونیشیا“ کے انتہائی مشرق کے جزائر میں فجر کی اذان شروع ہو جاتی ہے اور بیک وقت لاکھوں مؤذن خدا تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت کا اعلان کر رہے ہوتے ہیں۔

مشرقی جزائر سے یہ سلسلہ مغربی جزائر کی طرف بڑھتا ہے اور ڈیڑھ گھنٹہ بعد ”جکارتہ“ میں مؤذنین کی آواز گونجتی ہے۔ ”جکارتہ“ کے بعد یہ سلسلہ ”سامٹرا“ میں شروع ہو جاتا ہے اور ”سامٹرا“ کے مغربی قصبوں اور دیہات سے پہلے ہی ”ملایا“ کی مسجدوں میں اذانیں بلند ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ ”ملایا“ کے بعد ”برما“ کی باری آتی ہے۔ اسی طرح ”جکارتہ“ سے اذانوں کا جو سلسلہ شروع ہوتا ہے وہ ایک گھنٹہ بعد ”ڈھاکہ“ پہنچتا ہے۔

”بنگلہ دیش“ میں ابھی اذانوں کا یہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا کہ ”کلکتہ“ سے ”سری نگر“ تک اذانیں گونجنے لگتی ہیں۔ دوسری طرف یہ سلسلہ ”کلکتہ“ سے ”بمبئی“ کی طرف بڑھتا ہے اور پورے ”ہندوستان“ کی فضا توحید و رسالت کے اعلان سے گونج اٹھتی ہے۔ ”سری نگر“ اور ”سیالکوٹ“ میں فجر کی اذان کا ایک ہی وقت ہے۔

”سیالکوٹ“ سے ”کوئٹہ“، ”کراچی“ اور ”گواڈر“ تک چالیس منٹ کا فرق ہے۔

اس عرصہ میں فجر کی اذانیں ”پاکستان“ میں بلند ہوتی رہتی ہیں۔ ”پاکستان“ میں یہ سلسلہ ختم ہونے سے پہلے ہی ”افغانستان“ اور ”مسقط“ میں اذانوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

”مسقط“ سے بغداد تک ایک ایک گھنٹہ کا فرق ہے، اس عرصے میں اذانیں ”حجاز مقدس“ ”یمن“ ”عرب امارات“ ”کویت“ اور ”عراق“ میں گونجتی ہیں۔ ”بغداد“ سے ”اسکندریہ“ تک پھر ایک گھنٹہ کا فرق ہے۔ اس دوران میں ”شام“ ”مصر“ ”صومالیہ“ اور ”سوڈان“ میں اذانیں بلند ہوتی ہیں۔

”اسکندریہ“ اور ”استنبول“ ایک ہی طول و عرض پر واقع ہے۔ ”مشرقی ترکی“ سے ”مغربی ترکی“ تک ڈیڑھ گھنٹہ کا فرق ہے۔ اس دوران ”ترکی“ میں صدائے توحید و رسالت بلند ہوتی ہے۔

”اسکندریہ“ ”طرابلس“ تک ایک گھنٹہ کا دورانیہ ہے۔ اس عرصہ میں ”شمالی افریقہ“ میں ”لیبیا“ اور ”تیونس“ میں اذانوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

فجر کی اذان جس کا آغاز ”انڈونیشیا“ کے ”مشرقی جزائر“ سے ہوا تھا ساڑھے نو گھنٹے کا طویل سفر کر کے ”بحر اوقیانوس“ کے مشرقی کنارے تک پہنچتی ہے۔

فجر کی اذان ”بحر اوقیانوس“ تک پہنچنے سے قبل ہی ”مشرقی انڈونیشیا“ میں ظہر کی اذان کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور ”ڈھاکہ“ میں ظہر کی اذانیں شروع ہونے تک ”مشرقی انڈونیشیا“ میں عصر کی اذانیں بلند ہونے لگتی ہیں۔ یہ سلسلہ ڈیڑھ گھنٹہ تک بمشکل ”جکارتہ“ پہنچتا ہے کہ ”انڈونیشیا“ کے ”مشرقی جزائر“ میں نماز مغرب کا وقت ہو جاتا ہے۔ مغرب کی اذانیں ”سیلمز“ سے بمشکل ”سائرا“ تک پہنچتی ہیں کہ اتنے میں عشاء کی اذانوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس وقت ”افریقہ“ میں فجر کی اذانیں گونج رہی ہوتی ہیں۔

کیا آپ نے کبھی غور کیا؟ کہ کرہ ارض پر ایک سیکنڈ بھی ایسا نہیں گزرتا جس وقت

ہزاروں اور لاکھوں مؤذن بیک وقت خدا تعالیٰ کی توحید اور محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اعلان نہ کر رہے ہوں۔ یہ سلسلہ جاری تھا، جاری ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ جاری رہے گا۔



اذان مسائل و شرائط

”الاذان سنة للصلوات الخمس والجمعة دون ما سواها ولا ترجيح فيه ويزيد في اذان الفجر بعد الفلاح الصلوة خير من النوم مرتين والاقامة مثل الاذان الا انه يزيد فيها بعد حي على الفلاح قد قامت الصلوة مرتين ويترسل في الاذان ويحدر في الاقامة ويستقبل بهما القبلة فاذا بلغ الى الصلوة والفلاح حول وجهه يمينا وشمالاً ويوذن للفاتحة و يقيم فان فاتته صلوات اذن للاولى واقام وكان مخيراً في الثانية ان شاء اذن واقام وان شاء اقتصر على الاقامة وينبغي ان يوذن ويقيم على طهر فان اذن على غير وضوء جاز ويكره ان يقيم على غير وضوء او يوذن وهو جنب ولا يوذن لصلوة قبل دخول وقتها الا في الفجر عند ابي يوسف۔“

”اذان پانچ وقتہ نمازوں اور جمعہ کی نماز کے لیے سنت ہے۔ ان کے سوا کسی دوسری نماز کے لیے نہیں اذان نہیں۔ اذان میں ترجیح نہیں اور فجر کی اذان میں حی الفلاح کے بعد الصلوة خیر من النوم دو مرتبہ کہے۔ اقامت اذان کی ہی طرح ہے البتہ اس میں حی علی الفلاح کے بعد دوبارہ اقامت الصلوة کہے۔ اذان کو ٹھہر ٹھہر کر لمبا کر کے پڑھے اور اقامت (تکبیر) کو تیزی سے کہے اور اذان و اقامت دونوں میں اپنا منہ قبلہ کی طرف رکھے۔ جب حی علی الصلوة اور حی علی الفلاح پر پہنچے تو اپنے چہرے کو دائیں بائیں پھیرے۔ فوت شدہ نمازوں کے لیے بھی اذان دے اور اقامت کہے اور اگر کئی نمازیں فوت ہو جائیں تو پہلی کے لیے اذان دے اور اقامت کہے اور دوسری میں

اسے اختیار ہے چاہے تو اذان و اقامت کہے اور چاہے تو صرف اقامت پر ہی اکتفا کرے اور بہتر ہے کہ اذان و اقامت وضو سے کہے اور اگر وضو کے بغیر بھی اذان دے دے تو جائز ہے اور بے وضو اقامت کہنا مکروہ ہے۔ نیز جنابت کی حالت میں اذان کہنا بھی مکروہ ہے اور کسی نماز کا وقت ہونے سے پہلے اذان نہ دے مگر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فجر اس سے مستثنیٰ ہے۔“

مفردات:

- ترجیع: دہرانا۔ لوٹانا۔ یہاں مراد یہ ہے کہ دونوں کلمات شہادت کو نہ دہرایا جائے۔
 یزید: اضافہ کرے۔ زیادہ کرے۔
 یترسل: ٹھہر ٹھہر کر ادا کرے۔
 یحذر: جلدی جلدی پڑھے۔
 حول: پھیر لیا۔
 فائتہ: فوت ہو جانے والی نماز۔ اسم فاعل مؤنث کا صیغہ ہے۔
 صلوات: نمازیں۔ یہ صلوة کی جمع ہے۔
 مخیر: جسے اختیار دیا گیا۔ صیغہ اسم مفعول۔
 اقتصر: اکتفا کیا۔ انحصار کیا۔ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مطلق مثبت معروف ثلاثی مجرد از باب افعال۔
 ینبغی: مناسب ہے۔
 طہر: پاکیزگی۔
 جنب: وہ آدمی جس پر غسل واجب ہو۔

مسائل ودلائل

اذان سنت مؤکدہ ہے:

☆: ”اذان پانچ وقتہ نمازوں اور جمعہ کی نماز کے لیے سنت ہے۔ ان کے علاوہ کسی دوسری نماز کے لیے نہیں اذان نہیں۔“

اذان پانچ نمازوں اور جمعہ کے لیے سنت ہے۔ سب علماء اس پر متفق ہیں کہ اذان سنت مؤکدہ ہے اور اس کا ثبوت قرآن مجید اور سنت دونوں سے ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

”وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوا هَاهُنَا“ (المائدہ ۵ : ۵۱)

”جب تم نماز کے لیے پکارتے ہو تو کفار اس پر تمسخر کرتے ہیں۔“

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان کا خواب سن کر فرمایا:

”یہ خواب برحق ہے۔ اٹھو اور بلالؓ کو یہ الفاظ سکھاؤ کہ اس کی آواز بلند اور سریلیا ہے۔“

جمعہ کا ذکر خصوصیت سے اس لیے کیا گیا کہ اس میں دو اذانیں ہوتی ہیں۔ پانچ وقتہ نمازوں اور جمعہ کے علاوہ باقی کسی نماز کے لیے اذان مسنون نہیں ہے۔ باقی نمازوں سے مراد نماز جنازہ، نماز تراویح، وتر، عیدین، صلوٰۃ استسقاء، صلوٰۃ کسوف اور خسوف، صلوٰۃ استخارہ اور صلوٰۃ اوابین ہے کہ ان کے لیے اذان نہیں دی جاتی۔

اذان میں ترجیح نہیں:

☆: اذان میں ترجیح نہیں۔“

اذان میں ترجیح یعنی شہادتوں کو دہرانا نہیں ہے۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اذان میں ترجیح ہے۔

ترجیح کی صورت یہ ہے کہ پہلے **اشھدان لا الہ الا اللہ اور اشھدان محمد رسول اللہ** آہستہ کہا جائے۔ پھر یہی کلمات بلند آواز سے کہے جائیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جب انہیں حضور ﷺ نے اذان کی تعلیم دی تو پہلے انہوں نے شہادتوں کو آہستہ سے کہا پھر رسول اللہ ﷺ نے انہیں بلند آواز سے پڑھنے کا حکم دیا۔

احناف نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خواب والی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ان میں ترجیح کا ذکر نہیں۔

حدیث ابو محذورہ: حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مؤذن بننے کا واقعہ انہی سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

”خرجت فی نفرو کنا بعض طریق حنین نقل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم من حنین فلبث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم فی بعض الطريق فاذن مؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم بالصلوۃ فسمعنا صوت المؤذن ونحن متنکون رای عن الطريق فصرنا نحکیه ونستهزی به فسمع النبی صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم فارسل الینالی ان وقضنا بین یدیہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم ایکم الذی سمعت صوتہ قدارتضع فاشار القوم کلهم الی فحسبنی ای البقانی عنده وارسلهم وقال قم فاذن فقلت ولاشئ اکره الی من النبی صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم ولا مایامرنی به فقلت بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم فالقی علی التاذین هوینفعه ثم

دعائین حین التاذین فاعطانی مرۃ فیہاشینی من فضۃ ثم وضع یدہ علی ناصیتی و مربہا و علی وجہی ثم بین یدی ثم علی کیدی حتی بلغت یدہ سرتی ثم قال بارک اللہ فیک وبارک علیک فقلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و صحبہ وسلم مرنی بالتاذین بمکہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و صحبہ وسلم قد امرتک بہ و ذهب کل شیئی کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و صحبہ وسلم من کراہة و عاد ذالک کلہ صحبۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و صحبہ وسلم فقد مت علی عتاب ابن اُسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ عامل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و صحبہ وسلم علی مکہ فانت بالصلوۃ عن امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و صحبہ وسلم۔“ (سیرۃ حلبیہ، جلد 2، صفحہ 307)

(ترجمہ) ”میں ایک جماعت کے ساتھ نکلا اور ہم حنین کی راہ پر چل رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ بھی واپس تشریف لے جا رہے تھے۔ حضور ﷺ نے ایک جگہ قیام فرمایا اور آپ کے مؤذن نے اذان پڑھی تو ہم نے اذان سن کر پھبتیاں اڑائیں لیکن ہم راستہ سے ہٹ کر تنہا جا رہے تھے، اس کے باوجود حضور ﷺ نے (بطور معجزہ) ہماری باتیں سن لیں اور کسی کو ہمیں بلانے کا حکم فرمایا۔ ہم حاضر ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا!

”تم میں کون ہے جس نے اذان سن کر ایسے ایسے کہا ہے؟“

سب نے میری طرف اشارہ کیا۔ آپ نے سب کو اجازت دے دی اور مجھے اپنے پاس ٹھہرا کر فرمایا کھڑے ہو جاؤ! میں کھڑا ہو گیا لیکن اس وقت مجھے رسول اللہ ﷺ تمام اشیاء سے مکروہ ترین (نعوذ باللہ من ذلک الکفر) محسوس ہو رہے تھے اور ان کا حکم مجھے مکروہ محسوس ہو رہا تھا، تاہم حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ اس پر خود رسول اللہ

ﷺ نے مجھے اذان کے کلمات پڑھائے۔

اس کے بعد مجھے اپنے قریب بلا کر ایک سونے سے بھری ہوئی تھیلی عطا فرمائی۔ پھر آپ نے اپنا رحمت بھرا ہاتھ مبارک میری پیشانی پر رکھا اور اسے میرے چہرے پر پھیرتے ہوئے میرے دل سے جگر اور ناف تک لے گئے اور فرمایا!

”تجھے اللہ برکت بخشے۔“

اس پر میں نے عرض کیا!

”یا رسول اللہ (ﷺ)! مجھے مکہ معظمہ کا مؤذن مقرر فرمادیتے۔“

آپ ﷺ نے فرمایا!

”آج کے بعد تم مکہ کے مؤذن ہو!“

حضرت ابو محمد زورہؓ فرماتے ہیں:

”اللہ ﷻ شاہد ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مبارک ہاتھ کی برکت سے میرے دل کا تمام بغض و کینہ نکل گیا۔ اس کے بعد میرے دل میں عشق رسول ﷺ موجزن ہو گیا۔ میں حضور ﷺ کے مقرر کردہ حاکم مکہ حضرت عتاب بن اسیدؓ کے پاس گیا اور رسول اللہ ﷺ کا حکم سنایا کہ مجھے مکہ کا مؤذن بنایا گیا ہے۔ اس کے بعد میں ہی مکہ کا مؤذن رہا۔“

رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے دس سال تک مدینے میں اذان کہلوائی لیکن اس میں ترجیع نہ تھی۔ حضرت ابو محمد زورہ رضی اللہ عنہ چونکہ مسجد الحرام کے مؤذن تھے اس لیے وہاں ترجیع موزوں تھی کیونکہ وہاں کے لوگ توحید و رسالت کے منکر رہے تھے اس لیے ان کے سامنے توحید و رسالت کا اعلان بہ تکرار کرنا مناسب تھا۔ اگر ترجیع اذان کا جزو ہوتی تو حضور نبی کریم ﷺ مدینے میں بھی ایسا کراتے۔

فجر کی اذان میں اضافہ:

☆: ”فجر کی اذان میں حی الفلاح کے بعد دو مرتبہ الصلوٰۃ خیر من النوم

کہے۔“

فجر کی اذان میں **الصلوة خیر من النوم** کا اضافہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور معجم طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ تہجد پڑھنے کے بعد ہلکی سی نیند لے لیا کرتے تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کو صبح کی نماز کے لیے جگایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بے ساختہ **الصلوة خیر من النوم** کے الفاظ نبی کریم ﷺ جگانے کے لیے کہہ دیئے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ یہ الفاظ فجر کی اذان کے ساتھ خاص کر دیئے جائیں۔ چنانچہ اُس وقت سے یہ الفاظ اذان فجر کا حصہ بن گئے۔

اس سے شیعہ حضرات کے اس الزام کا بھی رد ہو گیا جو وہ امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لگاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ اضافہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا حالانکہ دلائل سے ثابت ہے کہ یہ اضافہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے خود فرمایا۔

انگوٹھے چومنا: اذان سن کر جواب دینا سنت ہے اور حضور ﷺ کا اسم گرامی سن کر انگوٹھے چومنا اور انہیں آنکھوں سے لگانا مستحب اور سنت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔ چنانچہ تفسیر روح البیان میں ہے:

”در محیط آورده کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم بمسجد در آمد و نزدیک ستون بنشست و صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ در برابر آن حضرت نشسته بود بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ برخاست و باذان اشتغال فرمود چون گفت اشهد ان محمداً رسول اللہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر دو ناخن ابھامین خود را بر ہر دو چشم نہادہ گفت قرۃ عینی بک یا رسول اللہ چون بلال رضی اللہ

تعالیٰ عنہ فارغ شد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ
وصحبہ وسلم فرمودہ کہ یا ابا بکر ہر کہ بکند چنیس کہ تو کردی
خدائے بیامرزد گناہان جدید و قدیم اور اگر بصد بود باشد اگر
بخطا

(تفسیر روح البیان از علامہ اسماعیل حقی الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ)

”محیط میں ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور ایک ستون کے
قریب بیٹھ گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ ﷺ کے
قریب بیٹھ گئے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اٹھ کر اذان دینا شروع
کی۔ جب انہوں نے ”أَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ“ کہا تو حضرت
ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخن چوم کر اپنی
آنکھوں پر رکھے اور ”قُرَّةُ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ کہا۔

جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذان سے فارغ ہوئے تو حضور اکرم ﷺ

نے فرمایا!

”اے ابو بکر! جو شخص ایسا کرے جیسا تم نے کیا ہے تو خدائے تعالیٰ اس کے
تمام گناہوں کو بخش دے گا۔“

2: ”حضرت شیخ امام ابوطالب محمد بن علی الحسینی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب قوت

القلوب میں ابن عیینہ سے روایت کرتے ہیں۔!

”پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام بمسجد در آمد در رہ محرم و بعد از آنکہ نماز جمعہ ادا فرمودہ
بود نزدیک اسطوانہ قرار گرفت و ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنظر اہل بیت
خود مسح کرد و گفت قرۃ عینی بک یا رسول اللہ و چون بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ
از اذان فراغتی روئے نمود حضرت رسول اللہ ﷺ فرمودہ کہ ای ابا بکر ہر کہ
بگوید آنچه تو کردی خدائے در گزار و گناہان ویرا آنچه باشد نو و کہنہ خطا و عمد و نہاں
و آشکارا۔“

”رسول اللہ ﷺ محرم کی دس تاریخ کو نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے مسجد تشریف لائے اور ایک ستون کے قریب تشریف فرما ہوئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان میں حضور ﷺ کا نام سن کر اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کو اپنی آنکھوں پر لگایا اور کہا!

”قُرَّةُ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ“ (یا رسول اللہ ﷺ! آپ میری آنکھوں کی

ٹھنڈک ہیں۔)

جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذان سے فارغ ہوئے تو رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا!

”اے ابو بکر! جو شخص تمہاری طرح میرا نام سن کر انگوٹھے اپنی آنکھوں پر لگائے اور جو تم نے کہا وہ کہے یقیناً اللہ تعالیٰ ﷻ اس کے نئے اور پرانے، ظاہر اور باطنی گناہ معاف فرمادے گا۔“

(قوت القلوب، از امام محمد بن علی الحلی) (تفسیر روح البیان، جلد 4، صفحہ 648، از علامہ اسماعیل حقی)

3: امام شمس الدین سخاوی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ”جو شخص مؤذن سے ”أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ“ سن کر کہے ”مَرَحَبًا بِحَيِّتِي عَيْنِي مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ ﷺ“ پھر دونوں انگوٹھے چومے اور آنکھوں پر رکھے وہ کبھی اندھانہ ہوگا اور اسکی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی۔“

(القاصد الحسنة، صفحہ 341)

4: علامہ امام شمس الدین سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ دلیلی کے حوالے سے نقل فرماتے

ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے.....

”لَمَّا سَمِعَ قَوْلَ الْمُؤَذِّنِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ قَالَ وَقَبَّلَ بَاطِنَ الْأَنْمِلَتَيْنِ السَّبَابَتَيْنِ وَمَسَحَ عَلَى عَيْنَيْهِ فَقَالَ ﷺ مَنْ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ خَلِيلِي فَقَدْ حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي.“

”جب مؤذن (حضرت بلال رضی اللہ عنہ) کو ”أَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ“ کہتے سنا تو آپ نے بھی یہی الفاظ پڑھے اور اپنے انگوٹھے چوم کر اپنی آنکھوں سے لگائے تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ”جو آدمی میرے اس پیارے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی طرح کرے گا اسے میری شفاعت نصیب ہوگی۔“

(القاصد الحسنہ فی الاحادیث الدائرہ علی السنۃ) (سیرۃ حلبیہ، دیلمی)

5: شرح نقایہ میں ہے:

”وَاعْلَمُ أَنَّهُ يُسْتَحَبُّ أَنْ يُقَالَ عِنْدَ سَمَاعِ الْأُولَى مِنَ الشَّهَادَةِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ يَا رَسُولُ اللَّهِ وَعِنْدَ الثَّانِيَةِ مِنْهَا قُرَّةٌ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولُ اللَّهِ ثُمَّ يُقَالُ اللَّهُمَّ مَتَّعِنِي بِالسَّمْعِ وَالْبَصْرِ بَعْدَ وَضْعِ ظُفْرِي الْأَبْهَامَيْنِ عَلَى الْعَيْنَيْنِ فَإِنَّهُ عَلَيْهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَكُونُ لَهُ قَائِدًا إِلَى الْجَنَّةِ“

(ردالمحتار شرح درمختار، جلد 1، صفحہ 370)

”اور جان لو کہ بیشک اذان کی پہلی شہادت (اشہدان محمدًا رسول اللہ) سننے پر ”صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ يَا رَسُولُ اللَّهِ“ پڑھنا اور دوسری شہادت سننے پر قُرَّةٌ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولُ اللَّهِ پڑھنا مستحب ہے۔ پڑھنے والا پھر اپنے انگوٹھوں کے ناخن (چوم کر) اپنی آنکھوں سے لگائے اور یہ دعا پڑھے: ”اللَّهُمَّ مَتَّعِنِي بِالسَّمْعِ وَالْبَصْرِ“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرنے والے کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔“

6: مالکی مذہب کی مشہور و معروف کتاب ”کفایۃ الطالب الربانی لرسالة ابن ابی زید

القیروانی“ کے صفحہ نمبر 169 اور شافعی مذہب کی مشہور ترین کتاب

”اعانة الطالبین علی حد الفاظ فتح المعین“ کے صفحہ 247 میں ہے کہ ”جب اذان

میں حضور کا نام نامی سنے تو درود پڑھے:

”ثُمَّ يَقْبَلُ ابْهَامِيهِ وَيَجْعَلُهُمَا عَلَى عَيْنِيهِ لَمْ يَعْمَ وَلَمْ يَرْمِدْ أَبَدًا۔“

”پھر انگوٹھے چومے اور ان کو آنکھوں پر رکھے تو وہ کبھی اندھا نہ ہوگا اور نہ ہی کبھی اس کی آنکھیں دکھیں گی۔“

(کفایۃ الطالب الربانی لرسالة ابن ابی زید القیر وانی، صفحہ نمبر 169)

(امانة الطالبین علی حدائق الموعین، صفحہ 247)

7: فتاویٰ شامی میں ہے:

”وَيَسْتَحِبُّ أَنْ يُقَالَ عِنْدَ سَمَاعِ الْأُولَى مِنَ الشَّهَادَةِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ عَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ) وَعِنْدَ الثَّانِيَةِ مِنْهَا قُرَّةُ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ عَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ) ثُمَّ يَقُولُ اللَّهُمَّ مَتَّعِنِي بِالسَّمْعِ وَ الْبَصْرِ بَعْدَ دَفْعِ ظَفَرِي الْإِبْهَامَيْنِ عَلَى الْعَيْنَيْنِ فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَكُونُ قَائِدًا لَّهُ إِلَى الْجَنَّةِ كَذَا فِي كَنْزِ الْعِبَادِ فَهَسْتَانِي وَنَحْوِهِ فِي الْفَتَاوَى الصُّوفِيَّةِ وَفِي الْفِرْدَوْسِ مَنْ قَبَّلَ ظَفَرِي الْإِبْهَامِيهِ عِنْدَ سَمَاعِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ فِي الْأَذَانِ أَنَا قَاعِدُهُ وَ مُدْخِلُ فِي صُفُوفِ الْجَنَّةِ وَ تَمَامِهِ فِي حَوَاشِي الْبُحْرَانِ رَمَلِي“

(رد المحتار شرح در مختار، جلد 1، باب الاذان، صفحہ 370) (الطحاوی علی مراقی الفلاح، صفحہ 111)

”اذان کی پہلی شہادت پر ”صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ کہنا اور دوسری شہادت کے وقت ”قُرَّةُ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ کہہ کر ناسنوں کو اپنی آنکھوں پر رکھنا مستحب ہے۔ جو کوئی یہ کام کرے اور آنکھوں پر ناسن رکھتے ہوئے یہ دعا پڑھے: ”اللَّهُمَّ مَتَّعِنِي بِالسَّمْعِ وَ الْبَصْرِ“ تو حضور ﷺ اس کو اپنے ساتھ جنت میں لے جائیں گے۔ اسی طرح کنز العباد اور فتاویٰ صوفیہ میں ہے۔ کتاب الفردوس میں حضور ﷺ کی حدیث منقول ہے کہ ”حضور ﷺ نے فرمایا! ”مَنْ قَبَّلَ ظَفَرِي الْإِبْهَامِيهِ عِنْدَ سَمَاعِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ فِي الْأَذَانِ أَنَا قَاعِدُهُ وَ مُدْخِلُ فِي“

صَفُوفِ الْجَنَّةِ“ ”جس شخص نے اذان میں ”أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ“ کے الفاظ سن کر اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چوماتو میں اس کا راہنما بنوں گا اور اسکو جنت کی صفوں میں داخل کروں گا۔“ اس مسئلہ کی پوری تفصیل و تحقیق کنز الدقائق کی شرح بحر الرائق کے حواشی رملی میں ہے۔“

(رد المحتار شرح درمختار، جلد 1، باب الاذان، صفحہ 370) (الطحاوی علی مراتب الفلاح، صفحہ 111)

8: علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی معتبر و مستند اور شہرہ آفاق تفسیر روح البیان میں فرماتے ہیں:

”وَفِي قِصَصِ الْأَنْبِيَاءِ وَغَيْرِهَا أَنَّ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَشْتاقٌ إِلَى لِقَاءِ مُحَمَّدٍ ﷺ حِينَ كَانَ فِي الْجَنَّةِ فَأَوْحَى اللَّهُ تَعَالَى إِلَيْهِ هُوَ مِنْ صُلْبِكَ وَيُظْهِرُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ فَسَأَلَ لِقَاءَ مُحَمَّدٍ ﷺ حِينَ كَانَ فِي الْجَنَّةِ فَأَوْحَى اللَّهُ تَعَالَى إِلَيْهِ فَجَعَلَ اللَّهُ النُّورَ الْمُحَمَّدِيَّ فِي أَصْبَعِهِ الْمُسَبَّحَةِ فَلِذَلِكَ سَمِعْتُ تِلْكَ الْأَصْبَعِ مَسْبُوحَةً كَمَا فِي الرَّوْضِ الْفَائِقِ أَوْ أَظْهَرَ اللَّهُ تَعَالَى جَمَالَ حَبِيبِهِ فِي صِفَاءِ ظَفَرِي إِبْهَامِيهِ مِثْلُ الْمِرْأَةِ فَقَبَّلَ آدَمُ ظَفَرِي إِبْهَامِيهِ وَ مَسَحَ عَلَى عَيْنِيهِ نَصَارًا صُلًا لِدُرِّيَّتِهِ فَلَمَّا أَخْبَرَ جَبْرِئِيلُ النَّبِيَّ ﷺ بِهَذِهِ الْقِصَّةِ قَالَ ﷺ مَنْ سَمِعَ اسْمِي فِي الْأَذَانِ فَقَبَّلَ ظَفَرِي إِبْهَامِيهِ وَمَسَحَ عَلَى عَيْنِيهِ لَمْ يَعْمْ أَبَدًا.“

(تفسیر روح البیان، جلد 4، عربی صفحہ 649)

”قصص الانبياء وغيره کتب میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رسول اللہ ﷺ سے ملنے کا اشتیاق ہوا تو اللہ تعالیٰ ﷻ نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دائیں ہاتھ کے کلمے کی انگلی میں نور محمدی ﷺ کو چکایا تو اس نور نے اللہ ﷻ کی تسبیح کی۔ اسی لیے اس انگلی کا نام شہادت کی انگلی رکھا گیا جیسا کہ روض الفائق میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ﷻ نے اپنے حبیب کریم ﷺ کے

جمال کو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں میں مثل آئینہ ظاہر فرمایا تو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کو چوم کر اپنی آنکھوں پر پھیرا، یہ سنت ان کی اولاد میں جاری ہوئی۔ پھر جب جبریل امین علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی خبر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا! مَنْ سَمِعَ اسْمِي فِي الْاَذَانِ فَقَبَّلَ ظَفْرِيْ اِبْهَامِيْهِ وَمَسَحَ عَلٰى عَيْنِيْهِ لَمْ يَغْمِ اَبْدًا“ جو شخص اذان میں میرا نام سنے اور اپنے انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں سے لگائے تو وہ کبھی بھی اندھانہ ہوگا۔“

(تفسیر روح البیان، جلد 4، عربی صفحہ 649)

بعض کوڑھ مغز صرف شان رسالت سے متعلق روایات سن کر فوراً کہہ دیتے ہیں!

”هَذَا حَدِيثٌ ضَعِيفٌ“

”یہ حدیث ضعیف ہے۔“

یہ ان کی بد قسمتی کی دلیل ہے، ورنہ ہر حدیث رسول ﷺ ضعیف کیسے ہو سکتی ہے؟ حدیث صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سند موقوف صحیح ہے۔

چنانچہ امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”قُلْتُ وَادَّابَّتْ رَفْعُهُ اِلَى الصِّدِّيقِ الْاَكْبَرِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ فَيَكْفِي لِلْعَمَلِ بِهِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ”عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ““

(الموضوعات الکبیر، صفحہ 64 از امام ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ)

”میں کہتا ہوں کہ جب اس حدیث کا رفع حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے تو عمل کے لیے کافی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ”عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ“ تم پر میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے۔“

معلوم ہوا کہ یہ حدیث موقوف صحیح ہے، کیونکہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اس کی سند ثابت ہے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت سنت رسول ﷺ ہے۔

دانش مند حضرات کے لیے تو اتنا ہی کافی ہے لیکن بے عقل کو حوالوں کے دفتر بھی ناکافی ہیں۔ اپنے عمل کے ثبوت میں ہم اہل سنت کے پاس ہزاروں حوالجات ہیں جن میں چند ایک یہ ہیں:

- منیر العین فی حکم تقبیل الالبہامین، از اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ
 جاء الحق وزہق الباطل، از مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ
 روح البیان، از امام اسماعیل حقی، جلد 4، صفحہ 648، 649
 المقاصد الحسنیۃ فی الاحادیث الدائرۃ علی السنۃ، از امام شمس الدین سخاوی
 موجبات الرحمة وعزائم المغفرة، از ابوالعباس احمد بن ابی بکر الرداد الیمانی
 ردالمختار شرح درمختار، از علامہ شامی، جلد 1، صفحہ 370
 الطحطاوی علی مراقی الفلاح، از علامہ طحطاوی، صفحہ 111
 شرح الکبیر، از امام قہستانی
 کفایۃ الطالب الربانی لرسالة ابن ابی زید القیر دانی، صفحہ نمبر 169
 اعانة الطالبین علی حد الفاظ فتح المعین، صفحہ 247
 نہج السلامة فی تقبیل الالبہامین فی الاقامة، صفحہ 4
 حلیۃ الاولیاء، از امام ابو نعیم، جلد 4، صفحہ 42
 سیرۃ حنبیہ، جلد 1، صفحہ 85
 الموضوعات الکبیر، از ملا علی قاری، صفحہ 64

اذان اور اقامت میں فرق:

☆: ”اقامت اذان کی ہی طرح ہے البتہ اس میں حی علی الفلاح کے بعد

دوبارہ قدامت الصلوٰۃ کہے۔ اذان کو ٹھہر ٹھہر کر لمبا کر کے پڑھے اور اقامت (تکبیر) کو تیزی سے کہے۔“

اقامت کے کلمات اذان کی مانند ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اذان کے کلمات ترسل سے ادا کئے جاتے ہیں اور اقامت کے کلمات حد سے۔ ترسل کا معنی ہے:

”لمبا کر کے ٹھہر ٹھہر کے الگ الگ کر کے ادا کرنا۔“

اور حد کا معنی ہے:

”تیزی اور روانی سے ادا کرنا۔“

اقامت میں حد اس لیے ہے کہ لوگ جلدی سے جماعت کی نماز میں داخل ہو جائیں۔

اذان اور اقامت قبلہ رُو ہو کر کہے:

☆ اذان و اقامت دونوں میں اپنا منہ قبلہ کی طرف رکھے۔ جب حی علی الصلوٰۃ اور حی الفلاح پر پہنچے تو اپنے چہرے کو دائیں بائیں پھیرے۔“

اذان اور اقامت کہتے ہوئے منہ قبلہ کی طرف کرنا چاہئے۔ اگر قبلہ کے علاوہ کسی اور طرف رُخ کیا تو یہ آداب اذان کے خلاف ہوگا اور ایسا کرنا مکروہ ہوگا۔

حی الصلوٰۃ اور حی الفلاح کہتے ہوئے چہرہ دائیں اور بائیں کرنا چاہیے تاکہ اذان کا جو مقصد ہے یعنی غائب لوگوں کو اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو آگاہ کرنا وہ پورا ہو سکے۔ صرف چہرہ ہی پھیرے قدم اپنی جگہ قائم رہیں اور سینہ بھی۔ اقامت چونکہ صرف حاضرین کے لیے ہوتی ہے اس لیے اس میں دائیں بائیں چہرہ نہ پھیرنا چاہئے۔

اقامت میں حی الفلاح کے بعد قدامت الصلوٰۃ دو مرتبہ کہے۔

قضا نماز کے لیے اذان:

☆ فوت شدہ نمازوں کے لیے بھی اذان دے اور اقامت کہے۔“

جو نماز فوت ہو جائے اُس کے لیے اذان اور اقامت کہنا چاہئے کیونکہ رسول اللہ

ﷺ کا عمل اس پر ثابت ہے۔ ابوداؤد مسند احمد، صحیح ابن خزیمہ وغیرہ میں لیلۃ التعریس والی حدیث اس پر شاہد ہے۔

یہ حدیث عبداللہ بن مسعود، عمران بن حصین، حضرت بلال اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

حدیث لیلۃ التعریس: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کے لمحات سرور کائنات ﷺ کے زیر سایہ بسر ہوئے۔ ان میں بہت سارے واقعات درپیش آئے جن میں سے ایک قصہ لیلۃ التعریس کا بھی ہے۔ تعریس رات کے آخری حصہ میں مسافر کے سونے کے لیے سواری سے اترنے اور ٹھہرنے کو کہتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”حضور اکرم ﷺ پر غزوہ خیبر کی واپسی میں ایک رات سفر میں نیند کا غلبہ ہوا تو حضور ﷺ نے آخر شب میں خواب و استراحت کے لیے قیام فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا!

”کہ ہم سو جائیں تو ہمارے لیے رات کو نگہبانی کرنا اور جاگتے رہنا۔“

جب صبح ہو جائے۔ ہمیں بیدار کر دینا تا کہ صبح کی نماز ہاتھ سے نہ جائے۔

حضور ﷺ نے نماز تہجد سونے سے پہلے ادا فرمائی تھی۔ یہاں تک کہ نیند کا غلبہ ہوا

کہ اس نے مہلت نہ دی۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ شب بیداری کے لیے آمادہ ہوئے اور نماز میں مشغول ہو گئے اور اتنی نمازیں پڑھیں جتنی خدا نے ان کو توفیق دی۔ حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمین کو نیند سے بیدار کرنے کا یہ بارگراں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گردن پر پڑا۔ جب صبح کا وقت قریب ہوا تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے کجاوے سے ٹیک لگالی اور طلوع فجر کی طرف متوجہ ہوئے اور غور سے آسمان کی طرف دیکھنے لگے کہ اچانک حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھ بوجھل ہونے لگی

اور بے اختیار نیند آگئی۔ حالانکہ آپ اپنے اونٹ سے تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ ایک روایت کے مطابق اپنی دستار کھول کر اس سے احتبہاء کیا۔ چنانچہ نہ حضور ﷺ بیدار ہوئے اور نہ ہی کوئی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا۔ اس کے بعد سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے اور حضور ﷺ سونے اور نماز کے فوت ہو جانے سے حق تعالیٰ کے جلال سے اور اس کی تجلی سے ڈرے۔ حضور ﷺ کے بعد اور حضرات بھی بیدار ہوئے۔

حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دی اور فرمایا!

”اے بلال (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! یہ کیا ہوا تم کیوں سو گئے تھے؟“

اس پر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا!

”میں کیا عرض کروں، مجھے بھی اس نے آگھیرا تھا جس نے آپ کو گھیرا تھا اس

قوت بیداری کے باوجود جو آپ کو حاصل ہے۔“

دوسری حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے فرمایا!

”بلال (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے پاس شیطان آیا حالانکہ وہ نماز میں کھڑے

تھے۔ شیطان نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ پر ہاتھ مارا اور انہیں اس طرح

تھپک تھپک کر سلا دیا جس طرح بچے کو تھپک تھپک کر سلاتے ہیں اور بلال

(رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سو گئے۔“

اس کے بعد حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور ان سے ان

کے سو جانے کی کیفیت دریافت فرمائی تو انہوں نے ویسا ہی عرض کیا جیسا کہ حضور ﷺ

نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا۔ (یہ سن کر) حضرت صدیق اکبر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا!

”أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ وَالْحَقُّ“

”میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔“

اس کے بعد حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا!

”اپنے اونٹوں کو یہاں سے اٹھا کر لے چلو۔“

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے اپنے اونٹوں کو اٹھایا اور وہاں سے چل دیے۔ کچھ آگے جا کر اذان و اقامت کے ساتھ باجماعت نماز ادا کی گئی۔

(المشکوٰۃ المصابیح، باب الاذان، الفصل الثانی) (مرآة المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 398)

وہابیوں، دیوبندیوں اور مودودیوں کے اس واقعہ کو لے کر حضور ﷺ کے علم و عمل

پر اکثر یہ اعتراض ہوتے ہیں:

اعتراض: اگر حضور ﷺ کو علم ہوتا کہ میری نماز قضاء ہو جائے گی تو سرے سے ہی نہ سوتے؟

جواب: لاعلمی کی تہمت تو خیر خانہ ساز ہے کیونکہ مشکوٰۃ شریف میں دونوں روایات

موجود ہیں۔ دوسری میں حضور ﷺ نے آرام فرمانے کے بعد حضرت بلال رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کے جملہ حالات دیکھے اور پھر من وعن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کو بتا دیئے جیسا کہ اوپر گزرا اور پھر اسی معجزہ اور خبر غیبی کی تصدیق حضرت بلال رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے کی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

”اشھد انک رسول اللہ والحق“

اور یہ معجزہ دیکھنے کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا معمول تھا کہ وہ

اسی طرح کے الفاظ پڑھا کرتے تھے۔

اگر اسی کا نام لاعلمی ہے تو پھر علم اس دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوا بلکہ شرم و حیاء کی آنکھ

اور حق شناس عقل نصیب ہو تو یہاں علم غیب کا اتنا زبردست ثبوت ہے کہ معمولی سی سمجھ

رکھنے والا آدمی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ وہ یہ کہ حضور ﷺ نے نہ صرف حضرت بلال رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کے کوائف بتائے بلکہ وہ ابلیس اور اس کی کارروائی (جسے کوئی نہیں دیکھ

سکتا وہ) بھی حضور ﷺ نے بتادی۔ اس سے زیادہ علم غیب اور کون سا ہوگا؟

ان روایات پر وارد ہونے والے اعتراضات کے جوابات ”مراۃ المناجیح“، جلد 1، صفحہ نمبر 398 تا 402 میں مذکور ہیں۔

کئی قضاء نمازوں کے لیے:

☆ ”اگر کئی نمازیں فوت ہو جائیں تو پہلی کے لیے اذان دے اور اقامت کہے اور دوسری میں اسے اختیار ہے چاہے تو اذان و اقامت کہے اور چاہے تو صرف اقامت پر ہی اکتفا کرے۔“

اگر کئی نمازیں فوت ہو جائیں تو پہلی نماز کے لیے اذان اور اقامت دونوں کہی جائیں اور دوسری کے لیے اختیار ہے، چاہیں تو اذان اور اقامت دونوں کہیں اور چاہیں تو صرف اقامت کہیں۔ وجہ یہ کہ اذان غائب لوگوں کی اطلاع کے لیے ہوتی ہے۔ اور یہ مقصد پہلی اذان سے حاصل ہو چکا ہے اور اقامت حاضرین کے لیے ہوتی ہے تاکہ وہ صف بندی کر لیں اور نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔

اذان اور اقامت کے لیے وضو کی شرط:

☆ ”بہتر ہے کہ اذان و اقامت وضو سے کہے اور اگر وضو کے بغیر بھی اذان دے دے تو جائز ہے اور بے وضو اقامت کہنا مکروہ ہے۔ نیز جنابت کی حالت میں اذان کہنا بھی مکروہ ہے۔“

ناپاک آدمی کا اذان دینا مکروہ ہے اگرچہ اعلان یعنی اطلاع دینے کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے مگر حالت جنابت میں اقامت حرام ہے کیونکہ اقامت عام طور پر مسجد میں ہوتی ہے اور حالت جنابت میں مسجد میں داخل ہونا حرام ہے۔

وقت سے پہلے اذان نہیں:

☆ ”کسی نماز کا وقت ہونے سے پہلے اذان نہ دے مگر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فجر اس سے مستثنیٰ ہے۔“

نماز کا وقت شروع ہونے سے پہلے اذان نہیں دینا چاہیے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہی ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فجر کی اذان طلوع فجر سے پہلے بھی دی جاسکتی ہے کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان فجر صبح طلوع ہونے سے پہلے دیا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے:

”ان بلال یؤذن بلیل“

”حضرت بلال رات کے وقت اذان دیا کرتے تھے۔“

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اذان تہجد کے لیے ہوتی تھی اور یہ کہ یہ اذان رمضان میں ہوتی تھی لوگوں کو جگانے کے لیے اور سحری تناول کرنے کے لیے۔ احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایسی اذان کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان پر دوسری اذان دلوائی۔

نصب الراية میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی فجر سے پہلے والی اذان صرف رمضان المبارک میں ہوتی تھی تاکہ لوگ جاگ اٹھیں اور تہجد پڑھنے والے سحری کھالیں۔



باب : ۳

نماز سے پہلے کی شرائط

ابتدائیہ

شُرَاطِ نِماز

شروط شرط کی جمع ہے اور شرط وہ ہوتی ہے جس کا وجود کسی چیز کے لیے لازم ہوتا ہے۔ جب شرط نہ پائی جائے تو مشروط بھی ناپید ہو جاتا ہے۔ نماز کے لیے دو قسم کی شرطیں ہیں جو نماز میں داخل ہونے سے پہلے ضروری ہیں۔ ان کو نماز کے فرائض بھی کہا جاتا ہے۔ ان کی تعداد چھ ہے۔ دوسری قسم کے فرائض نماز کے اندر ہیں۔

نماز کے اندر بھی چھ فرائض ہیں اور نماز کے باہر بھی چھ۔

بیرونی فرائض یہ ہیں:

- 1: جسم کا پاک ہونا۔
- 2: کپڑوں کا پاک ہونا۔
- 3: جگہ کا پاک ہونا۔
- 4: ستر کا چھپانا۔
- 5: قبلہ کی طرف رخ کرنا۔
- 6: نیت کرنا۔

اگر شرائط نماز میں سے کوئی ایک شرط پوری نہ ہو تو نماز کو شروع ہی نہیں کیا جاسکتا۔ نماز کے وجوب کے لیے بھی چار چیزیں لازم ہیں:

- 1: اسلام
- 2: ہوش و حواس کی درستگی۔
- 3: بالغ ہونا۔
- 4: نماز کا وقت ہونا۔

نماز میں دخول کی شرائط

”يجب على المصلي ان يقدم الطهارة من الاحداث والانجاس على ما قدمناه ويسترعورته والعورة من الرجل ماتحت السرة الى الركبة والركبة عورة دون السرة وبدن المرأة الحرة كله عورة الا وجهها وكفيها وما كان عورة من الرجل فهو عورة من الامة وبطنها وظهرها عورة وما سوى ذلك من بدنها ليس بعورة ومن لم يجد ما يزيل به النجاسة صلى معها ولم يعد ومن لم يجد ثوبا صلى عريانا قاعدا يؤمى بالركوع والسجود فان صلى قائما جزاه الاول افضل وينوى للصلوة التي يدخل فيها بنية لا يفصل بينها وبين التحريمة بعمل ويستقبل القبلة الا ان يكون خائفا فيصلى الى اى جهة قدر فان اشتبهت عليه القبلة وليس بحضرته من يسئله اجتهد وصلّى فان علم انه اخطا بعد ما صلى فلا إعادة عليه وان علم ذلك وهو فى الصلوة استدار الى القبلة وبنى عليها.“

”نمازی پر واجب ہے کہ وہ اندرونی اور بیرونی نجاستوں سے جسم کو پاک کرنے کا عمل نماز سے پہلے کرے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اور جسم کے ڈھانپنے والے اعضاء کو چھپائے اور مرد کے ڈھانپنے والے اعضاء ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہیں اور گھٹنے ڈھانپنے والے اعضاء میں شامل ہیں سوائے ناف کے (یعنی ناف شامل نہیں) اور آزاد عورت کا سارا جسم ہی ڈھانپنے کے لائق ہے سوائے اس کے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کے۔ جو ہے ڈھانپنے والا حصہ مرد کا ہے وہی لونڈی کا ہے اور اس کا پیٹ اور پشت

بھی ستر میں شامل ہیں اور اس کے سوا باقی جسم کا حصہ ستر میں شامل نہیں۔ جو شخص ایسی چیز نہ پائے جس سے غلاظت دور کر سکے تو وہ اس غلاظت کے ساتھ ہی نماز پڑھے اور بعد میں نماز کو نہ لوٹائے اور جس کو کپڑا نہ مل سکے وہ ننگے ہی بیٹھ کر نماز پڑھے اور رکوع و سجود اشاروں سے کرے۔ پس اگر وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو یہ اس کے لیے کافی ہوگا اور پہلی بات (بیٹھ کر نماز پڑھنا) افضل ہے۔ نماز کو شروع کرنے کے لیے ایسی نیت کرے کہ اس نیت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان کوئی فاصلہ ڈالنے والا فعل نہ ہو اور نماز کے لیے قبلہ رخ ہو سوائے اس کے کہ وہ خوف کی حالت میں ہو۔ اگر خوف کی حالت میں ہو تو وہ جس سمت بھی رخ کر سکتا ہو کر لے۔ پس اگر اسے قبلہ مشتبہ ہو جائے اور اس کے پاس کوئی ایسا شخص بھی موجود نہ ہو جس سے وہ اس کی بابت پوچھ ہی لے تو پھر وہ اپنی رائے سے کام لے اور نماز پڑھے۔ پس اگر نماز پڑھنے کے بعد اسے معلوم ہو کہ اس نے قبلہ کے رخ کے بارے میں غلطی کی تھی تو اس پر نماز دوبارہ پڑھنا لازم نہیں اور اگر اسے نماز کے دوران میں ہی معلوم ہو جائے تو پھر وہ قبلہ کی طرف گھوم جائے اور باقی ماندہ نماز کی بنیاد پڑھی گئی نماز ہی پر رکھے۔“

مفردات:

يقدم: مقدم کرتا ہے۔ پہلے لاتا ہے۔

الاحداث: وہ پلیدی جو جسم سے خارج ہو۔ مثلاً پیشاب، پاخانہ اور خون وغیرہ۔ الاحداث حدث کی جمع ہے۔

الانجاس: وہ غلاظت جو باہر سے انسان کے جسم پر لگے۔ الانجاس نجاسة کی جمع۔
یستر: وہ ڈھانپتا ہے۔

العورة: وہ چیز یا جگہ جس کا چھپانا ضروری ہے۔

السرة: ناف۔

الركبة: گھٹنا۔

الحررة: آزاد عورت۔ جولونڈی نہ ہو۔

الامة: لونڈی۔ جو آزاد نہ ہو۔

بطن: پیٹ۔

ظهر: پیٹھ۔

لم يجرد: نہ پائے۔

عاد: يعود عودا: نہ لوٹائے۔

عريانا: ننگا۔

يومى: وہ اشارہ کرتا ہے۔

اجزاء: اس کے لیے کافی ہے۔

بنوى: وہ نیت کرتا ہے یا کرے گا۔

لا يفصل: فصل يفصل سے ماخوذ ہے۔ نہ الگ کرے۔ نہ جدا کرے۔

يستقبل: سامنے رکھتا ہے۔

خائفا: خوف رکھنے والا۔ اسم فاعل۔

قدر: قادر ہوا۔

اشتبهت: مشتبه ہو جائے۔ سمت قبلہ معلوم نہ ہو۔ صیغہ فعل ماضی مطلق مثبت معروف

ثلاثى مزید فیہ از باب التعلال۔

اجتهد: کوشش کرے۔

استدار: گھوم جائے۔

بنى: بنا کرے۔ نماز کے پہلے حصے کے ساتھ ملا دے۔

مسائل و دلائل

پاکیزگی:

☆: ”نمازی پر واجب ہے کہ وہ اندرونی اور بیرونی نجاستوں سے جسم کو پاک کرنے کا عمل نماز سے پہلے کرے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔“

سب سے پہلے نمازی کے لیے ضروری ہے کہ اس کا جسم اور لباس تمام ناپاکیوں اور پلیدیوں سے پاک اور صاف ہو۔ احداث جمع حدث کی ہے۔ اور حدث اندرونی ناپاکی کی کیفیت کو کہتے ہیں۔ انجاس نجاستہ کی جمع ہے اور نجاست ظاہری پلیدی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

حدث کی دو قسمیں ہیں:

1: حدث اکبر۔

2: حدث اصغر۔

حدث اکبر جنبی ہونے کی حالت (جس پر غسل واجب ہو) کا نام ہے اور حدث اصغر بے وضو ہونے کی حالت کا نام ہے۔ نماز کے لیے دونوں قسم کی ناپاکی سے مبرا ہونا لازم ہے۔

قرآن مجید فرقان حمید کی درج ذیل آیت میں حدث اکبر کا بیان ہے:

”وان کنتم جنبا فاطہروا“

”اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو نہا کر پاک ہو جاؤ۔“

قرآن مجید کی درج ذیل آیت مبارکہ میں حدث اصغر سے پاکیزگی کی تاکید کی گئی

ہے:

”یا ایہا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوهکم

وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی

الکعبین“ (المائدہ ۵: ۶)

”اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو چاہیے کہ تم اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک دھولو۔“

کپڑوں کی طہارت کے لیے سورۃ المدثر میں یوں حکم ہے:

”وثيابك فطهر“ (المدثر ۷۴: ۴)

”اے نبی! اپنے کپڑوں کو پاک رکھئے۔“

اس کے علاوہ متعدد احادیث نبویہ میں بھی کپڑوں کی صفائی کی تفصیل ذکر کی گئی

ہے۔

ستر عورت:

☆: ”نماز پرھنے والا جسم کے ڈھانپنے والے اعضاء کو چھپائے اور مرد کے

ڈھانپنے والے اعضاء ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہیں اور گھٹنے ڈھانپنے والے اعضاء

میں شامل ہیں سوائے ناف کے (یعنی ناف شامل نہیں) اور آزاد عورت کا سارا جسم ہی

ڈھانپنے کے لائق ہے سوائے اس کے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کے۔ جو ہے ڈھانپنے

والا حصہ دیکھا ہے وہی لونڈی کا ہے اور اس کا پیٹ اور پشت بھی ستر میں شامل ہیں اور

اس کے سوا باقی جسم کا حصہ ستر میں شامل نہیں۔“

ستر کو ڈھانپنا بھی فرائض میں سے ہے۔ ”عورت“ کے معنی جسم کا وہ حصہ ہے جسے

چھپائے رکھنے کا شریعت نے حکم دیا ہے۔ مرد کے لیے ستر کی حدود گھٹنے سے لے کر ناف

تک ہیں۔ گھٹنے ستر میں داخل اور ناف خارج ہے۔

چنانچہ دارقطنی میں حدیث ہے:

”ماتحت السرة الى الركبة من العورة۔“

”ناف کے نیچے سے گھٹنے تک شرمگاہ ہے۔“

اسی طرح کا مضمون سنن ابی داؤد اور مسند امام احمد کی احادیث میں بھی ہے۔
آزاد عورت کا سارا جسم ستر ہے صرف ہاتھ پاؤں اور چہرہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔
چنانچہ ابوداؤد کی روایت میں ہے:

”ان الجارية اذا حاضت لم تصلح ان يرى منها ال اوجھها
ويدايها۔“

”جب لڑکی جوان ہو جائے تو اس کے چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ کوئی چیز
ظاہر نہ ہونی چاہئے۔“

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قرآن مجید کی اس آیت ”وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ
إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا“ (النور ۲۴: ۳۱) کی تفسیر میں فرماتی ہیں:
”ما ظہر منها سے مراد چہرہ اور ہاتھ ہیں۔“

(سنن بیہقی)

سنن ترمذی، مسند ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان نے روایت کیا ہے:

”المرأة عورة مستورة“

”عورت کا پورا جسم چھپانے کی چیز ہے۔“

یاد رہے کہ یہ روایات نماز میں ستر ڈھانپنے سے متعلق ہیں۔ ان میں پردے کا ذکر
نہیں کیا جا رہا ہے۔ پردے کا تذکرہ قرآن مجید کی اس آیت:

”يُدْنِينَ عَلْيَهُنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ“ (الاحزاب ۳۳: ۵۹)

”اپنی چادریں اپنے جسم پر لپیٹ کر چلیں۔“

میں ہے اور وہ ایک علیحدہ مسئلہ ہے۔

لونڈی کا ستر وہی ہے جو مرد کا ہے مگر اس کا پیٹ اور اس کی پیٹھ بھی ستر میں داخل ہے۔

کپڑے پاک نہ ہوں تو:

☆: ”جو شخص ایسی چیز نہ پائے جس سے غلاظت دور کر سکے تو وہ اس

غلاظت کے ساتھ ہی نماز پڑھے اور بعد میں نماز کو نہ لوٹائے۔“
 کپڑا اگر ناپاک ہو اور پلیدی زائل کرنے کے لیے پانی نہ ہو تو اسی کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے۔ اس میں فقہاء نے یہ تفصیل ذکر کی ہے کہ اگر کپڑے کا چوتھائی حصہ پاک ہو تو اس میں نماز جائز ہے اور اگر چوتھائی حصہ بھی پاک نہ ہو تو ننگا نماز پڑھنے سے بہر حال اس میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ یہ حالتِ مجبوری کا حکم ہے چونکہ نماز ادا ہوئی اب اس کا لوٹانا بھی ضروری نہیں۔

کپڑوں کی عدم موجودگی:

☆: ”اور جس کو کپڑا نہ مل سکے وہ ننگے ہی بیٹھ کر نماز پڑھ لے اور رکوع و سجود اشاروں سے کرے۔ پس اگر وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو یہ اس کے لیے کافی ہوگا اور پہلی بات (بیٹھ کر نماز پڑھنا) افضل ہے۔“
 اگر کپڑا موجود نہ ہو تو ننگے بدن نماز پڑھنا جائز ہے کیونکہ مجبوری ہے۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ کار ہی نہیں۔ نصب الرایہ شرح ہدایہ میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:
 ”اگر ایسی جگہ ہو جہاں لوگ دیکھ سکیں تو بیٹھ کر نماز پڑھے، ورنہ! کھڑے ہو کر پڑھے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے:

”جہاز میں نماز پڑھنے والا اور ننگا نماز پڑھنے والا دونوں بیٹھ کر نماز پڑھیں۔“

نیت:

☆: ”نماز کو شروع کرنے کے لیے ایسی نیت کرے کہ اس نیت اور تکبیر

تحریمہ کے درمیان کوئی فاصلہ ڈالنے والا فعل نہ ہو۔“

جو نماز پڑھی جا رہی ہو اس کی نیت کرنا ضروری ہے کیونکہ مشہور حدیث ہے:

”انما الاعمال بالنیات“

”عملوں کا دار و مدار نیت پر ہے۔“

(اصحیح البخاری)

نماز میں داخل ہونے کے لیے نیت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان دوسرا کوئی عمل رکاوٹ نہ بن جائے ورنہ نیت ختم ہو جائے گی اور نماز نہ ہوگی۔

نیت دل کا فعل ہے اس لیے زبان کے ساتھ نیت کے الفاظ ادا کرنا ضروری نہیں لیکن نیت میں یہ معین کرنا ضروری ہے کہ کون سی نماز اور کتنی رکعتیں پڑھ رہا ہے۔ البتہ نوافل میں رکعتوں کی تعداد وغیرہ کی تعیین بھی ضروری نہیں۔

استقبال قبلہ:

☆: ”نماز کے لیے قبلہ رخ ہو سوائے اس کے وہ خوف کی حالت میں ہو۔ اگر خوف کی حالت میں ہو تو وہ جس سمت بھی رخ کر سکتا ہو کر لے۔ پس اگر اسے قبلہ مشتبہ ہو جائے اور اس کے پاس کوئی ایسا شخص بھی موجود نہ ہو جس سے وہ اس کی بابت پوچھ ہی لے تو پھر وہ اپنی رائے سے کام لے اور نماز پڑھے۔ پس اگر نماز پڑھنے کے بعد اسے معلوم ہو کہ اُس نے قبلہ کے رخ کے بارے میں غلطی کی تھی تو اس پر نماز دوبارہ پڑھنا لازم نہیں اور اگر اُسے نماز کے دوران میں ہی معلوم ہو جائے تو پھر وہ قبلہ کی طرف گھوم جائے اور باقی ماندہ نماز کی بنیاد پڑھی گئی نماز ہی پر رکھے۔“

نماز کے لیے قبلہ کی طرف رخ کرنا لازمی شرط ہے۔

چنانچہ سورۃ البقرۃ کی آیت ہے:

”وحيث ما كنتم فولوا وجوهكم شطره۔“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 2، سورۃ البقرۃ، آیت نمبر)

”اور تم جہاں کہیں بھی ہو (نماز کے لئے) اپنے چہرے کعبہ کی طرف کر لو۔“

مکہ شریف میں رہنے والوں کے لیے کعبہ شریف کو سامنے رکھنا ضروری ہے اور

باہر والوں کے لیے کعبہ کی سمت کی طرف منہ کرنا لازم ہے۔

خوف کی حالت میں قبلہ رو ہونا لازمی نہیں بلکہ جس طرف بھی رخ کر سکے جائز ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

”فاینما تولوا فثم وجه الله“ (البقرہ ۲: ۱۱۵)

”تم جس طرف بھی پھرو اللہ کی ذات کو وہیں پاؤ گے۔“

خوف کی صورتیں کئی ہو سکتی ہیں۔ مثلاً دشمن کا خوف، درندے کے حملہ آور ہونے کا خوف کہ اگر رخ پھیرا تو حملہ کر دے گا یا سمندر میں کسی تختے پر بیٹھا ہوا ہے اور ڈر ہے کہ قبلہ رخ ہوا تو گر جائے گا وغیرہ۔

اسی طرح اگر مریض کے لیے قبلے کی طرف چہرہ کرنا سخت مشکل ہے اور اس کا چہرہ پھیرنے والا بھی کوئی نہیں تو وہ بھی اسی حکم میں داخل ہے۔

(فتح القدر)

اگر قبلہ کی سمت میں شک پڑ جائے اور کوئی ایسا آدمی موجود نہیں جس سے قبلہ کی سمت پوچھ سکے تو خود متعین کرنے کی کوشش کرے اور نماز پڑھ لے۔ بعد میں اگر پتہ چل جائے کہ صحیح سمت کون سی ہے تو منہ موڑ لے اور باقی نماز کو پہلی نماز پر بنا کر لے۔

قبلہ مشتبہ ہونے کے متعلق نبی کریم ﷺ کے زمانے کی مثال موجود ہے۔ ترمذی، ابن ماجہ، دارقطنی اور بیہقی نے کئی صحابہ سے روایت کیا ہے کہ لوگوں نے اندھیری رات میں مختلف سمتوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ جب حضور نبی کریم ﷺ کو پتہ چلا تو آپ ﷺ نے نماز دوبارہ ادا کرنے کا حکم نہ دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز درست ہو گئی۔

نماز کے اندر کعبہ کی سمت رخ پھیرنے کا مشہور واقعہ ہے کہ جب بیت المقدس سے کعبہ کی طرف تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا تو حضور نبی کریم ﷺ مسجد ذوالقبتین میں نماز ادا کر رہے تھے۔ حدیث میں الفاظ ہیں:

”نداروا کماہم“

”جس طرح وہ تھے انہوں نے رخ پھیر لیا۔“

یعنی صحابہ نے نماز اسی طرح جاری رکھی اور دوبارہ شروع سے ادا نہیں فرمائی۔ بناء کرنے سے مراد یہ ہے جس طرح عمارت کو بنیادوں پر تعمیر کیا جاتا ہے اسی طرح نماز کے بقیہ حصے کو پہلے سے ادا شدہ حصے پر جاری رکھا جاتا ہے اور پوری نماز نہیں لوٹائی جاتی۔



باب : ۴

نماز کی ادائیگی کی کیفیت

ابتدائیہ

اندرونِ نماز کی شرائط

ارکان نماز:

اس سے پہلے باب میں نماز کے اُن امور کا بیان ہوا ہے جو نماز کے شروع کرنے سے پہلے ضروری ہیں اور اس باب میں ان شرائط کا بیان ہے جو نماز کے اندر ہوتی ہیں۔ ان کو اركان نماز بھی کہتے ہیں۔ اگر ان اركان میں سے کوئی رکن ادا نہ ہو سکے تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔

ارکانِ صلوٰۃ یہ ہیں:

1: تکبیر تحریمہ:

اللہ اکبر کہہ کر نماز کو شروع کرنا۔

2: قیام:

ہاتھ باندھ کر قبلہ رو کھڑے ہونا۔

3: قرأت:

قرآن مجید کی تلاوت۔

4: رکوع:

اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے آپ کو اتنا جھکا دینا کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں۔

5: سجود:

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی پیشانی زمین پر رکھ کر عاجزی کا اظہار کرنا۔

6: آخری قعدہ:

عاجزی کے اظہار کے بعد اپنا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کے برگزیدہ بندوں پر درود و سلام اور اپنے واسطے دعا کرنا۔

ساتواں رکن: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک ساتواں رکن بھی

ہے اور وہ ہے:

”خروج المصلی بصلوٰۃ عن الصلوٰۃ۔“

”نماز پڑھنے والے کا اپنی مرضی اور اپنے عمل سے نماز سے باہر آنا۔“

واجباتِ صلوٰۃ:

ان اعمال کا درجہ ارکان سے کم ہے کیونکہ ان کے چھوڑنے سے نماز ٹوٹتی نہیں بلکہ نماز کے اجر و ثواب میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور اسے پورا کرنے کے لیے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔

نماز کے واجبات یہ ہیں:

- 1: سورہ فاتحہ کی قرأت۔
- 2: فرضوں کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ الفاتحہ کی قرأت۔
- 3: فرضوں کی پہلی دو رکعتوں اور سنت و نفل کی تمام رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد ایک لمبی آیت یا تین چھوٹی آیتوں کا پڑھنا۔
- 4: قیام، رکوع اور سجود میں ترتیب رکھنا۔
- 5: قومہ یعنی رکوع سے سر اٹھا کر تھوڑی دیر قیام کرنا۔
- 6: دو رکعتوں کے بعد قعدہ یا قعدہ اولیٰ کرنا۔
- 7: جلسہ یعنی دو سجدوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھنا۔
- 8: تعدیل ارکان یعنی نماز کے ارکان کو اطمینان سے ادا کرنا۔
- 9: جہری نمازوں میں جہر سے قرأت کرنا اور سری نمازوں میں آہستہ آہستہ قرأت

کرنا۔

- 10: ہر قعدہ میں تشہد پڑھنا۔
 11: السلام علیکم کہہ کر نماز سے باہر آنا۔
 12: نماز وتر میں دعائے قنوت پڑھنا۔
 13: عیدین کی نماز میں تکبیریں کہنا۔
 14: مقتدی کا امام کی اتباع کرنا۔
 15: مقتدی کا امام کے پیچھے قرأت نہ کرنا۔
 16: سجدہ تلاوت ادا کرنا۔

نماز کی سنتیں:

سنتوں کے ترک کرنے سے نماز میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی اور نہ ہی سجدہ سہوا ادا کرنا پڑتا ہے لیکن ان کے ادا کرنے سے اجر و ثواب میں اضافہ ہوتا ہے اور رسول اکرم ﷺ کی متابعت اور اتباع بھی ہو جاتی ہے۔ نماز میں درج ذیل سنن ہوتی ہیں:

- 1: تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھوں کو کانوں کی لوتک اٹھانا۔
 2: امام کا تکبیر اونچی آواز سے کہنا۔
 3: ناف پر دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا۔
 4: ثناء پڑھنا۔
 5: اعوذ باللہ پڑھنا۔
 6: بسم اللہ پڑھنا۔
 7: فرض نماز کی آخری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنا۔
 8: جب امام والضالین پڑھے تو آمین کہنا۔
 9: مسنونہ قرأت کرنا۔
 10: رکوع و سجود کے وقت تکبیر کہنا۔

- 11: رکوع و سجود میں تین بار تسبیحات پڑھنا۔
- 12: رکوع میں گھٹنوں کو انگلیوں سے پکڑنا۔
- 13: امام کا سمع اللہ اور مقتدی کا ربنا لک الحمد کہنا۔
- 14: منفرد کا سمع اللہ اور ربنا لک الحمد دونوں کہنا۔
- 15: سجدہ کرتے ہوئے ہاتھوں اور انگوٹھوں کا پیشانی سے پہلے رکھنا۔
- 16: سجدے میں ہاتھوں کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف رکھنا۔
- 17: جلسہ اور تشہد کے وقت بائیں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھنا اور دایاں پاؤں کھڑا رکھنا۔
- 18: جلسہ اور تشہد کے وقت دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھنا۔
- 19: اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتے ہوئے شہادت کی انگلی کو اٹھانا۔
- 20: آخری قعدہ میں درود مسنونہ پڑھنا۔
- 21: سلام کے وقت چہرہ دائیں بائیں پھیرنا۔
- 22: سلام پھیرتے ہوئے فرشتوں اور مقتدیوں پر سلام کی نیت کرنا۔
- 23: پہلے دائیں طرف پھر بائیں طرف سلام پھیرنا۔

مستحبات نماز:

نماز میں مستحبات کے چھوڑنے پر کوئی مواخذہ نہیں لیکن ان کی ادائیگی سے اجر و ثواب اور نماز کے حسن میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

نماز کے مستحبات یہ ہیں:

- 1: تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے اگر چادر اوڑھے ہوئے ہو تو مرد اپنے ہاتھ اُس سے باہر نکال لے لیکن عورت کے لیے ہاتھ چادر کے اندر رکھنا مستحب ہے۔
- 2: قیام کے وقت سجدہ کی جگہ پر، رکوع میں پیروں پر، جلسے اور قعدے میں گھٹنوں پر نگاہ رکھے۔

- 3: کھانسی کو ممکنہ حد تک روکنا۔
 4: جماہی کو روکنا۔
 5: تین بار سے زائد رکوع و سجود میں تسبیحات پڑھنا۔
مکروہات نماز:

مندرجہ ذیل اعمال سے نماز میں کراہت یعنی ناپسندیدگی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے:

- 1: سنت طریقے کے خلاف کپڑے پہننا۔
 2: کپڑوں یا ہاتھوں کو جھاڑنا۔
 3: سجدے کی جگہ صاف کرنے کے لیے منہ سے بار بار پھونکنا۔
 4: بلا ضرورت بالوں اور کپڑوں سے کھیلنا۔
 5: سستی کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھنا۔
 6: پیشاب، پاخانہ یا ریح کے دباؤ کی حالت میں نماز پڑھنا۔
 7: انگلیاں چٹخانا۔
 8: نماز میں کمر یا گولہ پر ہاتھ رکھنا۔
 9: قبلے کی سمت سے چہرہ پھیر لینا۔
 10: سجدے میں کہنیوں کو زمین پر رکھنا جبکہ عورتوں کے لیے کہنیاں پیٹ سے ملا کر رکھنا افضل ہے۔
 11: اپنے ارادے سے جماہی لینا۔
 12: کسی ایسے آدمی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جس کا چہرہ نمازی کی طرف ہو۔
 13: ہاتھ یا سر کے اشارے سے سلام کا جواب دینا۔
 14: اگلی صف میں جگہ کے باوجود پچھلی صف میں اکیلے نماز پڑھنا۔
 15: صرف پیشانی یا ناک یا عمائے پر سجدہ کرنا۔
 16: بلا عذر آلتی پالتی مار کر بیٹھنا۔

- 17: آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنا۔
 18: قرأت کا کچھ حصہ رکوع میں مکمل کرنا۔
 19: کپڑے یا مصلے پر تصویریں وغیرہ بنانا۔
 20: امام کے قدموں کا محراب کے اندر ہونا۔
 21: نمازوں میں قرآنی آیات کی ترتیب کے خلاف قرأت کرنا۔
 22: نماز کی سنن میں سے کسی سنت کا ترک کرنا۔
 23: سجدے کی حالت میں دونوں پاؤں کا زمین سے اٹھانا۔
 24: نماز میں انگڑائی لینا۔
 25: نماز کی تسبیحات کا انگلیوں پر گننا۔
 26: منہ میں کوئی چیز رکھ کر نماز پڑھنا۔
 27: نماز میں کسی خاص سورت کا مقرر کر لینا کہ اس کے علاوہ کوئی اور سورت نہ پڑھنا۔

مفسدات نماز:

- مفسدات نماز سے مراد وہ اعمال و افعال ہیں جن سے نماز ٹوٹ جاتی ہے اور از سر نو نماز پڑھنا لازم ہوتا ہے۔
- 1: نماز میں بات چیت کرنا۔
 - 2: دوران نماز قرآن مجید کی دیکھ کر تلاوت کرنا۔
 - 3: نماز کی شرائط میں سے کوئی شرط پوری نہ کرنا اور اسے چھوڑ دینا۔
 - 4: نماز کے واجبات میں سے کوئی واجب ترک کر دینا۔
 - 5: سجدہ سہواً نہ کرنا۔
 - 6: فرائض نماز میں سے کوئی فرض چھوٹ جائے۔
 - 7: بلا عذر رکھنا۔

- 8: درد یا تکلیف کی وجہ سے رونا یا آہ بھرنا (اگر جنت اور دوزخ کے ذکر کی وجہ سے آہ نکل جائے تو اس سے نماز نہیں ٹوٹتی)۔
- 9: ایک چنے کے برابر یا زائد چیز کا ارادے یا بھولے سے نکل جانا۔
- 10: بلا عذر چند قدم چلنا۔
- 11: کوئی ایسا عمل کرنا کہ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ نماز نہیں پڑھ رہا ہے۔
- 12: قرأت میں ایسی غلطی کرے کہ معنی بدل جائے۔
- 13: کھلکھلا کر ہنسنے۔
- 14: عورت کا مرد کے ساتھ ایک رکن کی ادائیگی جتنی دیر کھڑے رہنا۔
- 15: کسی لکھی ہوئی چیز کو زبان سے پڑھنا (اگر دل میں پڑھے یا صرف مطلب سمجھے تو نماز فاسد نہ ہوگی)۔

اس باب کی دو فصول ہیں:

- 1: ارکان نماز کے بیان میں۔
- 2: مستحبات، سنن اور واجبات نماز کے بیان میں۔



اركان وسنن نماز

”فرائض الصلوة ستة، التحريمة والقيام والقراءة و الركوع والسجود والقعدة الاخيرة مقدار التشهد وما زاد على ذلك فهو سنة. و اذا دخل الرجل في صلوته كبر ورفع يديه مع التكبير حتى يحاذي بابهاميه شحمة اذنيه فان قال بدلا من التكبير الله اجل او اعظم او الرحمن او الكبر اجزاء عند ابى حنيفة و محمد رحمهما الله تعالى وقال ابو يوسف رحمه الله لا يجوز الا ان يقول الله اكبر او الله اكبر او الله الكبير و يعتمد بيده اليمنى على اليسرى ويضعهما تحت السرة ثم يقول سبحانك اللهم وبحمدك و تبارك اسمك وتعالى جدك ولا اله غيرك ويستعين بالله من الشيطان الرجيم ويقرأ بسم الله الرحمن الرحيم ويسر بهما ثم يقرأ فاتحة الكتاب و سورة معها او ثلاث آيات قصار او اية طويلة مثل اية الكرسي او آية المدينة من اى سورة شاء و اذا قال الامام ولا الضالين قال امين ويقولها الموتم ويخفيها ثم يكبر ويركع ويعتمد بيديه على ركبتيه ويفرج اصابعه ويبسط ظهره ولا يرفع رأسه ولا ينكسه ويقول في ركوعه سبحان ربي العظيم ثلاثا وذلك ادناه ثم يرفع راسه ويقول سمع الله لمن حمده و يقول الموتم ربنا لك الحمد فاذا استوى قائما كبر وسجد واعتمد بيديه على الارض ووضع وجهه بين كفيه وسجد على انفه وجبهته فان اقتصر على احد هما جاز عند ابى

حنيفة رحمه الله و قالالا يجوز الاقتصار على الانف الامن عذر
 فان سجد على كور عمامته او على فاضل ثوبه جاز ويدي ضبعيه
 ويجافى بطنه عن فخذه ويوجه اصابع رجليه نحو القبلة ويقول
 في سجود ه سبحان ربي الاعلى ثلاثا و ذلك ادناه ثم يرفع رأسه
 ويكبر واذا اطمأن جالسا كبر وسجد فاذا اطمأن ساجدا اكبر
 واستوى قائماً على صدور قدميه ولا يقعد ولا يعتمد بيديه على
 الارض ويفعل في الركعة الثانية مثل ما فعل في الاولى الا انه
 لا يستفتح ولا يتعوذ ولا يرفع يديه الا في التكبيرة الاولى۔
 فاذا رفع رأسه من السجدة الثانية في الركعة الثانية افترش رجله
 اليسرى فجلس عليها ونصب اليمنى نصاباً ووجه اصابعه
 نحو القبلة ووضع يديه على فخذه ويبسط اصابعه ثم يتشهد
 والتشهد ان يقول التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك
 ايها النبي ورحمة الله و بركاته السلام علينا وعلى
 عباد الله الصالحين اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده
 ورسوله و لا يزيد على هذا في القعدة الاولى ويقرأ في الركعتين
 الاخرين بفاتحة الكتاب خاصة فاذا جلس في اخر الصلوة
 جلس كما جلس في الاولى وتشهد وصلى على النبي صلى
 الله عليه وسلم ودعا بما شاء مما يشبه الفاظ القران والادعية
 الماثورة ولا يدعو بما يشبه كلام الناس ثم يسلم عن يمينه ويقول
 السلام عليكم ورحمة الله ويسلم عن يساره مثل ذلك۔“

”نماز کے فرائض چھ ہیں۔ تکبیر تحریمہ، قیام، قرأۃ، رکوع، سجدے اور آخری
 قعدہ بمقدار تشهد۔ جو اس سے زیادہ ہے وہ سنت (مستحب) ہے اور جب

آدی اپنی نماز شروع کرے تو اللہ اکبر کہے اور اپنے دونوں ہاتھ تکبیر کے ساتھ بلند کرے یہاں تک کہ اپنے دونوں انگوٹھوں کو اپنے دونوں کانوں کی لو تک برابر کر دے، پس اگر اس نے اللہ اکبر کے بدلے میں اللہ اجل یا اللہ اعظم یا رحمٰن اکبر کہہ دیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ کافی ہے اور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی۔ امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ سوائے اللہ اکبر یا اللہ الاکبر یا اللہ الکبیر کے کچھ اور کہنا جائز نہیں اور نمازی اپنے دائیں ہاتھ کو اوپر رکھ کر اس سے بائیں ہاتھ کو تھام لے اور دونوں ہاتھوں کو ناف سے نیچے باندھے پھر ”سبحانک اللہم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الہ غیرک“ پڑھے۔ پھر ”اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم“ اور ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھے۔ تعوذ و تسمیہ دونوں پست آواز میں کہے پھر سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورہ پڑھے یا تین چھوٹی آیتیں یا ایک لمبی آیت جیسے آیت الکرسی اور آیت مدینہ ہے، جس سورہ سے چاہے پڑھے۔ جب امام ولا الضالین کہے تو آمین بھی کہے۔ مقتدی بھی آمین کہے اور زیر لب کہے پھر (قرآۃ کے بعد) اللہ اکبر کہہ کر رکوع کرے، اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے دونوں گھٹنوں پر سہارا لے، اپنی انگلیاں کھول کر رکھے، اپنی پشت کو پھیلائے اور نہ سر کو بلند رکھے نہ بہت زیادہ جھکا دے۔ اپنے رکوع میں تین بار سبحان ربی العظیم کہے۔ یہ کم از کم مقدار ہے (اس سے زیادہ جتنی بار چاہے کہے) پھر سر اٹھائے اور کہے سمع اللہ حمدہ اور مقتدی ربنا لک الحمد کہے، پس جب وہ بالکل سیدھا کھڑا ہو جائے تو اللہ اکبر کہہ کر سجدہ کرے، اپنے دونوں ہاتھوں سے زمین پر سہارا لے، اپنا چہرہ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھے اور ناک اور پیشانی دونوں پر سجدہ کرے۔ پس اگر دونوں میں سے کسی ایک پر بھی اکتفا کرے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز

ہے لیکن امام ابوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سوائے عذر کے صرف ناک پر سجدہ کرنا جائز نہیں۔ پس اگر اپنی پگڑی کے زائد کپڑے پر سجدہ کرے تو جائز ہے۔ اپنے دونوں بازوؤں والے پہلو کھول کر رکھے، پیٹ کو رانوں سے الگ رکھے، اپنے دونوں بازوؤں کی انگلیوں کا رُخ قبلہ کی طرف رکھے اور سجدوں میں تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہے۔ یہ کم از کم مقدار ہے (اس سے زیادہ جتنی بار چاہے کہے) پھر اپنا سر اٹھا کر اللہ اکبر کہے اور جب اطمینان سے بیٹھ چکے تو اللہ اکبر کہہ کر سجدہ کرے، پس جب اطمینان سے سجدہ کرے تو اللہ اکبر کہے اور سیدھا کھڑا ہو جائے، اپنے پاؤں کے اگلے حصوں کے بل اور نہ ہی بیٹھے اور نہ ہی اپنے ہاتھوں سے زمین پر سہارا لے۔ وہ دوسری رکعت میں بھی وہی کچھ کرے جو اس نے پہلی رکعت میں کیا تھا۔ لیکن اب وہ نہ افتتاحیہ کلمات پڑھے اور نہ تعوذ و تسمیہ اور نہ ہی پہلی تکبیر کے سوا اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کرے۔ پھر جب دوسری رکعت میں دوسرے سجدے سے سر اٹھائے تو اپنا بائیں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور دائیں پاؤں کو اس طرح سے کھڑا کرے کہ اس کی انگلیوں کا رُخ قبلہ کی طرف ہو۔ اپنے دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھے اور اپنی انگلیوں کو پھیلائے، پھر تشهد پڑھے اور تشهد یہ ہے: ”التحیات للہ والصلوات والطیبات السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبده ورسوله“ قعدہ اولیٰ میں اس سے زیادہ کچھ نہ پڑھے اور دوسری دو رکعتوں میں صرف فاتحہ الکتاب ہی پڑھے۔ پس جب نماز کے آخر میں بیٹھے تو اس طرح بیٹھے جیسے قعدہ اولیٰ میں بیٹھا تھا۔ تشهد پڑھے اور نبی کریم ﷺ پر درود پڑھے۔ قرآنی الفاظ اور مسنون دعاؤں سے ملتے جلتے الفاظ میں جو دعا چاہے مانگے۔ ان الفاظ میں دعائیں نہ مانگے جو

لوگوں کے کلام سے ملتے جلتے ہوں۔ پھر اپنے دائیں جانب سلام پھیرے اور کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور پھر اپنے بائیں جانب سلام پھیرے اور یہی الفاظ (السلام علیکم ورحمۃ اللہ) کہے۔

مفردات:

التشهد: تشهد التحیات للذات عبدہ ورسولہ پڑھنا ہے۔

یحاذی: برابر کرے۔

ابہامیہ: اس کے دونوں انگوٹھے۔ یہ ابہام کا ثنیہ ہے۔

شحمة: کان کی لو۔

اجزائه: اُسے کافی ہے۔

یعمد: سہارا لے۔

یضعهما: دونوں ہاتھ رکھ دے۔

یستعید: اعوذ باللہ پڑھے۔

یسر: آہستہ پڑھے۔

شاء: وہ چاہے۔

الموتم: مقتدی۔

یخفیہا: چھپائے۔ مراد ہے آہستہ پڑھے۔

یفرج: کھول کر رکھے۔

اصابعہ: اپنی انگلیاں۔ یہ اصبع کی جمع ہے۔

ییسط: پھیلا دے۔ بچھا دے۔

لا ینکسہ: جھکا نہ دے۔

ادناہ: مت تم۔

استوی: ہموار ہوا یعنی سیدھا ہوا۔

جبهة: پیشانی۔ ماتھا۔

کور: بل یا پیٹ۔

عمامہ: پگڑی۔ پگ

فاضل: زائد۔ بچا ہوا۔

یبدی: ظاہر کرے۔

ضبعیہ: دونوں بازو۔ ضبعین کا واحد ضبع ہے۔

فخذ: ران۔

يجافى: دور رکھے۔ الگ رکھے۔

یوجہ: رخ کرے۔

نحو القبلة: قبلے کی طرف۔

اطمان: آرام کیا۔ مطمئن ہوا۔

صدور قدمیہ: سینہ۔ یہاں مراد ہے قدموں کے سروں پر سیدھا اٹھ جائے۔ صدور کا واحد صدر ہے۔

لا یستفتح: افتتاح نہ کرے۔ مراد ہے سبحانک اللہم نہ پڑھے۔

افترش: فرش بنائے۔ بچھا دے۔

الادعیة: دعائیں۔ یہ دعا کی جمع ہے۔

الماثورة: نقل کی گئی۔ مراد وہ دعائیں ہیں جو احادیث میں منقول ہیں۔

مسائل و دلائل

ارکان نماز:

☆: ”نماز کے فرائض چھ ہیں۔“

امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے اب ان شرائط کو بیان فرمایا ہے کہ جو نماز میں لازمی

ہوتی ہیں۔ ان کو ارکان نماز بھی کہتے ہیں۔ اگر ان ارکان میں سے کوئی رکن ادا نہ ہو سکے تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔

صاحب قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ نماز کے چھ فرائض ہیں۔ ان فرائض کی تفصیل درج ذیل ہے:

- 1: تکبیر تحریمہ:
اللہ اکبر کہہ کر نماز کو شروع کرنا۔
 - 2: قیام:
ہاتھ باندھ کر قبلہ رو کھڑے ہونا۔
 - 3: قرأت:
قرآن مجید کی تلاوت۔
 - 4: رکوع:
اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے آپ کو اتنا جھکا دینا کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں۔
 - 5: سجود:
اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی پیشانی زمین پر رکھ کر عاجزی کا اظہار کرنا۔
 - 6: آخری قعدہ:
عاجزی کے اظہار کے بعد اپنا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کے برگزیدہ بندوں پر درود و سلام اور اپنے واسطے دعا کرنا۔
- ساتواں رکن:** امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک ساتواں رکن بھی ہے اور وہ ہے:

”خروج المصلی بصلوٰۃ عن الصلوٰۃ۔“

”نماز پڑھنے والے کا اپنی مرضی اور اپنے عمل سے نماز سے باہر آنا۔“

تکبیر تحریمہ:

☆: ”نماز کا پہلا رکن تکبیر تحریمہ ہے۔“

نماز شروع کرنے سے پہلے ہاتھ اوپر اٹھا کر اللہ اکبر کہنے پر وہ تمام چیزیں حرام ہو جاتی ہیں جو اس سے پہلے جائز تھیں اس لیے اس کو تکبیر تحریمہ یا تکبیر اولیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ ابو حمید ساعدی سے بخاری، ترمذی، ابوداؤد نے حدیث روایت کی ہے کہ حضور ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے۔

مستدرک، دارقطنی اور طحاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ ہاتھوں کو کانوں کی لوتک لے جاتے تھے۔ امام مسلم نے مالک بن حورث رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے:

”رفع یدیه حتی یحاذی بہما اذنیہ“

”تو اپنے ہاتھ بلند کرتے یہاں تک کہ انہیں کانوں کے برابر لے جاتے تھے۔“

اُن کی دلیل ابو حمید ساعدی کی حدیث ہے جو اوپر بیان کی گئی۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب ہاتھ کی ہتھیلیاں کندھوں تک ہوں گی تو انگلیاں کانوں کے برابر پہنچ چکی ہوں گی اور اس طرح دونوں حدیثوں پر عمل بھی ہو جائے گا۔ عورت کے لیے کندھوں تک ہاتھ اٹھانا سنت ہے۔

تکبیر کے الفاظ:

دوسرا اختلاف تکبیر تحریمہ کے الفاظ میں ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک **اللہ کبر** کی بجائے **اگر اللہ اعظم یا اللہ اجل یا الرحمن اکبر** کہہ دے تو بھی درست ہے لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک **اللہ اکبر یا اللہ الکبیر** کے سوا کوئی لفظ کہنا جائز نہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے کہ قرآن مجید کی یہ آیات ہیں:

”وَرَبِّكَ فَكْبِرُ“ (المدثر ۷۴: ۳)

”اپنے رب کی بڑائی بیان کرو“

اور

”وَذَكَرِ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلِّ“ (الاعلیٰ ۸۷: ۱۵)

”اللہ کا نام ذکر کیا اور نماز پڑھی۔“

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”جس لفظ سے بھی بڑائی بیان کی جائے تکبیر کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔“

”فتح القدیر“ میں ہے کہ افضل یہی ہے کہ اللہ اکبر کہا جائے اور اسی پر سب

ائمہ کا اتفاق ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ آیا دوسرے

الفاظ کہنے سے نماز جائز ہو جاتی ہے یا نہیں۔ ورنہ! افضلیت میں کوئی اختلاف نہیں۔

قیام:

☆: ”دوسرا رکن قیام ہے۔“

قرآن مجید کی آیت ہے:

”وَقَوْمًا لِّلّٰهِ قَانِتِينَ“ (البقرة ۲: ۲۲۸)

”اور اللہ کے لیے عجز و نیاز سے کھڑے ہو جاؤ۔“

ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا عجز و نیاز کی علامت ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے

مسلک میں قیام کے وقت ہاتھ ناف پر باندھنا چاہئے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام

احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہاتھ سینے پر باندھنا درست ہے۔ عورت کے لیے

بالا اتفاق ہاتھ سینے پر باندھنا سنت ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے:

”ان من السنة وضع اليمين على الشمال تحت السرة۔“

”سنت یہ ہے کہ دایاں ہاتھ بائیں کے اوپر ناف کے نیچے رکھے۔“

(سنن ابی داؤد)

چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے سنت کہا ہے۔ لہذا یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

ناف کے نیچے دایاں ہاتھ بائیں پر اس طرح رکھے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کے گٹ کی پشت پر آجائے اور چھنگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنا کر انہیں ایک دوسرے سے ملا دے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کھلے چھوڑ دینے چاہئیں۔

قرأت:

☆: ”تیسرا رکن قرأت ہے۔“

نماز میں قرأت کی فرضیت قرآن مجید کی اس آیت سے ثابت ہے:

”فاقرؤا ما تیسر من القرآن“ المزمّل ۷۳: ۲۰

”قرآن میں سے جو آسان ہو اُس کی قرأت کرو۔“

سورۃ فاتحہ کا ہر رکعت میں پڑھنا ضروری ہے اور اُس کے ساتھ قرآن مجید کی ایک لمبی آیت یا تین چھوٹی آیات ملانا ضروری ہے۔

رکوع:

☆: ”چوتھا رکن رکوع ہے۔“

رکوع اللہ تعالیٰ کے حضور عجز و نیاز کی کیفیت کا نام ہے۔ جس میں سر جھک جاتا ہے اور ہاتھ گھٹنوں پر ہوتے ہیں اور زبان پر سبحان ربی العظیم کے الفاظ تین بار کم از کم کہے جاتے ہیں۔

سجود:

☆: پانچواں رکن سجود ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کے سامنے سر زمین پر رکھ کر پیشانی، ناک، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پیر زمین پر ٹکا کر سبحان ربی الاعلیٰ کے الفاظ کے ساتھ عاجزی کا اظہار کیا جاتا ہے۔

آخری قعدہ:

☆: ”چھٹا رکن آخری قعدہ ہے۔“

آخری قعدہ کی فرضیت رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے ثابت ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو تشہد سکھانے کے بعد فرمایا:

”اذا قلت هذا او فعلت هذا فقد تمت صلواتك۔“

”جب تو یہ کہہ دے یا یہ کر چکے تو تیری نماز پوری ہوگئی۔“

آپ ﷺ نے نماز کی تکمیل کو آخری قعدہ سے معلق فرمایا یہی اس کی فرضیت کی

دلیل ہے۔

خروج: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز کا ساتواں فرض نماز سے اپنے ارادے اور عمل سے باہر آنا ہے۔ جو دائیں اور بائیں سلام کرتے وقت اپنا چہرہ پھیرنے سے ادا ہو جاتا ہے۔ یہ گویا نماز کے اختتام کا اظہار ہے۔ دوسرے ائمہ کے نزدیک یہ فرض نہیں ہے۔

ثناء پڑھنا:

☆: پھر ”سبحانک اللہم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک

ولالہ غیرک“ پڑھے۔“

تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء پڑھنا چاہئے۔ ثناء کے لیے سبحانک اللہم کے الفاظ

حدیث سے ثابت ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرض نمازوں میں صرف ثناء پر اکتفا کرنا افضل ہے۔ نوافل میں ثناء کے ساتھ دوسری دعائیں جو احادیث میں منقول ہیں وہ بھی پڑھنی چاہئیں۔ مثلاً: ”انی وجہت وجہی للذی فطر السموت..... الخ۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرائض اور نوافل سب نمازوں میں ثناء کے ساتھ دوسری منقولہ دعائیں پڑھنا بھی مستحب ہے۔

حدیث صحیح میں امام کو نماز میں تخفیف کا حکم دیا گیا ہے لہذا دعاؤں میں طوالت اُس۔ روح کے منافی ہے جسے شریعت نے فرض نمازوں میں پسندیدہ قرار دیا ہے۔

اعوذ باللہ اور بسم اللہ کی قرأت:

☆: پھر ”اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم“ اور ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھے۔ تعوذ و تسمیہ دونوں پست آواز میں کہے۔ ثناء کے بعد اعوذ باللہ اور بسم اللہ سے قرأت کا آغاز کرے لیکن تعوذ اور تسمیہ آہستہ پڑھے۔

قرآن مجید میں ارشاد بانی ہے:

”واذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطن الرجیم“ (النحل ۱۶:

(۹۸)

”اور جب آپ قرآن مجید کی قرأت کریں تو تعوذ پڑھ لیا کریں۔“

بسم اللہ بھی سورۃ فاتحہ کے شروع میں موجود ہے۔ دونوں کے آہستہ پڑھنے کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ، حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم قرأت الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے۔

(اصح البخاری، باب ملقر وأبعد التکبیر)

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ ذکر کئے ہیں:

”فما اسمع احدا منهم یقراء بسم اللہ الرحمن الرحیم۔“

”میں نے رسول اللہ ﷺ، ابو بکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم

میں سے کسی کو بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے نہیں سنا۔

بعض احادیث میں اگرچہ رسول اللہ ﷺ کا بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھنا بھی

ثابت ہے لیکن وہ تعلیم پر محمول ہے۔ بعض دفعہ آپ ﷺ لوگوں کو تعلیم دینے کے لیے

ایسا کرتے تھے۔ جب کہ سنت دائمہ آہستہ پڑھنا تھی۔

آمین کہنا:

☆: جب امام ولا الضالین کہے تو آمین بھی کہے۔ مقتدی بھی آمین کہے

اور زیر لب کہے۔“

جب امام ولا الضالین کہے تو امام اور مقتدی دونوں آمین کہیں۔ حضرت ابو ہریرہ

رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اذا امن الامام فامنوا فانه من وافق تامينه تامين الملائكة غفر له

ما تقدم من ذنبه“

”جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین

کے موافق ہوئی ان کے پہلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔“

(اصح البخاری) (اصح المسلم)

آمین آہستہ کہنی چاہئے۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔ امام مالک

رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آمین

اونچی آواز سے کہنا افضل ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ امام اور مقتدی دونوں

کے لیے آمین بالجبر کے قائل ہیں جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام کے لیے اونچی اور مقتدی کے لیے آہستہ آمین کے قائل ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل قرآن مجید کی آیت ہے:

”ادعوا ربکم تضرعاً وخفیة۔“

”اپنے رب کو عاجزی اور آہستہ سے پکارو۔“

(القرآن المجید، سورۃ الاعراف، آیت نمبر 55)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”آمین بھی دعا ہے۔ لہذا آہستہ کہنا افضل ہے۔“

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز

پڑھائی اور جب ولا الضالین پر پہنچے تو آمین کہا۔

”واخفی بہا صوتہ۔“

”اور آمین آہستہ آواز میں کہی۔“

(مسند امام احمد) (متدرک للحاکم) (دارقطنی) (طبرانی)

یہاں یہ بات یاد رہے کہ نماز کے متعلق ائمہ کے جس قدر اختلافات ہیں سب افضلیت اور غیر افضلیت کے بارے میں ہیں۔ ایک مجتہد آمین بالجبر کو زیادہ بہتر قرار دیتا ہے تو دوسرا آمین بالاخفاء کو اولیٰ سمجھتا ہے۔ دونوں کے نزدیک دونوں طرح جائز ہے۔ صرف ایک مسئلہ ایسا ہے جس میں اختلاف شدید ہے کہ ایک فریق اُسے جائز اور دوسرا اُسے فرض قرار دیتا ہے اور وہ مسئلہ امام کے پیچھے نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا ہے۔ احناف اسے جائز و واجب اور باقی تینوں امام اسے فرض کہتے ہیں۔ دونوں طرف دلائل موجود ہیں لیکن احناف کے دلائل زیادہ قوی ہیں۔ ان کی کچھ تفصیل ہم نے باب القراءۃ میں دی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

رکوع:

☆: ”پھر (قراءۃ کے بعد) اللہ اکبر کہہ کر رکوع کرے، اپنے دونوں ہاتھوں

سے اپنے دونوں گھٹنوں پر سہارا لے، اپنی انگلیاں کھول کر رکھے، اپنی پشت کو پھیلائے اور نہ سر کو بلند رکھے نہ بہت زیادہ جھکا دے۔ اپنے رکوع میں تین بار سبحان ربی العظیم کہے۔ یہ کم از کم مقدار ہے (اس سے زیادہ جتنی بار چاہے کہے) پھر سر اٹھائے اور کہے سمع اللہ لمن حمدہ اور مقتدی ربنا لک الحمد کہے۔“

رکوع میں جاتے ہوئے تکبیر کہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نماز کے ہر خفض و رفع اور قیام و قعود میں تکبیر کہا کرتے تھے۔ نسائی نے روایت کیا ہے:

”کان النبی ﷺ تکبیر فی کل خفض و قیام و قعود۔“

اسی مضمون کی احادیث ترمذی، مسند احمد، مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی موجود ہیں۔ حالت رکوع میں رسول اللہ ﷺ اپنی پیٹھ مبارک کو اس قدر سیدھا اور برابر رکھتے تھے کہ اگر اس پر پانی بھی بہایا جاتا تو ٹھہر جاتا۔ چنانچہ حضرت والبصر بن معد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”رایت رسول اللہ ﷺ یصلی فکان اذار کع سوی ظہرہ حتی

لو صب علیہ الماء لاستقر۔“

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا۔ جب آپ رکوع فرماتے تو

پیٹھ برابر رکھتے کہ اگر اس پر پانی بھی بہایا جاتا تو گرنے نہ پاتا۔“

ترمذی میں حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

”رکع ثم اعتدل فاء یصوب رأسہ ولم یقنع۔“

”رسول اللہ ﷺ نے رکوع کیا پھر جسم کو برابر کیا نہ تو سر کو اوپر اٹھایا اور نہ ہی

نیچے جھکایا۔“

حدیث مبارکہ میں ہے:

”رکوع میں تین مرتبہ سبحان ربی العظیم اور سجدے میں تین مرتبہ

سبحان ربی الاعلیٰ کہے۔ یہ ادنیٰ درجہ ہے۔“

(سنن ابی داؤد) (سنن ترمذی) (سنن ابن ماجہ)

تین مرتبہ تسبیح کہنا سنت ہے اور اس سے زیادہ کہنا مستحب۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک امام جب رکوع سے سر اٹھائے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی ربنا لك الحمد کہے۔ صحاح ستہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

”اذ قال الامام سمع اللہ لمن حمدہ تقولوا ربنا لك الحمد“

”جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لك الحمد کہو۔“

اس سے معلوم ہوا کہ امام صرف سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی ربنا لك الحمد کہے۔

صاحبین فرماتے ہیں:

”امام سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا لك الحمد دونوں کہے۔ ہاں ”ربنا لك الحمد“ آہستہ کہے۔

تعدیل ارکان:

☆: ”پس جب وہ بالکل سیدھا کھڑا ہو جائے۔“

رکوع سے اٹھ کر تکبیر کہے، سیدھا کھڑا ہو پھر تکبیر کہہ کر سجدے میں جائے۔ دونوں سجدوں کے درمیان کچھ دیر بیٹھے، اسی طرح رکوع و سجود کے درمیان کچھ دیر توقف کرے۔ اس کو تعدیل ارکان کہتے ہیں۔ تعدیل ارکان امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرض نہیں لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرض ہے۔

سنن ابوداؤد، سنن ترمذی اور سنن نسائی میں ایک اعرابی کا واقعہ ہے جس نے رکوع و سجود قومہ اور جلسہ پوری طرح ادا نہیں کیا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اُسے نماز لوٹانے کا حکم دیا۔ جب اس نے آپ ﷺ سے نماز لوٹانے کی وجہ پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”اذاتمت الى الصلوة فكبر ثم اقرأ ما تيسر معك من القرآن ثم اركع حتى تطمئن راكعا ثم ارفع حتى تعدل قائما ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا ثم اجلس حتى تطمئن جالسا ثم افعل ذلك في صلوتك كلها۔“

”جب تو نماز کے لیے کھڑا ہو تو تکبیر کہہ پھر جو آسانی سے پڑھ سکے قرآن پڑھ۔ پھر رکوع کر یہاں تک کہ تجھے رکوع کی حالت میں اطمینان ہو جائے پھر سر اٹھا یہاں تک کہ سیدھا کھڑا ہو جائے پھر سجدہ کر حتیٰ کہ سجدے کی حالت میں تجھے اطمینان ہو جائے پھر بیٹھ جا یہاں تک کہ تجھے اطمینان ہو جائے اور پھر ساری نماز میں اسی طرح کر۔“

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ ارکان نماز کو اطمینان اور تسلی سے ادا کرنا ضروری ہے! ورنہ نماز باطل ہوگی اور اسے لوٹانا ضروری ہوگا۔

سجدہ کی حالت:

☆: ”اللہ اکبر کہہ کر سجدہ کرے، اپنے دونوں ہاتھوں سے زمین پر سہارا لے، اپنا چہرہ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھے اور ناک اور پیشانی دونوں پر سجدہ کرے۔ پس اگر دونوں میں سے کسی ایک پر بھی اکتفا کرے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سوائے عذر کے صرف ناک پر سجدہ کرنا جائز نہیں، پس اگر اپنی گپڑی کے زائد کپڑے پر سجدہ کرے تو جائز ہے۔ اپنے دونوں بازوؤں والے پہلو کھول کر رکھے، پیٹ کو رانوں سے الگ رکھے، اپنے دونوں بازوؤں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف رکھے اور سجدوں میں تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہے۔ یہ کم از کم مقدار ہے (اس سے زیادہ جتنی بار چاہے کہے) پھر اپنا سر اٹھا کر اللہ اکبر کہے اور جب اطمینان سے بیٹھ چکے تو اللہ اکبر کہہ کر سجدہ کرے، پس جب اطمینان سے سجدہ کرے تو اللہ اکبر کہے اور سیدھا کھڑا ہو جائے

اپنے پاؤں کے اگلے حصوں کے بل۔“

سجدہ کرتے ہوئے دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے، دونوں پاؤں زمین پر رکھتے ہوئے ناک اور پیشانی پر سجدے کرے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف پیشانی یا صرف ناک زمین پر رکھنے سے بھی سجدہ ہو جاتا ہے لیکن صاحبین کہتے ہیں صرف ناک پر اکتفاء جائز نہیں۔ دوسری روایت کے مطابق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا صاحبین کے قول کی طرف رجوع ثابت ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”أمرت ان اسجد علی سبعة اعظم ، علی الجمعة والیدین

والرکتین واطراف القدمین۔“

”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات اعضاء پر سجدہ کروں، پیشانی، دو ہاتھ، دو گھٹنے،

اور دو قدموں کی انگلیوں پر۔“

اس حدیث میں پیشانی کا ذکر ہے مگر ناک کا نہیں۔ معلوم ہوا کہ صرف ناک پر سجدہ میں اکتفاء جائز نہیں۔

”دو قدموں کی انگلیوں پر“، حدیث مبارکہ کے ان الفاظ سے ثابت ہوا کہ سجدہ میں دونوں پاؤں کی انگلیوں کا قبلہ رخ ہونا اور ان کے پیٹ کا زمین کے ساتھ لگنا لازم ہے۔

اگر پگڑی کے بل پر یا فالتو کپڑے پر سجدہ کرے تو بھی جائز ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”ہم حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھا کرتے اور گرمی کی شدت سے

اگر زمین پر سجدہ نہ ہو سکتا تو کپڑا پھیلا کر اُس پر سجدہ کر لیتے۔“ (صحاح ستہ)

جلسہ استراحت:

☆: ”سجدے سے اٹھتے ہوئے سیدھا کھڑا ہو جائے۔ اس حالت میں نہ تو

بیٹھے اور نہ ہی ہاتھوں کا سہارا لے۔“

پہلی اور تیسری رکعت کے دو سجدوں کے بعد بیٹھنے کو جلسہ استراحت کہتے ہیں۔ احناف کے نزدیک یہ جلسہ مکروہ تنزیہی ہے۔ اگر بیٹھ بھی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اٹھنے کے لیے ہاتھوں کا سہارا لینا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں جب کہ باقی تینوں ائمہ کے نزدیک یہ جائز ہے۔

رفع یدین:

☆ ”پہلی رکعت کی پہلی تکبیر کے سوا اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند نہ کرے۔“ تکبیر کہتے ہوئے ہاتھوں کا بلند کرنا صرف پہلی تکبیر یعنی تکبیر تحریمہ کے لیے ہے۔ باقی تکبیرات کہتے ہوئے رفع یدین نہیں کرنا چاہئے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ باقی تینوں اماموں کے نزدیک رکوع کو جاتے ہوئے اور اس سے اٹھتے ہوئے بھی رفع یدین کرنا چاہئے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ صحیح حدیث ہے جسے ترمذی نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

”الاصلی بکم صلوة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“
 ”کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ جیسی نماز پڑھ کے نہ دکھاؤں۔“
 ”فصلی فلم یرفع یدیہ الا فی اول مرة۔“

پھر انہوں نے نماز پڑھائی اور پہلی تکبیر کے علاوہ ہاتھ نہ اٹھائے۔“
 مسند امام اعظم میں صحیح سند کے ساتھ روایت ہے:

”ابوحنیفہ قال حدثنا حماد عن ابراهیم عن علقمة والاسود عن ابن مسعود ان رسول اللہ ﷺ کان لا یرفع یدیہ الا عند افتتاح الصلوة ولا یعود فی شیء من ذلك۔“

”امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حماد نے حدیث بیان کی ان کو

ابراہیم نے اور ان کو علقمہ اور اسود نے اور ان کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ صرف نماز کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے۔ پھر ساری نماز میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔“

قعدہ کی صحیح کیفیت:

☆: ”پھر جب دوسری رکعت میں دوسرے سجدے سے سر اٹھائے تو اپنا بائیں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور دائیں پاؤں کو اس طرح سے کھڑا کرے کہ اس کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف ہو۔ اپنے دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھے اور اپنی انگلیوں کو پھیلائے۔“

جب دوسری رکعت کے دوسرے سجدے سے سر اٹھائے تو بائیں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھے۔ اور اس کی انگلیوں کے کنارے قبلہ کی طرف ہوں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پہلے اور دوسرے قعدے میں اسی کیفیت سے بیٹھنا چاہئے جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پہلے قعدے میں اسی طرح بیٹھے اور دوسرے قعدے میں ”تورک“ کر لے۔ ”تورک“ یہ ہے کہ بائیں پاؤں کو دائیں پاؤں کے نیچے سے نکال کر بائیں سرین پر بیٹھے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”من سنة الصلوة ان تنصب القدم اليمنى واستقبال اصابعه القبلة

والجلوس على اليسرى۔“

”نماز کی سنت یہ ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا کر کے اس کی انگلیوں کو قبلہ رخ

رکھے اور بائیں پاؤں پر بیٹھے۔“

اصح البخاری کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

”ان سنة الصلوة ان تنصب رجلك اليمنى تشى اليسرى۔“
 ”نماز کی سنت یہ ہے کہ تو دایاں پاؤں کھڑا کر کے بایاں پاؤں بچھائے۔“

تشہد:

☆: پھر تشہد پڑھے اور تشہد یہ ہے: ”التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله“ قعدہ اولیٰ میں اس سے زیادہ کچھ نہ پڑھے۔ پس جب نماز کے آخر میں بیٹھے تو اس طرح بیٹھے جیسے قعدہ اولیٰ میں بیٹھا تھا۔ تشہد پڑھے اور نبی کریم ﷺ پر درود پڑھے۔ قرآنی الفاظ اور مسنون دعاؤں سے ملتے جلتے الفاظ میں جو دعا چاہے مانگے۔ ان الفاظ میں دعائیں نہ مانگے جو لوگوں کے کلام سے ملتے جلتے ہوں۔“

جب تشہد کے لیے بیٹھے تو دونوں ہاتھ رانوں پر رکھے اور انگلیاں کھول دے پھر یہ تشہد پڑھے: ”التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله“ پہلے قعدے میں اتنا ہی پڑھے، اس (عبدہ ورسولہ) سے آگے نہ پڑھے۔ دوسرے قعدہ میں اس سے آگے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے اور پھر ایسی دعائیں مانگے کہ جو قرآنی الفاظ کے مشابہہ ہوں۔ لوگوں کے کلام کے مشابہہ دعائیں نہ مانگے۔ افضل یہ ہے کہ صرف مسنون دعائیں پڑھے۔

احناف کے نزدیک جو تشہد افضل ہے وہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والا تشہد ہے۔ صحاح ستہ میں ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”رسول اللہ ﷺ نے مجھے تشہد سکھایا، اس وقت میرا ہاتھ آپ ﷺ کے دونوں ہاتھوں میں تھا۔ جس طرح کہ آپ ﷺ مجھے قرآن کی سورت سکھایا کرتے تھے اسی طرح آپ نے مجھے تشہد سکھایا۔ حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

”جب تم میں سے کوئی نماز میں بیٹھے تو کہے:

”التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك ايها النبي
ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين اشهد
ان لا اله الا الله واشهدان محمدا عبده ورسوله۔“

اس تشہد کے علاوہ عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر اور دوسرے صحابہ کرام
رضی اللہ عنہم اجمعین سے دوسرے الفاظ کے ساتھ اور بھی تشہد منقول ہیں جن کو امام شافعی
رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے ائمہ نے پسند کیا ہے۔ مختصر یہ کہ جو الفاظ بھی رسول اللہ ﷺ
سے نقل کئے گئے ہیں وہی پڑھنے چاہئیں۔

دعائیں وہ پڑھنے چاہئیں جو قرآن مجید کے الفاظ کے مشابہ ہوں کیونکہ رسول
اللہ ﷺ کا فرمان عالیشان ہے:

”ان صلواتنا لا يصلح فيها شيء من كلام الناس۔“

”بے شک ہماری نماز میں لوگوں کی گفتگو جیسی کوئی چیز مناسب نہیں۔“

سلام پھیرنا:

☆ ”پھر اپنے دائیں جانب سلام پھیرے اور کہے السلام علیکم
ورحمة اللہ اور پھر اپنے بائیں جانب سلام پھیرے اور یہی الفاظ (السلام علیکم ورحمة
اللہ) کہے۔“

آخر میں دائیں بائیں سلام پھیرتے ہوئے السلام علیکم ورحمة اللہ کہے اور نماز سے
باہر آجائے۔ امام مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
فرماتے ہیں:

”كنت اري رسول الله ﷺ عن يمينه وعن يسار حتى اري بياض خده۔“

”میں دیکھتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ دائیں بائیں سلام پھیرتے تھے۔ یہاں

تک کہ آپ ﷺ کے رخساروں کی سفیدی نظر آتی تھی۔“

باب : ۵

قرأت کا بیان

ابتدائیہ

قرأت کے اہم مسائل

قدوری کے اکثر نسخوں میں قراءۃ کا الگ عنوان نہیں ہے بلکہ اسے پہلے باب کے ساتھ ملا دیا گیا ہے۔ چونکہ بعض مسائل خاص طور پر قرأت سے تعلق رکھتے ہیں جن کو یہاں یکجا کر دیا ہے اس لیے الگ عنوان مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل مسائل کا تذکرہ اس باب میں ہے:

- 1: فجر کی نماز، مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں امام بہ آواز بلند قرأت کرے اور آخری دو رکعتوں میں آہستہ پڑھے۔
- 2: اگر منفرد یعنی اکیلا نماز پڑھ رہا ہے تو اسے اختیار ہے، اگر چاہے تو اونچی آواز میں قرأت کرے اور اپنے آپ کو سنائے اور چاہے تو آہستہ قرأت کرے۔
- 3: ظہر اور عصر میں امام آہستہ قرأت کرے۔
- 4: وتر کی نماز تین رکعت ہے۔ تیسری میں رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھے۔ ان تین رکعتوں کے درمیان سلام کا فاصلہ نہیں ہے۔ وتر تمام سال اسی شکل میں ادا کئے جاتے ہیں۔
- 5: وتر کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورۃ ملائے۔
- 6: جب دعائے قنوت پڑھنی ہو تو تکبیر کہہ کر ہاتھ بلند کرے اور قنوت پڑھے۔
- 7: وتر کے علاوہ کسی نماز میں دعا قنوت نہیں ہے۔
- 8: کسی نماز میں کسی خاص مقرر کردہ سورت کا پڑھنا ضروری نہیں کہ اس کے سوا کوئی اور سورت جائز ہی نہ سمجھے۔

9: نماز کے لیے کسی سورت کا مقرر کر لینا کہ کوئی دوسری سورت پڑھے ہی نہیں مکروہ ہے۔

10: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز میں قرأت کی کم سے کم مقدار وہ ہے جسے قرآن کہا جاسکے۔

11: صاحبین کے نزدیک تین چھوٹی آیتوں یا ایک لمبی آیت سے کم قرأت جائز نہیں۔

12: مقتدی امام کے پیچھے قرأت نہ کرے۔

13: جو شخص کسی دوسرے کی اقتداء میں نماز پڑھنا چاہے اسے دو نیتیں کرنا ہوں گی۔ پہلی نماز کی نیت اور دوسری امام کی متابعت کی۔



قرأت کا بیان

”ويجهر بالقراءة في الفجر وفي الركعتين الأولىين من المغرب والعشاء ان كان اماما ويخفي القراءة فيما بعد الاولين وان كان منفردا فهو مخيران شاء جهر واسمع نفسه وان شاء خافت ويخفي الامام القراءة في الظهر والعصر والوتر ثلاث ركعات لا يفصل بينهن بسلام ويقنت في الثالثة قبل الركوع في جميع السنة ويقرأ في كل ركعة من الوتر فاتحة الكتاب وسورة معها فاذا ارادا ان يقنت كبر ورفع يديه ثم قنت ولا يقنت في صلوة غيرها، وليس في شيء من الصلوة قراءة سورة بعينها لا يجوز غيرها ويكره ان يتخذ قراءة سورة بعينها للصلوة لا يقرأ فيها غيرها وادنى ما يجزئ من القراءة في الصلوة ما يتناوله اسم القرآن عند ابي حنيفة وقال ابو يوسف ومحمد رحمهما الله لا يجوز اقل من ثلاث آيات قصار او آية طويلة ولا يقرأ الموتم خلف الامام ومن اراد لدخول في صلوة غيره يحتاج الى نيتين نية الصلوة ونية المتابعة.“

”اگر امام ہو تو فجر کی نماز میں اور مغرب و عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں بلند آواز سے قرأت کرے اور پہلی دو رکعتوں کے بعد پست آواز میں قرأت کرے۔ اگر اکیلا نماز پڑھ رہا ہو تو اسے اختیار ہے اگر چاہے تو اونچی آواز میں بولے اور اپنے تئیں سنائے اور اگر چاہے تو پست آواز میں پڑھے۔ امام ظہر اور عصر کی نمازوں میں قرأت پست رکھے۔ وتر تین رکعتیں ہیں۔ نمازی

ان رکعتوں میں سلام کے ذریعے فاصلہ نہ ڈالے اور تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھے اور یہ سارا سال معمول رہے۔ وتر کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی ایک سورت پڑھے۔ پس جب دعائے قنوت پڑھنے لگے تو اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ بلند کرے پھر دعائے قنوت پڑھے اور وٹروں کی نماز کے علاوہ کسی نماز میں قنوت نہ پڑھے۔ یہ مکروہ ہوگا کہ کسی معین سورت کو نماز کے لیے مقرر کر لے کہ اس میں اس کے سوا کوئی اور سورت نہ پڑھے۔ نماز میں کفایت کرنے والی کم از کم قرأت اتنی ہے جسے قرآن کا نام دیا جاسکے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تین چھوٹی آیتوں یا ایک لمبی آیت سے کم پڑھنا جائز نہیں۔ مقتدی امام کے پیچھے قرأت نہ کرے اور جو کوئی کسی اور کے پیچھے نماز پڑھنے کا ارادہ کرے اُسے دونیوں کی ضرورت ہے۔ ایک نماز کی نیت اور ایک امام کی متابعت اور پیروی کی نیت۔“

مفردات:

یجہر: اونچی آواز سے پڑھے۔

منفرداً: اکیلا۔ امام کے بغیر نماز پڑھنے والے کو منفرد کہا جاتا ہے۔

لا یفصل: الگ نہ کرے۔ فاصلہ نہ رکھے۔

یقنت: قنت. یقنت: دعا قنوت پڑھے۔

یتناول: تناول. یتناول: حاصل کرتا ہے۔ مشتمل ہوتا ہے۔

قصار: یہ قصیر کی جمع ہے بمعنی چھوٹی۔ مختصر۔

یحتاج: وہ محتاج ہوتا ہے۔

المتابعة: پیروی۔ امام کی اطاعت

مسائل ودلائل

جہری اور سری قرأت:

☆: ”اگر امام ہو تو فجر کی نماز میں اور مغرب و عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں بلند آواز سے قرأت کرے اور پہلی دو رکعتوں کے بعد پست آواز میں قرأت کرے۔ امام ظہر اور عصر کی نمازوں میں قرأت پست رکھے۔“

ظہر اور عصر کی نمازوں میں آہستہ قرأت فجر کی دونوں اور مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں بلند آواز سے اور آخری رکعتوں میں آہستہ قرأت کرنا سنت متواترہ سے ثابت ہے۔

حدیث امامت جبریل علیہ السلام میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر و عصر میں آہستہ قرأت کی، مغرب کی آخری رکعت اور عشاء کی آخری دو رکعتوں میں بھی اسی طرح آہستہ قرأت کی۔

(نصب الراية فی تخریج احادیث الہدایہ)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح البخاری، باب القراءة فی العصر میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”ہم ظہر و عصر کی نمازوں میں حضور نبی کریم ﷺ کی قرأت کو آپ کی داڑھی مبارک کے ہلنے سے معلوم کرتے تھے۔“

منفرد نمازی کی قرأت:

☆: ”اگر اکیلا نماز پڑھ رہا ہو تو اُسے اختیار ہے، اگر چاہے تو اونچی آواز میں پڑھے اور اپنے تئیں سنائے اور اگر چاہے تو پست آواز میں پڑھے۔“

اکیلا نماز پڑھنے والا چونکہ خود امام اور خود ہی مقتدی ہے۔ چاہے تو قرأت بالجہر کرے یا آہستہ قرأت کرے۔ ہدایہ میں قرأت بالجہر کو افضل کہا گیا ہے تاکہ اس کی نماز

بھی باجماعت نماز کی صورت میں ادا ہو جائے۔ منفرد چاہے تو آہستہ بھی پڑھ سکتا ہے کیونکہ بہر حال اس کے ساتھ کوئی دوسرا مقتدی تو ہے نہیں جسے وہ سنائے۔

وتر کی ادائیگی:

☆: ”وتر تین رکعتیں ہیں۔ نمازی ان رکعتوں میں سلام کے ذریعے فاصلہ نہ ڈالے اور تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھے اور یہ سارا سال معمول رہے۔ وتر کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی ایک سورت پڑھے۔ پس جب دعائے قنوت پڑھنے لگے تو اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ بلند کرے پھر دعائے قنوت پڑھے اور وتروں کی نماز کے علاوہ کسی نماز میں قنوت نہ پڑھے۔“

وتر کی نماز تین رکعت ہے۔ اس کا ثبوت نسائی اور مستدرک حاکم کی صحیح روایت ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

”ان النبی ﷺ کان یوتر بثلاث۔“

”نبی کریم ﷺ وتر کی تین رکعتیں پڑھا کرتے۔“

مستدرک للحاکم میں یہ الفاظ ہیں:

”کان رسول اللہ ﷺ یوتر بثلاث، لایسلم الا فی آخرین۔“

”رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھا کرتے تھے صرف آخر میں ہی

سلام پھیرا کرتے۔“

سنن ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ نے ایک اور حدیث ذکر کی ہے۔ نسائی

کے الفاظ یہ ہیں:

”کان رسول اللہ یوتر بثلاث یقرء فی الاولیٰ سبح اسم ربک

الاعلیٰ و فی الثانیة قل یا ایہا الکافرون و فی الثالثة قل هو اللہ

احد ویقنت قبل الرکوع۔“

”حضور نبی کریم ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے پہلی رکعت میں سبح اسم

ربك الاعلى، دوسری میں قل یا ایہا الکافرون اور تیسری میں قل هو اللہ احد پڑھتے تھے اور رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھتے تھے۔

دعائے قنوت پڑھنے سے پہلے رفع یدین کے ساتھ تکبیر پڑھنے سے متعلق اس حدیث میں صراحتاً ذکر آیا ہے:

”رفع یدین سات موقعوں پر ہے: نماز کے شروع میں، مسجد حرام میں داخل ہوتے وقت، صفا اور مروہ پر قیام کرتے وقت، میدان عرفات میں رمی جمار کے دو مواقع پر اور دعائے قنوت پڑھنے سے قبل۔“

لہذا دعائے قنوت سے قبل ہاتھ بلند کرنا چاہئے۔

(نصب الراية، باب صفة الصلوة)

احناف کے نزدیک دعائے قنوت صرف وتروں میں ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ صبح کی نماز کے بعد بھی دعائے قنوت کے قائل ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مہینے تک عرب کے بعض قبیلوں کے لیے بددعا کرنے کے لیے قنوت نازلہ پڑھی پھر ترک کر دی۔ احناف کے ہاں عندالضرورة صبح کی نماز کے بعد قنوت پڑھنا مشروع ہے لیکن ہمیشہ پڑھنے کا ثبوت نہیں ملتا۔

نماز میں مخصوص سورت کی قرأت:

☆: ”یہ مکروہ ہوگا کہ کسی معین سورت کو نماز کے لیے مقرر کر لے کہ اس میں اس کے سوا کوئی اور سورت نہ پڑھے۔“

کسی کا نماز کے لیے خاص سورۃ کا مقرر کر لینا کہ اس کے علاوہ کوئی دوسری سورت نہ پڑھے ”الزام مالا یلزم“ کے زمرے میں آتا ہے یعنی جو چیز دین میں لازم نہیں اس کو لازم قرار دینا۔ اور یہ بات کسی صورت جائز نہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

”فاقرؤا ما تیسر من القرآن۔“

”قرآن مجید میں سے جو آسان ہو اسے (نماز میں) پڑھو۔“
اس آیت سے بھی کسی ورت کو قرأت کے لیے مخصوص کر لینے کی نفی کی جا رہی ہے۔

اگر کسی سورت کو نماز کے لیے خاص کر لے اور اس کے منعلق یہ اعتقاد رکھے کہ اس کے علاوہ کوئی سورت پڑھنا جائز نہیں تو یہ قرآن مجید کے کچھ حصوں کو اختیار کرنے اور کچھ کو ترک کرنے کے مترادف ہو گا اور یہ حرام ہے۔

قرأت کی مقدار:

☆: نماز میں کفایت کرنے والی کم از کم قرأت اتنی ہے۔ قرآن کا نام دیا جاسکے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کہتے ہیں کہ تین چھوٹی آیتوں یا ایک لمبی آیت سے کم پڑھنا جائز نہیں۔“
امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرأت کی کم سے کم مقدار یہ ہے کہ جس پر قرآن کے نام کا اطلاق ہو سکے۔ مثلاً: ”لم یلد“ کا لفظ کہ یہ سورۃ الاخلاص سے ہے یا ”مدھا متان“ کہ یہ سورۃ الرحمن کی ایک آیت ہے۔ چونکہ ان پر قرآن مجید کا نام بولا جاتا ہے اس لیے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان کے پڑھنے سے نماز ہو جائے گی۔ قرآن مجید میں بھی ہے:

”فا قرؤا ما تیسر من القرآن“ (المزمل ۷۳: ۲۰)

تو اس حکم کے مطابق ان کے پڑھنے سے نماز ہو جائے گی۔

صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے قول کے مطابق کم از کم تین چھوٹی آیات یا ایک لمبی آیت کی قرأت کے بغیر نماز جائز نہ ہوگی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت میں یہی منقول ہے اور علمائے احناف کا متفقہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

قرأت خلف الامام:

☆: ”مقتدی امام کے پیچھے قرأت نہ کرے۔“

مقتدی کو امام کے پیچھے کسی قسم کی قرأت نہیں کرنی چاہئے بلکہ قرأت کرنا ممنوع ہے۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔ جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام کے پیچھے مقتدی کے لیے جہری اور سری نمازوں میں قرأت کو واجب بلکہ فرض قرار دیتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سری نمازوں میں قرأت کے وجوب کے قائل ہیں جبکہ جہری نمازوں میں قرأت نہ کرنے کے قائل ہیں۔

یاد رہے کہ قرأت خلف الامام کا مسئلہ نہایت مشکل مسئلہ ہے۔ قوی دلائل دونوں طرف موجود ہیں۔ لہذا ہم صرف احناف کی دلیل بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔
قرآن پاک میں ہے:

”واذا قرى القرآن فاستمعوا له انصلو العلكم ترحمون“ (الاعراف

۷: ۲۰۴)

”جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔“

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

”یہ مذکورہ آیت نماز اور خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی۔“

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

”اجمع الناس على ان هذه الاية في الصلوة۔“

لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ (مذکورہ) آیت نماز کے بارے میں ہے۔“

پس آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ جب نماز میں قرآن مجید پڑھا جائے تو سنو اور خاموش

رہو۔ اس طرح سننے کا حکم اس وقت ہے جب امام بلند آواز میں قرأت کر رہا ہو اور

خاموش رہنے کا حکم اس وقت ہے جب امام آہستہ قرأت کر رہا ہو۔ لہذا دونوں صورتوں

میں مقتدی کو قرأت نہ کرنے کا حکم ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے صحیح کے ساتھ

نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”من كان له امام فقرأه الامام قراءة له۔“

”جس کا امام ہو تو امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔“

انہی الفاظ کے ساتھ مسند احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ میں روایت موجود ہے:

”اخبرنا اسحق الارزق قال حدثنا سفيان وشريك عن موسى بن

ابي عائشة عن عبدالله بن شداد عن جابر قال قال رسول الله ﷺ

من كان له امام فقرأه الامام قراءة له۔“

”ہمیں اسحاق الارزق نے خبر دی، انہوں نے سفیان و شریک سے روایت کی

اور انہوں نے موسیٰ بن ابی عائشہ سے اور انہوں نے عبداللہ بن شداد سے اور

انہوں نے سیدنا جابر بن عبداللہ صحابی رسول ﷺ سے روایت کی کہ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس کا کوئی امام ہو تو امام کی قرأت اس (مقتدی) کی

قرأت ہے۔“

اس روایت کی سند میں کسی قسم کی کمزوری نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ امام کی قرأت

مقتدی کی قرأت ہے۔

(فتح القدیر، جلد نمبر ۱، صفحہ نمبر ۱۳۶)

حافظ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے نصب الراية میں اس بارے میں بہت سے صحابہ اور

تابعین کے آثار نقل کئے ہیں۔ مزید تحقیق کے لیے فتح القدیر اور عینی شرح بخاری کی

طرف رجوع کیا جائے۔ واللہ ورسولہ اعلم



باب : ۶

جماعت کا بیان

ابتدائیہ

امامت کے اہم مسائل

قدوری کے اکثر نسخوں میں جماعت کا الگ عنوان نہیں ہے بلکہ اسے پہلے عنوان یعنی باب صفة الصلوٰۃ کے تحت ہی ذکر کیا گیا ہے اور باب القراءۃ بھی صفة الصلوٰۃ کے ساتھ منسلک ہے۔ چونکہ اس باب میں جماعت یا امامت کے متعلق مخصوص مسائل کا ذکر ہے اس لیے اسی مناسبت سے صاحب ”کتاب المسائل“ نے اسے یہ عنوان دیا ہے۔ البتہ اس باب کے آخر میں چند مسائل ہیں جن کا تعلق صفة الصلوٰۃ سے ہے۔

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل کا تذکرہ ہے:

- 1: نماز باجماعت سنت مؤکدہ ہے۔
- 2: سب سے زیادہ امامت کا مستحق شخص وہ ہے جو سنت کا سب سے زیادہ عالم ہو۔
- 3: اس کے بعد وہ جو سب سے زیادہ قاری قرآن ہو۔
- 4: پھر جو زیادہ صاحب تقویٰ ہو۔
- 5: پھر وہ جو عمر میں سب سے بڑا ہو۔
- 6: غلام دیہاتی، فاسق، نابینا اور حرامی کو امام بنانا مکروہ ہے لیکن اگر امامت کرا دیں تو نماز جائز ہے۔
- 7: صرف عورتوں کا جماعت سے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اگر جماعت کرائیں تو امامت کرانے والی عورت درمیان میں کھڑی ہو۔ یہی کیفیت ننگے لوگوں کی جماعت کی ہے۔
- 8: اگر مقتدی صرف ایک ہو تو وہ امام کے دائیں جانب کھڑا ہو۔ اگر دو ہوں تو امام

آگے کھڑا ہو۔

- 9: مردوں کی نماز عورتوں اور بچوں کی امامت میں ناجائز ہے۔
- 10: صفوں کی ترتیب اس طرح ہے: پہلے مردوں کی صفیں، پھر بچوں کی، پھر بیچروں کی اور آخر میں عورتوں کی۔
- 11: اگر ایک ہی نماز میں عورت کسی مرد کے پہلو میں کھڑی ہو جائے تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔
- 12: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بوڑھی عورتوں کے لیے نماز فجر، نماز مغرب اور نماز عشاء کے لیے مسجد میں حاضر ہونے میں کچھ حرج نہیں۔ صاحبین کے نزدیک تمام نمازوں میں حاضر ہو سکتی ہیں۔
- 13: تندرست معذور کے پیچھے، عالم ان پڑھ کے پیچھے اور کپڑے پہننے والا ننگے کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا۔
- 14: تیمم کرنے والا وضو کرنے والوں کی اور موزوں پر مسح کرنے والا پاؤں دھونے والوں کی امامت کرا سکتا ہے۔ اسی طرح بیٹھ کر نماز پڑھنے والا کھڑے ہو کر پڑھنے والوں کا امام بن سکتا ہے۔
- 15: رکوع و سجود کرنے والے، اشارے سے نماز ادا کرنے والے کی اقتداء میں نماز ادا نہیں کر سکتے۔ اسی طرح فرض نماز ادا کرنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے اور الگ الگ فرض پڑھنے والے ایک دوسرے کے پیچھے نماز ادا نہیں کر سکتے۔
- 16: اگر مقتدی کو یہ معلوم ہو جائے کہ امام پاک حالت میں نہ تھا تو نماز لوٹائے۔
- 17: نماز ادا کرنے والے کے لیے کپڑے یا جسم کے ساتھ کھیلنا مکروہ ہے۔
- 18: اسی طرح کنکروں کو الٹ پلٹ نہیں کرنا چاہئے۔ اگر سجدہ کرنا ممکن نہ ہو تو صرف ایک بار نہیں برابر کر سکتا ہے۔
- 19: نماز میں انگلیوں کو چٹخانا، انہیں ایک دوسرے میں ڈالنا، کمر پر ہاتھ رکھنا،

- کپڑے کا گلے میں لٹکانا، جسم پر لپیٹنا اور بال گوندھنا سب ناجائز ہیں۔
- 20: دائیں بائیں دیکھنا، گھٹنے کھڑے کر کے کتے کی طرح بیٹھنا، زبان یا ہاتھ کے اشارے سے سلام کا جواب دینا، بلا عذر چوکڑی (آلتی پالتی) مار کر بیٹھنا اور کھانا پینا یہ سب افعال نماز میں ناجائز ہیں۔
- 21: اگر نماز میں وضو ٹوٹ جائے تو جا کر وضو کرے اور واپس آ کر وہیں سے نماز پڑھے جہاں تک پہلے پڑھ چکا تھا۔ شرط یہ ہے کہ کسی سے کلام نہ کرے۔
- 22: اگر یہی صورت امام کو پیش آئے تو کسی اور کو امامت کے لیے کھڑا کرے وضو کرے اور باقی نماز کو پہلی نماز پر بنا کرے لیکن از سر نو پڑھنا افضل ہے اور یہ اُس وقت ہے کہ درمیان میں بات چیت نہ کرے۔
- 23: نماز کے اندر سو جائے، احتلام ہو جائے، پاگل ہو جائے، بیہوش ہو جائے یا زور سے ہنسنے کی صورت میں از سر نو وضو کرے اور دوبارہ نماز پڑھے۔
- 24: نماز میں دانستہ یا بھول کر بات کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔
- 25: آخری قعدہ میں تشہد کی مقدار بیٹھ چکنے کے بعد اگر حدث (وضو ٹوٹ جانا) لاحق ہو جائے تو وضو کر کے سلام پھیر دے۔
- 26: اگر اسی صورت میں دانستہ وضو توڑ دے یا بات چیت کر لے یا کوئی ایسا فعل کرے جو نماز کے خلاف ہو تو اُس کی نماز مکمل ہوگئی۔
- 27: اگر تیمم کرنے والا نماز کے اندر پانی دیکھ لے تو اُس کی نماز ٹوٹ جائے گی۔
- 28: تشہد کی مقدار بیٹھ چکنے کے بعد اگر پانی نظر آ گیا۔
- 29: یا موزوں پر مسح کرنے والے کی مسح کی مدت ختم ہوگئی۔
- 30: یا صاحب عذر تھا عذر جاتا رہا۔
- 31: یا عمل قلیل سے موزے اتار دیئے۔
- 32: یا ان پڑھ تھا قرآن کی کوئی سورۃ سیکھ لی۔

- 33 یا ننگا تھا کیڑا مل گیا۔
- 34 یا اشرے سے نماز پڑھ رہا تھا رکوع سجود کی طاقت حاصل ہوگئی۔
- 35 یا اے یاد آگیا کہ اس کی پہلے کوئی نماز قضاء ہو چکی ہے
- 36 یا قاری امام نے ان پڑھ کو اپنا نائب بنا دیا
- 37 یا نماز فجر میں سورج نکل آیا۔
- 38 یا نماز جمعہ میں عصر کا وقت داخل ہو گیا۔
- 39 یا پٹی پر مسح کرنے والا تھا تندرست ہونے پر پٹی گر گئی۔
- 40 یا استحاضہ والی عورت کا عذر جاتا رہا۔

ان سب صورتوں میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اُن کی نماز باطل ہوگئی (نوٹ گئی) امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اُن کی نماز مکمل ہوگئی۔



امامت وجماعت کا بیان

”والجماعة سنة مؤكدة واولى الناس بالامامة اعلمهم بالسنة فان تساوا فاقراهم فان تساوا فاورعهم فان تساوا فاسنهم ويكره تقديم العبد و الاعرابى والفاسق والاعمى وولد الزنا فان تقدموا جاز وينبغى للامام ان لا يطول بهم الصلوة ويكره للنساء ان يصلين وُحْدَهُنَّ بجماعة فان فعلن وقفت الامامة وسطهن كالعُراة ومن صَلَّى مع واحدٍ اقامة عن يمينه وان كانا اثنين تقدمهما ولا يجوز للرجال ان يقتدوا بامرأة وصبي ويصف الرجال ثم الصبيان ثم الخُنثى ثم النساء فان قامت امرأة الى جنب رجل وهما مشتركان فى صلوةٍ واحدةٍ فسدت صلوته ويكره للنساء حضور الجماعة ولا باس بان تخرج العجوز فى الفجر والمغرب والعشاء عند ابي حنيفة رحمه الله وقال ابو يوسف ومحمد رحمهما الله يجوز خروج العجوز فى سائر الصلوات ولا يصلى الطاهر خلف من به سلس البول ولا الطاهرات خلف المستحاضة ولا القارئ خلف الاممى وَلَا المكتسى خلف العريان ويجوز ان يوم المتيمم للمتوضئين والماسح على الخفين الغاسلين ويصلى القائم خلف القاعد ولا يصلى الذى يركع ويسجد خلف المؤمى ولا يصلى المفترض خلف المتنفل ولا من يصلى فرضاً خلف من يصلى فرضاً اخر ويصلى المتنفل خلف المفترض ومن اقتدى بامام ثم علم انه على غير طهارة اعاد الصلوة“

”جماعت سنت موکدہ ہے۔ لوگوں میں امامت کا سب سے زیادہ اہل ان میں سے سنت کا سب سے زیادہ عالم ہے۔ پس اگر تمام نمازی اس بارے میں برابر ہوں تو پھر ان میں سب سے زیادہ قرأت جاننے والا، پس اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو ان میں سب سے زیادہ متقی، پس اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو ان میں سے عمر میں سب سے زیادہ۔ غلام، بدو، فاسق، اندھے اور حرامی کو امامت کے لیے آگے کرنا مکروہ ہے۔ پس اگر وہ خود امامت کے لیے آگے بڑھیں تو جائز ہے۔ امام کو چاہئے کہ لوگوں کے ساتھ نماز کو لمبانا نہ کرے۔ عورتوں کے لیے یہ بات مکروہ ہے کہ وہ الگ جماعت کرائیں۔ پس اگر وہ ایسا کریں تو امام عین وسط میں کھڑی ہو جیسے ننگوں کی جماعت ہوتی ہے۔ جو شخص کسی ایک آدمی کے ساتھ نماز پڑھے تو اسے اپنے دائیں جانب کھڑا کرے اور اگر دو ہوں تو امام ان دونوں کے آگے کھڑا ہو۔ مردوں کے لیے کسی عورت یا بچے کی اقتداء جائز نہیں۔ صف بندی میں پہلے مرد، پھر بچے، پھر منٹ اور پھر عورتیں کھڑی ہوں۔ اگر کوئی عورت ایک ہی نماز میں مرد کے پہلو میں کھڑی ہو تو اس مرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ عورتوں کے لیے جماعت میں حاضری مکروہ ہے لیکن اگر بوڑھی عورت فجر، مغرب اور عشاء کی نمازوں کے لیے نکلے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بوڑھی عورت تمام نمازوں کے لیے نکل سکتی ہے۔ طہارت والا شخص اس شخص کے پیچھے نماز نہ پڑھے جسے پیشاب خطا ہونے کی بیماری ہو، نہ ہی طہارت والی عورتیں استحاضہ والی عورت کے پیچھے نماز پڑھیں، نہ ہی قرأت جاننے والا ان پڑھ کے پیچھے نماز پڑھے اور نہ کپڑوں میں ملبوس شخص ننگے شخص کے پیچھے نماز پڑھے۔ تیمم کرنے والا وضو کرنے والوں کی اور موزوں

پر مسح کرنے والا پاؤں دھونے والوں کی امامت کرا سکتا ہے۔ اسی طرح کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والا بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔ جو شخص رکوع و سجود کے ساتھ نماز پڑھتا ہے وہ اشارے سے نماز پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے اور نہ ہی فرض نماز پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھے۔ نہ ہی فرض نماز پڑھنے والا کسی ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے جو کسی اور وقت کی نماز فرض پڑھتا ہو۔ نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔ اگر کسی نے ایک امام کے پیچھے نماز پڑھی اور پھر اسے پتہ چلا کہ امام بغیر طہارت کے تھا تو وہ دوبارہ نماز پڑھے۔“

مفردات:

مؤکدة: جس کی تاکید کی گئی ہو۔

تساووا: وہ برابر ہوں۔

اورعہم: سب سے زیادہ پرہیزگار۔

اسنہم: سب سے زیادہ عمر والا۔

تقدیم: پیشوا بنانا۔ امام بنانا۔

تقدموا: امام بن جائیں۔

وسط: درمیان۔

یصف: قطار بناتا ہے۔ صف میں کھڑا ہوتا ہے۔

الخنثی: مخنث۔ نامرد۔ بیجوا۔

جنب: پہلو۔

فسدت: فاسد ہو گئی۔ ٹوٹ گئی۔

یکرہ: مکروہ ہے۔

سلس البول: پیشاب کا قطرہ قطرہ ہو کر نکلنا۔ ایک قسم کا مرض جس میں پیشاب پر قابو نہیں رہتا۔

المستحاضة: استحاضة ایک قسم کا مرض ہے جو عورتوں کو لاحق ہوتا ہے۔ شرمگاہ سے مواد نکلتا رہتا ہے جس سے کپڑا اور بدن پلید رہتا ہے۔

المکتسی: جس نے کپڑے پہن رکھے ہوں۔

المومنی: اشارے سے نماز ادا کرنے والا۔

المفترض: فرض نماز ادا کرنے والا۔

المتنفل: نفل نماز ادا کرنے والا۔

اعاد: لوٹائے۔ اعادہ کرے۔

مسائل ودلائل

جماعت سنت مؤکدہ:

☆: ”جماعت سنت مؤکدہ ہے۔“

نماز باجماعت کے سنت مؤکدہ ہونے کے متعلق ثبوت رسول اکرم ﷺ کے دائمی عمل سے ملتا ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”لقد رأيتنا وما يتخلف عن الصلوة الا منافق قد علم لفاقه، او

مريض ان كان المريض ليمشي رجلين حتى ياتي الصلوة وان

رسول الله ﷺ علمنا سنة الهدى وان من سنن الهدى الصلوة في

المسجد الذي يوذن فيه۔“

”میں نے رسول اللہ ﷺ کا وہ زمانہ بھی دیکھا ہے کہ نماز سے صرف معلوم

شدہ منافق ہی پیچھے رہتے تھے۔ تب تو مریض بھی دو آدمیوں کے سہارے

چل کر نماز کے لیے آتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سنت ہدیٰ کی تعلیم دی تھی اور سنت ہدیٰ میں سے یہ بھی ہے کہ جس مسجد میں اذان ہوتی ہو اس میں نماز پڑھی جائے۔“

(اصح المسلم)

ایک موقع پر نبی کریم ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا:

”میرا جی چاہتا ہے کہ مؤذن کو اذان کا حکم دوں اور ایک آدمی کو امام بنا کر کچھ لوگوں کو ساتھ لوں جن کے پاس ایندھن کے گٹھے ہوں پھر ان لوگوں کے گھروں کو آگ لگا دوں جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے۔“

(اصح البخاری) (اصح المسلم)

امامت کے لیے موزوں آدمی:

☆: ”جماعت سنت موکدہ ہے۔ لوگوں میں امامت کا سب سے زیادہ اہل ان میں سے سنت کا سب سے زیادہ عالم ہے۔ پس اگر تمام نمازی اس بارے میں برابر ہوں تو پھر ان میں سب سے زیادہ قرأت جاننے والا، پس اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو ان میں سب سے زیادہ متقی، پس اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو ان میں سے عمر میں سب سے زیادہ۔“

امامت کے استحقاق کی ترتیب میں سب سے مقدم دین کا علم رکھنے والے لوگ ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے رسول اللہ ﷺ کے مرض الموت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امام مقرر کرنے کی روایت نقل کی ہے کیونکہ اُس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں علم بالسنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ دوسری احادیث میں اقراہم کا لفظ بھی آیا ہے یعنی قاری قرآن، صحابہ میں چونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قاری قرآن بھی تھے اور عالم بھی تھے لہذا کوئی تعارض نہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مذکورہ ترتیب اس وقت لاگو ہوگی جب کسی کو

امام مقرر کیا جا رہا ہو یا کوئی مقررہ امام نہ ہو۔ اگر طے شدہ امام موجود ہو تو وہی زیادہ حق دار امامت ہے۔ اسی طرح حاکم وقت کی موجودگی میں امامت کا حق اسی کو ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے خلاف کرنے سے حسد و رنجش اور بد نظمی کا اندیشہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جیسے عظیم الشان صحابی بھی حجاج بن یوسف کی امامت میں نماز ادا کرتے تھے۔ علماء نے بڑی عمر والے کے بعد خوش خلق پھر خوبصورت آدمی اور پھر شریف النسب کا درجہ بھی رکھا ہے۔

جن کی امامت مکروہ ہے:

☆: ”غلام، بدو، فاسق، اندھے اور حرامی کو امامت کے لیے آگے کرنا مکروہ ہے۔ پس اگر وہ خود امامت کے لیے آگے بڑھیں تو جائز ہے۔“

غلام، اعرابی، فاسق، نابینا، اور ولد الزنا کو امام بنانے میں کراہت اس لیے ہے کہ غلام کی امامت کو لوگ حقارت کی وجہ سے ناپسند کرتے ہیں جب کہ بد و عموماً جاہل اور کرخت ہوتے ہیں۔ فاسق کی امامت اس لیے ناپسندیدہ ہے کہ ایسے لوگ ہمیشہ دینی معاملات میں بے پروا ہوتے ہیں، اس سے دینی شعائر کی توہین کا پہلو بھی نکلتا ہے۔ نابینا آدمی چونکہ پاکی اور پلیدی کو دیکھ نہیں سکتا لہذا احتمال ہے کہ اس کا کپڑا یا جسم پلیدہ جائے۔ البتہ نابینا اگر عالم اور محتاط شخص ہو تو اس کی امامت میں کراہت نہیں۔ ہاں! اگر یہ لوگ امامت کرا دیں تو نماز بہر حال ادا ہو جائے گی اور اُسے لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ فاسق وہ شخص ہے جو علانیہ طور پر خلاف شریعت افعال میں مبتلا ہو۔ اگر اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنے میں فتنے کا اندیشہ ہو تو پھر اُس کی اقتداء میں نماز ادا کرنا ہی بہتر ہوگا۔

چنانچہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

”صلوا خلف کل برو فاجر۔“

”ہر نیک اور برے کے پیچھے نماز پڑھ لو۔“ (سنن ابی داؤد) (سنن بیہقی)

لمبی یا مختصر نماز:

☆: ”امام کو چاہئے کہ لوگوں کے ساتھ نماز کو لمبانا نہ کرے۔“

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ حکم دیا تھا:

”یسرا ولا تعسرا“

”آسانی کرو۔ تنگی نہ کرو۔“

اس کا تقاضا یہ ہے کہ فرض نماز پڑھاتے ہوئے لمبی قرأت کر کے لوگوں کو تکلیف میں مبتلا نہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ ایک اور ارشاد نبویؐ ہے:

”من ام قوما فليصل بهم صلوة اضعفهم فان فيهم المريض الكبير

وذا الحاجة۔“

”جو کسی گروہ کی امامت کرائے تو اُسے کمزور ترین آدمی کا خیال کر کے نماز

پڑھانی چاہئے کیونکہ اُن میں مریض، بوڑھا اور صاحب ضرورت آدمی بھی ہو

سکتا ہے۔“

عورتوں کی جماعت:

☆: ”عورتوں کے لیے یہ بات مکروہ ہے کہ وہ الگ جماعت کرائیں۔ پس

اگر وہ ایسا کریں تو ان کی امام عین وسط میں کھڑی ہو جیسے نگوں کی جماعت ہوتی ہے۔“

صرف عورتیں اگر جماعت کرائیں تو اُن کی نماز مکروہ ہے۔ البتہ مرد اور عورتیں مل

کر جماعت کی نماز پڑھ سکتے ہیں، اس طرح کہ امام مردوں کا ہو اور پہلے صفیں بھی مردوں

کی ہوں۔ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں بھی اکیلی خواتین کی جماعت قائم نہیں کی

گئی۔ اگر کہیں ایسا ہوا تو عذر کی وجہ سے یا عورتوں کی تعلیم کے لیے۔

اب بھی اگر خواتین کی جماعت قائم کی جائے تو امام بننے والی عورت درمیان میں

کھڑی ہو۔ یہی صورت نگوں کی جماعت کی ہے کہ اگر وہ باجماعت نماز ادا کرنا چاہیں تو

مکروہ ہونے کے باوجود امام وسط میں کھڑا ہو۔ فقہ کی کتابوں میں نگوں کی نماز کے متعلق

وضاحت سے لکھا ہے کہ الگ الگ اشارے سے نماز پڑھیں۔

اکیلا مقتدی:

☆: ”جو شخص کسی ایک آدمی کے ساتھ نماز پڑھے تو اسے اپنے دائیں جانب کھڑا کرے اور اگر دو ہوں تو امام ان دونوں کے آگے کھڑا ہو۔“

مقتدی اگر دو یا دو سے زائد ہوں تو وہ امام کے پیچھے کھڑے ہوں اور امام ان سے آگے۔ اگر مقتدی فقط ایک ہو تو وہ امام کے دائیں طرف کھڑا ہو۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز میں شامل ہوئے۔ فرماتے ہیں:

”فاخذنی بيمينه فاذا رني من دارئه فاقامني عن يمينه۔“

”رسول اللہ ﷺ نے دائیں ہاتھ سے مجھے پکڑا اور اپنے پیچھے سے مجھے گھما کر دائیں طرف کھڑا کر دیا۔“

(صحاح ستہ)

عورت اور بچے کی امامت کا حکم:

☆: ”مردوں کے لیے کسی عورت یا بچے کی اقتداء جائز نہیں۔ صف بندی میں پہلے مرد، پھر بچے، پھر مخنث اور پھر عورتیں کھڑی ہوں۔ اگر کوئی عورت ایک ہی نماز میں مرد کے پہلو میں کھڑی ہو تو اس مرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔“

عورتیں مردوں کی امامت نہیں کر سکتیں۔ اسی طرح بچے کی اقتداء میں بالغ مردوں کی نماز ناجائز ہے کیونکہ بچے پر نماز فرض ہی نہیں۔ اس کی نماز تو نفل ہوگی اس لیے فرض نماز پڑھنے والے اس کے پیچھے کیسے نماز پڑھ سکتے ہیں؟ بعض احناف نے تراویح میں نابالغ کی امامت کو جائز قرار دیا ہے۔ جبکہ صحیح قول یہی ہے کہ بچے کے پیچھے نفل نماز بھی نہیں ہو سکتی۔

عورتیں جب خود اپنی نماز جماعت کے ساتھ ادا نہیں کر سکتیں تو مردوں کی امامت

کیسے کر سکیں گی؟

صفوں کی ترتیب:

☆: ” صف بندی میں پہلے مرد، پھر بچے، پھر مخنث اور پھر عورتیں کھڑی

ہوں۔“

صفوں کی ترتیب کے متعلق حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کا عمل ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنے قبیلے کے مردوں، عورتوں اور بچوں کو نماز پڑھائی۔ پہلے مردوں کی صف بنائی پھر بچوں کی اور آخر میں عورتوں کی۔ اور فرمایا:

”یہی رسول اللہ ﷺ کی نماز ہے۔“

عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا:

☆: ” عورتوں کے لیے جماعت میں حاضری مکروہ ہے لیکن اگر بوڑھی

عورت فجر، مغرب اور عشاء کی نمازوں کے لیے نکلے تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بوڑھی عورت تمام نمازوں کے لیے نکل سکتی ہے۔“

عورتوں کے جماعت میں حاضر ہو کر نماز پڑھنے میں فتنے کا اندیشہ ہے۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ وہ گھر میں نماز ادا کریں۔

رسول اکرم ﷺ کے عہد میں جب کہ فتنے کا خطرہ بہت کم تھا، عورتیں مسجد میں حاضر ہوا کرتی تھیں لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے روک دیا اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ معلوم ہوا کہ یہ فیصلہ درست تھا۔ البتہ بوڑھی خواتین کی حاضری میں چونکہ فتنے کا کوئی اندیشہ نہیں لہذا وہ جماعت میں حاضر ہو سکتی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح حدیث روایت کی گئی ہے۔ انہوں نے فرمایا:

”عورتوں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد بنی اسرائیل کی عورتوں کی طرح جو نئی نئی باتیں اپنالی ہیں، اگر سنیں، ﷺ انہیں دیکھ لیتے تو اپنی امت کی عورتوں کو نمازوں اور دیگر عبادات میں گھروں سے باہر نکل کر شامل ہونے سے روک دیتے۔“

(فتح القدیر، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 48)

معذور کی امامت کا حکم:

”مردوں کے لیے کسی عورت یا بچے کی اقتداء جائز نہیں۔ صف بندی میں پہلے مرد، پھر بچے، پھر منٹ اور پھر عورتیں کھڑی ہوں۔ اگر کوئی عورت ایک ہی نماز میں مرد کے پہلو میں کھڑی ہو تو اس مرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ عورتوں کے لیے جماعت میں حاضری مکروہ ہے لیکن اگر بوڑھی عورت فجر، مغرب اور عشاء کی نمازوں کے لیے نکلے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بوڑھی عورت تمام نمازوں کے لیے نکل سکتی ہے۔ طہارت والا شخص اس شخص کے پیچھے نماز نہ پڑھے جسے پیشاب خطا ہونے کی بیماری ہو، نہ ہی طہارت والی عورتیں استحاضہ والی عورت کے پیچھے نماز پڑھیں، نہ ہی قرأت جاننے والا ان پڑھ کے پیچھے نماز پڑھے اور نہ کپڑوں میں ملبوس شخص ننگے شخص کے پیچھے نماز پڑھے۔ تیمم کرنے والے کا وضو کرنے والوں کی اور موزوں پر مسح کرنے والا پاؤں دھونے والوں کی امامت کرا سکتا ہے۔ اسی طرح کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والا بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔ جو شخص رکوع و سجود کے ساتھ نماز پڑھتا ہے وہ اشارے سے نماز پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔“

معذور آدمی کی اقتداء میں تندرست آدمی کی نماز ناجائز ہے۔ چنانچہ رسول اللہ

ﷺ کا فرمان ہے:

انما جعل الامام لیوتم به

”امام اس لیے ہوتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔“

امام مقتدی کی نماز کا ضامن ہوتا ہے پس جو شخص کہ خود معذور ہے اور اسے خود بحالت مجبوری نماز ادا کرنے کی اجازت دی گئی ہے وہ تندرست کی نماز کا ضامن کیسے ہو سکتا ہے؟

عذر کی قسمیں بھی کئی ہیں:

- 1: دائمی نکسیر والا۔
- 2: وہ جس کا زخم رستا ہو۔
- 3: جسے قطرہ قطرہ پیشاب جاری رہتا ہو۔
- 4: استخاصہ والی عورت (اگر اسے امام بنایا جائے)
- 5: اسی طرح ان پڑھ ہونا بھی ایک عذر ہے کہ عالم وقاری قرآن کی نماز اس کی امامت میں جائز نہ ہوگی۔ اشارے سے نماز پڑھنے والا معذور ہے لہذا رکوع جود والے کی نماز اس کے پیچھے نہ ہوگی۔ فقہاء نے یہاں ایک باریک نکلتے کو پیش نظر رکھا ہے اور وہ یہ کہ اگر عذر کا کوئی قائم مقام موجود ہے تو تندرست کی نماز ایسے معذور کی امامت میں جائز ہے۔ مثلاً ہاتھ پاؤں دھونے کا قائم مقام تیمم ہے۔ پاؤں دھونے کا قائم مقام موزوں پر مسح ہے اور قیام کا قائم مقام قعود ہے۔ پس ایسے لوگوں کی اقتداء میں وضو کرنے والوں اور قیام کرنے والوں کی نماز بالکل جائز ہوگی۔

کھڑے ہو کر نماز پڑھانے والے کی بیٹھ کر پڑھنے والے کی امامت میں نماز کے جواز کے لیے خود رسول اللہ ﷺ کا عمل موجود ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے مرض الموت میں جو آخری نماز ادا فرمائی:

”فکان ابوبکر یصلی وهو قائم بصلوۃ النبی ﷺ والناس یصلون

بصلوة ابی بکر والنبی ﷺ قاعد۔“

”ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کر رہے تھے اور لوگ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتداء کر رہے تھے جبکہ رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوئے نماز پڑھا رہے تھے۔“

نفل والا فرض والے کی امامت نہ کرائے:

☆: ”نہ ہی فرض نماز پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھے اور نہ ہی فرض نماز پڑھنے والا کسی ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے جو کسی اور وقت کی نماز فرض پڑھتا ہو۔ نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔“

فرض پڑھنے والا نفل والے کی اقتداء میں نماز نہیں پڑھ سکتا اور نہ الگ الگ فرض والے ایک دوسرے کی امامت کر سکتے ہیں۔ حدیث پہلے گزر چکی ہے:

”انما جعل الامام ليوتم به فلا تختلفوا عليه۔“

”امام تو اقتداء کے لیے ہوتا ہے۔ اس پر اختلاف نہ کرو۔“

علیہ کا لفظ غلبہ اور حاوی ہونے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لہذا فرض والے اور نفل والے کے درمیان اختلاف نیت کے ساتھ ساتھ غلبہ اور استیلاء بھی ہے کیونکہ فرض نماز اعلیٰ درجے کی اور نفل ادنیٰ درجے کی نماز ہے۔ یہی حال الگ الگ فرض ادا کرنے والوں کا بھی ہے کہ دونوں کے درمیان نیت کا اختلاف موجود ہے لہذا ظہر کی نماز پڑھنے والا عصر پڑھنے والوں کی امامت نہیں کر سکتا۔

اس کے برعکس فرض والا نفل والوں کی امامت کر سکتا ہے کیونکہ امام کی نماز اعلیٰ درجے کی ہے جس سے مندرجہ بالا حدیث کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ نبی کریم ﷺ کے دور مبارک میں فرض نماز پڑھنے والے کی اقتداء میں صحابہ نے نقلی نماز ادا فرمائی۔

بے وضو کی امامت:

☆: ”اگر کسی نے ایک امام کے پیچھے نماز پڑھی اور پھر اسے پتہ چلا کہ امام

بغیر طہارت کے تھا تو وہ دوبارہ نماز پڑھے۔“

اگر مقتدی کو پتہ چل جائے کہ امام طہارت کی حالت میں نہ تھا تو وہ اپنی نماز دوبارہ پڑھے۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ خود امام کی نماز ہی جائز نہ تھی مقتدی کی نماز کیسے درست ہو سکتی ہے؟ رہا یہ سوال کہ مقتدی کو یہ پتہ کیسے چلے گا کہ امام ناپاک حالت میں تھا؟ یا تو امام خود اقرار کرے یا پھر معتبر شہادت مل جائے۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ جبھی آدمی اگر لوگوں کو نماز پڑھا دے تو کیا حکم ہے؟

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”امام بھی نماز دہرائے اور دوسرے لوگ بھی۔“

(کتاب الآثار۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ)



باب : ۷

نماز کے منافی امور

ابتدائیہ

نماز کے منافی امور

نماز کے منافی افعال کی دو قسمیں ہیں:

- 1: وہ افعال جن کی وجہ سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔
 - 2: وہ افعال جن کی وجہ سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔
- بعض افعال کی کراہت شدید ہوتی ہے اور بعض کی کم لیکن ہر حالت میں یہ افعال نماز کے منافی ہیں اور ان سے پرہیز لازم ہے۔

مکروہات نماز:

مندرجہ ذیل اعمال سے نماز میں کراہت یعنی ناپسندیدگی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے:

- 1: سنت طریقے کے خلاف کپڑے پہننا۔
- 2: کپڑوں یا ہاتھوں کو جھاڑنا۔
- 3: سجدے کی جگہ صاف کرنے کے لیے منہ سے بار بار پھونکنا۔
- 4: بلا ضرورت بالوں اور کپڑوں سے کھیلنا۔
- 5: سستی کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھنا۔
- 6: پیشاب، پاخانہ یا ریح کے دباؤ کی حالت میں نماز پڑھنا۔
- 7: انگلیاں چٹخانا۔
- 8: نماز میں کمر یا کولہے پر ہاتھ رکھنا۔
- 9: قبلے کی سمت سے چہرہ پھیر لینا۔

10: سجدے میں کہنیوں کو زمین پر رکھنا، عورتوں کے لیے کہنیاں پیٹ سے ملا کر رکھنا افضل ہے۔

11: اپنے ارادے سے جماہی لینا۔

12: کسی ایسے آدمی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جس کا چہرہ نمازی کی طرف ہو۔

13: ہاتھ یا سر کے اشارے سے سلام کا جواب دینا۔

14: اگلی صف میں جگہ کے باوجود پچھلی صف میں اکیلے نماز پڑھنا۔

15: صرف پیشانی یا ناک یا عمامے پر سجدہ کرنا۔

16: بلا عذر آلتی پالتی (چوکڑی) مار کر بیٹھنا۔

17: آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنا۔

18: قرأت کا کچھ حصہ رکوع میں مکمل کرنا۔

19: کپڑے یا مصلے پر تصویریں وغیرہ بنانا۔

20: امام کے قدموں کا محراب کے اندر ہونا۔ -

21: نمازوں میں قرآنی آیات کی ترتیب کے خلاف قرأت کرنا۔

22: نماز کی سنن میں سے کسی سنت کا ترک کرنا۔

23: سجدے کی حالت میں دونوں پاؤں کا زمین سے اٹھانا۔

24: نماز میں انگڑائی لینا۔

25: نماز کی تسبیحات کا انگلیوں پر گننا۔

26: منہ میں کوئی چیز رکھ کر نماز پڑھنا۔

27: نماز میں کسی خاص سورت کا مقرر کر لینا کہ اس کے علاوہ کوئی اور سورت نہ

پڑھنا۔

مفسداتِ نماز:

مفسداتِ نماز سے مراد وہ اعمال و افعال ہیں جن سے نماز ٹوٹ جاتی ہے اور

از سر نو پڑھنا لازم ہوتا ہے۔

- 1: نماز میں بات چیت کرنا۔
- 2: دوران نماز قرآن مجید کو دیکھ کر تلاوت کرنا۔
- 3: نماز کی شرائط میں سے کوئی شرط پوری نہ کرنا اور اسے چھوڑ دینا۔
- 4: نماز کے واجبات میں سے کوئی واجب ترک کر دینا۔
- 5: سجدہ سہوا دانا کرنا۔
- 6: فرائض نماز میں سے کوئی فرض چھوٹ جائے۔
- 7: بلا عذر رکھنا سنا۔
- 8: درد یا تکلیف کی وجہ سے رونا یا آہ بھرنا (اگر جنت اور دوزخ کے ذکر کی وجہ سے آہ نکل جائے تو اس سے نماز نہیں ٹوٹتی)۔
- 9: ایک چنے کے برابر یا زائد چیز کا ارادے یا بھولے سے نکل جانا۔
- 10: بلا عذر چند قدم چلنا۔
- 11: کوئی ایسا عمل کرنا کہ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ نماز نہیں پڑھ رہا ہے۔
- 12: قرأت میں ایسی غلطی کرے کہ معنی بدل جائے۔
- 13: کھلکھلا کر ہنسنا۔
- 14: عورت کا مرد کے ساتھ ایک رکن کی ادائیگی جتنی دیر کھڑے رہنا۔
- 15: کسی لکھی ہوئی چیز کو زبان سے پڑھنا (اگر دل میں پڑھے یا صرف مطلب سمجھے تو نماز فاسد نہ ہوگی)۔



مكروهات ومفصلات نماز

”ويكره للمصلي ان يعث بثوبه او بجسده ولا يقرب الحصى الا ان لا يمكنه السجود عليه فيسوييه مرة واحدة ولا يفرقع اصابعه ولا يشبك ولا يتخصر ولا يسدل ثوبه ولا يكفه ولا يعقص شعره ولا يلتفت يمينا وشمالا ولا يقعي كاقعاء الكلب ولا يرد السلام بلسانه ولا بيده ولا يتربع الا من عذر ولا ياكل ولا يشرب. فان سبقه الحدث انصرف وتوضاء وبني على صلوته ان لم يكن اماما فان كان اماما استخلف وتوضاء وبني على صلوته ما لم يتكلم والاستيناف افضل. وان نام فاحتلم او جن او اغمى عليه اوقهقه استانف الوضوء والصلوة. وان تكلم في صلوته ساهيا او عامدا بطلت صلوته وان سبقه الحدث بعد ما قعد قدر التشهد توضاء وسلم وان تعمّد الحدث في هذه الحالة او تكلم او عمل عملا ينافي الصلوة تمت صلوته. وان رأى المتيمم الماء في صلوته بطلت صلوته وان راه بعد ما قعد قدر التشهد او كان ماسحا فانقضت مدة مسحه او كان صاحب العذر فانقطع عذره او خلع خفيه بعمل قليل او كان اميا فتعلم سورة او عريانا فوجد ثوبا او موميا فقد ر على الركوع و السجود او تذكر ان عليه صلوة قبل هذه او احدث الامام القاري فاستخلف اميا او طلعت الشمس في صلوة الفجر او دخل وقت العصر في الجمعة او كان

ماسحًا علی الجبيرة فسقطت عن بُرءٍ او كانت مستحاضة فبرأت
بطلت صلواتهم فی قول ابی حنیفة وقال ابو یوسف و محمد تمت
صلواتهم فی هذه المسائل۔“

”نمازی کے لیے مکروہ ہے کہ وہ اپنے کپڑے یا اپنے جسم سے کھیلے اور نہ کنکریوں کو الٹ پلٹ کرے البتہ اگر ان پر سجدہ کرنا ممکن نہ ہو تو ایک بار نہیں ہموار کر دے۔ نہ ہی انگلیوں کو چٹھائے اور نہ انہیں ایک دوسرے میں ڈالے، نہ ہی کولہوں پر ہاتھ رکھے اور نہ اپنا کپڑا گردن میں لٹکائے۔ نہ اس کو لپیٹے اور نہ ہی بالوں کو گوندھے۔ نہ دائیں بائیں دیکھے اور نہ ہی کتے کی طرح بیٹھے۔ نہ تو زبان سے سلام کا جواب دے اور نہ ہی ہاتھ سے۔ نہ ہی بغیر عذر کے چوکڑی مار کر بیٹھے اور نہ ہی کچھ کھائے پیئے۔ اگر وضو ٹوٹ جائے تو وہاں سے ہٹ جائے اور وضو کرے اور اگر امام نہیں تو اپنی پہلی نماز پر بناء کرے اور اگر امام تھا تو کسی کو اپنا نائب بنا جائے اور وضو کرے اور جب تک کسی سے بات نہ کرے تو اپنی پہلی نماز پر بناء کرے اور از سر نو پڑھنا افضل ہے۔ اگر سو گیا اور احتلام ہو گیا یا مجنون (دیوانہ) ہو گیا، بیہوش ہو گیا یا زور سے ہنسا تو از سر نو وضو کرے اور از سر نو نماز پڑھے۔ اگر نماز میں بھول کر یا جان بوجھ کر بات کی تو اس کی نماز باطل ہوگئی۔ اگر اس کا وضو ٹوٹ جائے جبکہ وہ قعدہ میں تھا اور تشهد تک پڑھ چکا تھا تو وہ وضو کرے اور سلام پھیر دے اور اگر جان بوجھ کر اس حالت میں وضو توڑ دیا یا بات کر لی یا ایسا کام کر دیا جو نماز کے منافی تھا تو اس کی نماز پوری ہوگئی۔ اگر تیمم کرنے والا نماز میں پانی دیکھ لے تو اس کی نماز باطل ہوگئی اور اگر قعدہ کی حالت میں تشهد پڑھنے کے بعد دیکھا یا وہ مسح کرنے والا تھا اور اس کی مدت مسح ختم ہوگئی یا وہ معذور تھا اور اس کا عذر ختم ہو گیا یا عمل قلیل کے بعد اس نے موزے اتار دیئے یا ان پڑھ (امی) تھا اور

اُس نے کوئی سورت سیکھ لی یا برہنہ تھا اور کپڑا پالیا یا اشاروں سے نماز پڑھنے والا تھا اور رکوع و سجود پر قدرت حاصل ہوگئی یا اُسے یاد آ گیا کہ اس پر اس سے پہلی نماز باقی ہے یا قاری امام بے وضو ہو جائے اور وہ کسی اُن پڑھ کو اپنا نائب بنادے یا فجر کی نماز میں سورج طلوع ہو جائے یا نماز جمعہ میں عصر کا وقت ہو جائے یا پٹی پر مسح کرنے والا شخص تھا اور زخم ٹھیک ہو کر پٹی گر جائے یا استحاضہ کی مریضہ تھی اور وہ ٹھیک ہوگئی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ان سب کی نماز باطل ہوگئی اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان مسائل میں سب کی نماز مکمل ہے۔“

مفردات:

یبعث: بے کار کام کرتا ہے۔ کھیلتا ہے۔

لا یلقب: الٹ پلٹ نہ کرے۔

الحصنی: کنکریاں۔

لا یمکنہ: ناممکن ہوتا ہے۔

لا یفرق: نہ چٹخائے۔

لا یشبک: اُنکلیوں کو ایک دوسرے میں نہ ڈالے۔

لا یتخصر: کمر پر ہاتھ نہ رکھے۔

لا یسدل: سدل نہ کرے۔ سدل یہ ہے کہ کپڑا یا چادر کندھے پر ڈال کر اس کے دونوں

کنارے لٹکا دیئے جائیں۔

ویعقص: بالوں کا جوڑا نہ بنائے۔

لا یلتفت: نہ جھانکے۔ نہ متوجہ ہو۔

لا یقی اقعاء: مصدر ہے۔ ایک بیٹھنے کی ایک شکل ہے جس میں سرین زمین پر ٹکا کر گھٹنے

کھڑے کر لیے جاتے ہیں۔ کتا اسی طرح بیٹھتا ہے یعنی اس طرح نماز میں نہ بیٹھے۔

لا یتربع: چوکڑی مار کر نہ بیٹھے۔

انصرف: واپس ہو جائے۔ مڑ جائے۔

استخلف: نائب مقرر کرے۔

الاستینان: از سر نو شروع کرنا۔

جن: جنوں میں مبتلا ہوا۔

أُغْمِي عَلَيْهِ: اس پر بیہوشی طاری کی گئی۔

تعمد: ارادہ کیا۔

ینافی: مخالف ہوتا ہے۔

المتیمم: تیمم کرنے والا۔

بطلت: باطل ہو گئی۔ ٹوٹ گئی۔

انقضت: گزر گئی۔

انقطع: ختم ہو گیا۔

خلع: اتار دیا۔

تذکر: یاد کیا۔

الجبيرة: ٹوٹی ہوئی ہڈی پر جو پٹی یا لکڑی یا پلستر لگایا جاتا ہے اُسے جبیرہ کہا جاتا ہے۔

برء: زخم کا درست ہونا۔

مسائل ودلائل

کیڑوں سے کھیلنا:

☆: ”نمازی کے لیے مکروہ ہے کہ وہ اپنے کیڑے یا اپنے جسم سے کھیلے۔“

نماز میں کیڑے وغیرہ سے کھیلنے کے متعلق حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

ایک شخص کو نماز میں کھیلتے دیکھا تو فرمایا:

”لو خشع قلبه لخشعت جوارحه۔“

”اگر اُس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر ہوتا تو اُس کے اعضاء بھی خشوع کی

کیفیت سے سرشار ہوتے۔“

انگلیوں کو چٹخانا:

☆: ”نہ ہی انگلیوں کو چٹخائے اور نہ انہیں ایک دوسرے میں ڈالے۔“

سنن ابن ماجہ کی حدیث ہے:

”لا تفرق اصابعك وانت في الصلوة۔“

”جب تو نماز پڑھ رہا ہو تو انگلیاں نہ چٹھاؤ۔“

تشبیک کا معنی ہے انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسانا۔ اکثر اسی طرح انگلیاں چٹخائی جاتی ہیں۔ لہذا یہ بھی ممنوع ہے۔

کنکریاں پلٹنا:

☆: ”نمازی نہ کنکریوں کو الٹ پلٹ کرے البتہ اگر ان پر سجدہ کرنا ممکن نہ

ہو تو ایک بار انہیں ہموار کر دے۔“

صحاح ستہ کی حدیث ہے:

”ولا تمسح الحصى وانت تصلى فان كنت لا بدفاعا فواحدة۔“

”نماز پڑھتے ہوئے کنکریوں کو نہ چھوؤ۔ اگر ایسا کرنا ہی پڑے تو صرف

ایک بار۔“

سدل کرنا:

☆: ”نہ ہی کولہوں پر ہاتھ رکھے اور نہ اپنا کپڑا گردن میں لٹکائے۔ نہ اس کو

لپیٹے اور نہ ہی بالوں کو گوندھے۔“

نماز میں سدل، کولہوں پر ہاتھ رکھنے، بالوں کا گھچا بنانے اور اپنے جسم کے گرد

کیڑا پینے سے منع کیا گیا ہے۔ سدل کا مفہوم یہ ہے کہ گلے میں کیڑا اڑال کر اس کے دونوں کناروں کو چھوڑ دیا جائے کہ نیچے لٹکتے رہیں۔ سنن ابی داؤد میں ہے:

”ان رسول اللہ ﷺ نہی عن السدل فی الصلوٰۃ۔“

”رسول اکرم ﷺ نے نماز میں سدل سے منع فرمایا۔“

صحاح ستہ کی حدیث ہے:

”أمرت ان اسجد علی سبعة وان لا اکف شعرا ولا ثوبا۔“

”مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ کہ بال اور

کیڑا نہ سمیٹوں۔“

یعنی بالوں کو درست نہ کرنا اور کیڑوں کو آگے یا پیچھے نہ سنبھالنا چاہئے۔ بال

گوندھنے سے متعلق مصنف عبدالرزاق میں واضح الفاظ ہیں:

”لا تعقص شعرك فی الصلوٰۃ فانه کفل الشيطان۔“

”اپنے بالوں کو نماز میں نہ گوندھو کیونکہ وہ شیطان کے پھندے کی مانند

ہے۔“

دائیں بائیں دیکھنا:

☆: ”نہ دائیں بائیں دیکھے۔“

دائیں بائیں دیکھنا نماز کے خلاف ہیں۔ لہذا ان سے منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”سألت رسول اللہ ﷺ عن التفات الرجل فی الصلوٰۃ فقال

هو اختلاس یختلسه الشيطان من صلوٰۃ العبد۔“

”میں نے رسول اللہ ﷺ سے نماز میں آدمی کے ادھر ادھر دیکھنے کے

متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایک جھپٹا ہے جو شیطان

آدمی کی نماز سے اچک لیتا ہے۔“

حدیث میں التفات کا لفظ آیا ہے جس کا معنی ہے سینہ قبلہ کی جانب رہے صرف چہرہ دائیں بائیں موڑے۔ اگر سینہ بھی پھر جائے تو نماز جاتی رہے گی۔

اقعاء الکلب:

☆: ”نہ ہی کتے کی طرح بیٹھے۔“

کتے کی مانند بیٹھنے کے متعلق جامع ترمذی، سن ابن ماجہ، صحیح مسلم اور مسند احمد کی صحیح حدیث ہے۔ مسند میں روایت ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”نہانی رسول اللہ ﷺ عن نقرة كنقرة الديك واقعاء كاقعاء الكلب والتفات كالتفات الثعلب۔“

”مجھے رسول اللہ ﷺ نے نماز میں مرغے کی مانند ٹھونگہ مارنے، کتے کی طرح بیٹھنے اور لومڑی کی طرح ادھر ادھر دیکھنے سے منع فرمایا۔“

سلام کا جواب دینا:

”نہ تو زبان سے سلام کا جواب دے اور نہ ہی ہاتھ سے۔“

سلام کے جواب دینے کے متعلق احادیث میں وارد ہے کہ پہلے یہ جائز تھا جبکہ بعد میں منسوخ ہو گیا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”پہلے ہم لوگ نماز میں بات چیت کر لیا کرتے تھے۔ جب یہ آیت اتری:

”قومو اللہ قنتمین“

”نماز میں خاموش قیام کیا کرو۔“

تو ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا۔“

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

”پہلے ہم حضور نبی کریم ﷺ کو نماز میں سلام کرتے تو آپ ﷺ نماز میں اس کا

جواب دیا کرتے۔ جب ہم حبشہ سے مدینہ آئے تو آپ ﷺ نے ہمارے سلام کا جواب نہ دیا۔ ہم نے پوچھا تو جواب دیا:

”ان فی الصلوٰۃ لشغلا۔“

”نماز میں مصروفیت ہوتی ہے۔“

نماز کی حالت میں وضو ٹوٹ جانا:

☆: ”اگر وضو ٹوٹ جائے تو وہاں سے ہٹ جائے اور وضو کرے اور اگر امام نہیں تو اپنی پہلی نماز پر بناء کرے اور اگر امام تھا تو کسی کو اپنا نائب بنا جائے اور وضو کرے اور جب تک کسی سے بات نہ کرے تو اپنی پہلی نماز پر بناء کرے اور از سر نو پڑھنا افضل ہے۔“

نماز میں وضو ٹوٹ جانے کی صورت میں مقتدی کے لیے وضو کرنا اور پہلے ادا کی ہوئی نماز پر بناء کرنا درست ہے مگر امام کے لیے از سر نو پڑھنا افضل ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ اور دارقطنی میں صحیح روایت ہے:

”من اصابه قبی ادر عاف او قلس او مذی فلینصرف فلیتوضاء ثم

لیسبن علی صلوٰتہ مالم یتکلم۔“

”جسے نماز میں قے، نکسیر یا کھانا پیٹ سے آئے یا منی آجائے یا مذی آجائے

تو وہ وضو کر کے پہلی نماز پر بناء کرے جب تک کلام نہ کرے۔“

عمل قلیل:

☆: ”عمل قلیل کے بعد اس نے موزے اتار دیئے۔“

عمل قلیل وہ عمل ہے جو نماز کے منافی نہ ہو اور جسے ایک آدھ بار کیا جائے جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں نمازی کی سجدہ گاہ پر اگر سنگریزے یا اسی طرح کی کوئی اور تکلیف دہ چیز پڑی ہو تو وہ نماز کے دوران صرف ایک بار ہموار کر سکتا ہے تاکہ سجدہ کرنے میں آسانی ہو۔ اگر وہ بار بار ہر سجدہ کے موقع پر اس عمل کو دہرائے گا تو نماز باطل ہو جائے

گی کیونکہ عمل قلیل عمل کثیر میں تبدیل ہو گیا۔

اسی طرح اگر نمازی موزوں پر مسح کر کے نماز ادا کر رہا ہو، اسے پاؤں میں خارش محسوس ہو اور خارش کرتے ہوئے اس کا ڈھیلا موزہ اتر جائے تو اس کی نماز جاتی رہی۔

سوال: یہ عمل قلیل تھا اور اس سے نماز نہ ٹوٹنی چاہئے تھی پھر کیوں ٹوٹی؟

جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ مسافر کے لیے تین دن رات اور مقیم کے لیے ایک دن رات کے لیے موزوں پر مسح کر کے نماز پڑھنے کی اجازت ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس مدت کے دوران وہ موزہ نہ اتارے۔ اگر ایک دفعہ بھی موزہ اتر گیا تو مسح کی رعایت جس سے وہ فائدہ اٹھا رہا ہے ختم ہو جائے گی اور اب اسے دوبارہ وضو کرنا پڑے گا۔ مذکورہ آدمی نے چونکہ موزہ نماز پڑھتے اتار دیا تھا اور موزہ اتارنے سے اس کا وضو جاتا رہا لہذا بے وضو نماز ہوتی نہیں، اس لیے اب وہ از سر نو مکمل وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھے گا۔

ہنسی اور نیند:

☆: ”اگر نمازی سو گیا، اسے احتلام ہو گیا، مجنون (دیوانہ) ہو گیا، بیہوش

ہو گیا یا زور سے ہنسا تو از سر نو وضو کرے اور از سر نو نماز پڑھے۔“

نیند، احتلام، جنون، بے ہوشی اور کھلکھلا کر ہنسنے کی صورت میں وضو اور نماز دونوں جاتے رہتے ہیں۔ لہذا دونوں کو لوٹانا ہوگا۔ قہقہہ اور ہنسی میں فرق یہ ہے کہ قہقہے سے وضو اور نماز دونوں ٹوٹ جاتے ہیں۔ جب کہ ہنسی سے صرف نماز باطل ہو جاتی ہے۔ مسکراہٹ سے دونوں نہیں ٹوٹتے لیکن نماز میں مسکراہٹ مکروہ ہے۔

نیند سے وضو ٹوٹنے کے متعلق سنن ابی داؤد کی حدیث ہے:

”من نام فلیتوضاء۔“

”جو سو جائے وہ دوبارہ وضو کرے۔“

اگر قیام و رکوع کی حالت میں نیند آئے تو اس سے وضو میں خلل نہیں پڑتا لیکن

لیٹ کر یا سہارا لگا کر سونے سے وضو جاتا رہتا ہے۔

تشہد کے بعد حدث:

☆: ”اگر اس کا وضو ٹوٹ جائے جبکہ وہ قعدہ میں تھا اور تشہد تک پڑھ چکا تھا تو وہ وضو کرے اور سلام پھیر دے اور اگر جان بوجھ کر اس حالت میں وضو توڑ دیا یا بات کر لی یا ایسا کام کر دیا جو نماز کے منافی تھا تو اس کی نماز پوری ہوگئی۔“

مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد اگر حدث لاحق ہو تو وضو کرے اور سلام پھیرے۔ اسی حالت میں اگر اپنے ارادے سے وضو توڑ دے یا نماز کے منافی کوئی عمل کرے تو نماز مکمل ہوگئی۔ پہلی صورت میں سلام کے لیے جو واجب ہے وضو کرنا ضروری تھا لیکن دوسری صورت میں چونکہ نماز باطل ہوگئی۔ اس لیے پہلی پر بناء نہیں ہو سکتی۔ نماز چونکہ مکمل ہو چکی تھی اور کوئی فرض اس کے ذمے باقی نہ تھا اس لیے دہرانا ضروری نہیں۔ اس بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث امام طحاری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

”اذا قضی الامام الصلوٰۃ فقع فاحدث هو او واحد ممن اتم

الصلوٰۃ منه قبل ان یسلم الامام فقد تمت صلوٰۃ فلا یعیدها۔“

”جب امام نے نماز پوری کر لی اور تشہد کی مقدار بیٹھ چکا پھر اُسے حدث لاحق ہو یا اُن میں سے کسی کو جنہوں نے اس کے ساتھ نماز مکمل کی تھی امام کے سلام پھیرنے سے پہلے حدث لاحق ہوا تو اس کی نماز مکمل ہوگئی دوبارہ لوٹانا نہیں چاہئے۔“

(نصب الرایہ، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 63)

تیمم والے کا نماز میں پانی دیکھ لینا:

☆: ”اگر تیمم کرنے والا نماز میں پانی دیکھ لے تو اس کی نماز باطل ہوگئی۔“

تیمم کے ساتھ نماز ادا کرنے والا اگر دوران نماز پانی دیکھ لے تو اس کی نماز باطل

ہوگئی، اس لیے اب وضو کر کے نماز از سر نو ادا کرے۔

نماز کے باطل ہونے اور فاسد ہونے میں فرق یہ ہے کہ باطل ہونے کی صورت میں شروع سے دوبارہ دہرانا ہوگا۔ فاسد ہونے پر وہیں سے ادا کرنا لازم ہوگا جہاں پر خلل واقع ہوا تھا اور اسی کو بناء کرنا کہتے ہیں یعنی نماز کا پہلا حصہ صحیح ہے صرف دوسرے حصے کو اس سے ملانا ہوگا۔

پانی دیکھ لینے سے مراد یہ ہے کہ پانی اس کی دسترس میں ہو۔ اگر پانی ایسی جگہ ہو جہاں سے اُس کا حصول ناممکن ہے تو پھر نماز باطل نہ ہوگی۔ مثلاً پانی دشمن کے پاس ہے یا ایسی جگہ ہے جہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

مسائل اثنا عشریہ:

☆: ” اگر تیمم کرنے والا نماز میں پانی دیکھ لے تو اس کی نماز باطل ہوگئی اور اگر قعدہ کی حالت میں تشهد پڑھنے کے بعد دیکھا یا وہ مسح کرنے والا تھا اور اُس کی مدت مسح ختم ہوگئی یا وہ معذور تھا اور اس کا عذر ختم ہو گیا یا عمل قلیل کے بعد اُس نے موزے اتار دیئے یا ان پڑھ (امی) تھا اور اُس نے کوئی سورت سیکھ لی یا برہنہ تھا اور کپڑا پالیا یا اشاروں سے نماز پڑھنے والا تھا اور رکوع وسجود پر قدرت حاصل ہوگئی یا اُسے یاد آ گیا کہ اس پر اس سے پہلی نماز باقی ہے یا قاری امام بے وضو ہو جائے اور وہ کسی ان پڑھ کو اپنا نائب بنا دے یا فجر کی نماز میں سورج طلوع ہو جائے یا نماز جمعہ میں عصر کا وقت ہو جائے یا پٹی پر مسح کرنے والا شخص تھا اور زخم ٹھیک ہو کر پٹی گر جائے یا استحاضہ کی مریضہ تھی اور وہ ٹھیک ہوگئی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ان سب کی نماز باطل ہوگئی اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان مسائل میں سب کی نماز مکمل ہے۔“

نماز کے متعلق یہ بارہ مسائل ہیں جن کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے دو شاگردوں صاحبین (امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ) کے

درمیان اختلاف واقع ہوا ہے۔ فقہاء ان کو مسائل اثناء عشریہ کہتے ہیں۔ وہ مسائل یہ ہیں:

- 1: ایک شخص تیمم کر کے نماز پڑھ رہا تھا، آخری قعدہ کرنے کے بعد پانی پر قادر ہو گیا۔
- 2: پاؤں پر مسح کرنے والے کی مدت مسح پوری ہو گئی۔
- 3: تھوڑے عمل (یعنی عمل قلیل) سے پاؤں سے موزے اتار دیئے۔
- 4: ناخواندگی کی حالت میں نماز پڑھ رہا تھا کہ قرآن کی کوئی سورت یاد آ گئی۔
- 5: برہنہ حالت میں نماز پڑھ رہا تھا کہ کپڑا مل گیا۔
- 6: اشارے سے نماز ادا کر رہا تھا تو رکوع و سجود کی قدرت حاصل ہو گئی۔
- 7: صاحب ترتیب کو تشہد کے بعد یاد آیا کہ اس کی کوئی اور نماز واجب الادا ہے۔
- 8: قاری امامت کر رہا تھا اور اس نے بے وضو ہونے پر ناخواندہ شخص کو اپنی جگہ کھڑا کر دیا۔
- 9: فجر کی نماز میں سورج چڑھ آیا۔
- 10: جمعہ کی نماز میں عصر کا وقت داخل ہو گیا۔
- 11: پٹی پر مسح کر کے نماز پڑھ رہا تھا تو زخم اچھا ہو گیا اور پٹی گر پڑی۔
- 12: استحاضہ والی عورت نماز پڑھ رہی تھی کہ تندرست ہو گئی۔

یہ سب صورتیں آخری قعدہ کے بعد پیش آئیں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان کی نماز باطل ہو گئی، انہیں نماز دوبارہ پڑھنی چاہئے لیکن صاحبین کے نزدیک ان سب لوگوں کی نماز مکمل ہو گئی اور انہیں لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

یہ اختلاف دراصل ایک بنیادی اصول پر مبنی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز کے فرائض سات ہیں اور ان میں ایک فرض خروج المصلی بصدقہ من الصلوٰۃ یعنی نمازی کا اپنے ارادے اور عمل سے نماز سے باہر آنا بھی ہے۔ چونکہ ان

تمام مسائل میں نمازی اپنے ارادے سے باہر نہیں آیا لہذا فرض کے چھوٹنے سے اس کی نماز ٹوٹ گئی۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں تشہد سکھانے کے بعد فرمایا:

”اذا قلت هذا او قضيت هذا فقد قضيت صلوتك ان شئت ان

تقوم فقم وان شئت ان تقعد فاقعد۔“

”جب تم یہ کہہ چکویا یہ پورا کر چکو تو تم نے اپنی نماز پوری کر لی اب اگر چاہو تو

کھڑے ہو جاؤ اور چاہو تو بیٹھے رہو۔“

صاحبین کے نزدیک نماز کے فرض چھ ہیں چونکہ یہ چھ کے چھ پورے ہو چکے، اس لیے نماز مکمل ہو گئی۔ ان مسائل میں حنفی علماء کا فتویٰ صاحبین کے قول کے مطابق ہے۔



باب : ۸

فوت شدہ نمازوں کو ادا کرنے کے بیان میں

ابتدائیہ

فوت شدہ نمازوں کے احکام

اس باب میں درج ذیل مسائل کا ذکر ہے:

1: جس شخص کی نماز وقت پر ادا کرنے سے رہ جائے جب اُسے یاد آئے تو اس کی قضا اس پر فرض ہے۔

2: فوت شدہ نماز کو پہلے پڑھا جائے اور وقتی نماز کو بعد میں۔

3: اگر وقت تنگ ہو اور وقتی نماز کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو تو وقتی نماز پہلے پڑھ لے اور فوت شدہ نماز بعد میں قضا کرے۔

4: اگر صاحب ترتیب کی کئی نمازیں فوت ہو جائیں تو اُن کو ادا کرنے میں اصل ترتیب کو قائم رکھا جائے یعنی پہلے فوت ہونے والی نماز پہلے اور بعد والی بعد میں قضا کرے۔

5: اگر فوت شدہ نمازوں کی تعداد پانچ سے زائد ہو جائے تو ترتیب سے ادائیگی ساقط ہو جاتی ہے یعنی آگے پیچھے جس طرح چاہے قضا کر سکتا ہے۔



فوت شدہ نمازوں کی ادائیگی کا طریقہ اور مسائل

”ومن فاتته صلوٰۃ قضاها اذا ذكرها و قدّمها على صلوٰۃ الوقت الا ان يخاف فوت صلوٰۃ الوقت فيقدم صلوٰۃ الوقت على الفائت ثم يقضيها ومن فاتته صلوات رتبها في القضاء كما وجبت في الاصل الا ان تزيد الفوائت على خمس صلوات فيسقط الترتيب فيها۔“

”جس شخص کی کوئی نماز فوت ہو جائے تو جب اُسے یاد آجائے اس کی قضا کرے اور فوت شدہ نماز کو وقت کی نماز سے پہلے پڑھے، ہاں اگر اسے اندیشہ ہو کہ کہیں وقت کی نماز بھی نہ رہ جائے تو پھر وقت کی نماز فوت شدہ نماز سے پہلے پڑھے، پھر بعد میں اُسے قضا کرے اور جس کی ایک سے زیادہ نمازیں فوت ہو جائیں تو وہ ان نمازوں کی قضا کرنے میں ترتیب ملحوظ رکھے جس طرح اصل نمازوں میں رکھی جاتی ہے، ہاں اگر اس کی فوت شدہ نمازوں کی تعداد پانچ سے زیادہ ہو جائے تو پھر ان میں ترتیب ساقط ہو جائے گی۔“

مفردات:

الفوائت، فائتہ کی جمع ہے۔ معنی ہے فوت شدہ، گزر جانے والی نماز۔

ذکر: یاد کیا۔

قدم: پہلے ادا کیا۔

يقضيها: مصدر قضاء ہے۔ معنی ہے کسی ادھورے عمل کو پورا کرنا۔

رتب: ترتیب کے ساتھ ادا کیا۔

تزیید: زیادہ ہو جاتا ہے۔

یسقط: گر جاتا ہے۔

مسائل ودلائل

قضا شدہ نماز کی ادائیگی:

☆: ”اور جس شخص کی کوئی نماز فوت ہو جائے تو جب اُسے یاد آ جائے اس کی قضا کرے۔“

فوت شدہ نمازوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:

”من نسی صلوٰۃ فليصلها اذا ذكرها لا كفارة لها الا ذلك۔“

”جو شخص کسی نماز کو بھول گیا تو جب اس کو یاد آئے اُسے پڑھ لے۔ اُس کا

بس یہی کفارہ ہے۔“

(اصح البخاری، جلد نمبر 1)

وقتی نماز سے مقدم:

☆: ”فوت شدہ نماز کو وقت کی نماز سے پہلے پڑھے ہاں اگر اسے اندیشہ ہو کہ کہیں وقت کی نماز بھی نہ رہ جائے تو پھر وقت کی نماز فوت شدہ نماز سے پہلے پڑھے، پھر بعد میں اُسے قضا کرے۔“

فوت شدہ نماز کو وقتی نماز سے پہلے ادا کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے:

”من نام عن الصلوٰۃ او نسيها فلم يذكرها الا وهو مع الامام فليصل

التي هو فيها ثم ليصل التي ذكرها ثم ليعد التي مع الامام۔“

”جو آدمی کسی نماز سے سو گیا یا بھول گیا پھر اُس وقت اُسے یاد آئی جب وہ

امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا تو پہلے اس نماز کو مکمل کرے جسے وہ پڑھ رہا ہے

پھر وہ نماز پڑھے جو اُسے یاد آئی پھر امام کے ساتھ والی نماز کو لوٹائے۔“
اس سے پتہ چلا کہ فوت شدہ نماز کو وقتی نماز سے پہلے پڑھنا ضروری ہے۔ ورنہ
امام کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز کو لوٹانا کیا معنی رکھتا ہے؟

نمازوں کی ادائیگی میں ترتیب:

☆: ”جس کی ایک سے زیادہ نمازیں فوت ہو جائیں تو اُس کی قضا کرنے
میں ترتیب ملحوظ رکھے جس طرح اصل نمازوں میں رکھی جاتی ہے، ہاں اگر اس کی فوت
شدہ نمازوں کی تعداد پانچ سے زیادہ ہو جائے تو پھر ان میں ترتیب ساقط ہو جائے گی۔“
فوت شدہ نمازیں اگر پانچ ہوں تو ترتیب سے قضا کرنا فرض ہے۔ احناف کا
مسلك یہی ہے کیونکہ جنگِ خندق کے دوران رسول اللہ ﷺ کی چار نمازیں قضا ہوئیں
تو آپ ﷺ نے انہیں ترتیب سے لوٹایا یعنی پہلے ظہر، پھر عصر، پھر مغرب پھر عشاء۔

(سنن ترمذی) (سنن نسائی) (مسند امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ)

پانچ تک ترتیب قائم رکھنا مشکل نہیں۔ لہذا حنفیہ نے پانچ تک ترتیب رکھنا
ضروری قرار دیا ہے۔ پانچ سے زیادہ میں ترتیب رکھنے سے وقتی نمازوں کی ادائیگی
بھلا بیٹھے گا۔



باب : ۹

وہ اوقات جن میں
نماز پڑھنا مکروہ ہے

ابتدائیہ

مکروہ اوقات

تین اوقات ایسے ہیں جن میں ہر قسم کی نماز پڑھنا ممنوع قرار دیا گیا ہے اور وہ

اوقات یہ ہیں:

1: طلوع آفتاب کے وقت

2: غروب آفتاب کے وقت

3: جب سورج نصف النہار پر ہو یعنی عین دوپہر کے وقت۔

ان تینوں اوقات میں نماز جنازہ، سجدہ تلاوت، فرض نمازوں کی قضا اور نوافل سب ناجائز ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان اوقات میں مشرک اور بت پرست سورج کی عبادت اور بت پرستی میں مصروف ہوتے تھے۔ ایک حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے ان اوقات کی عبادت کو شیطانی فعل قرار دیا اور مشرک اقوام کی مشابہت بھی اس سے لازم آتی ہے۔ غروب آفتاب کا وقت وہ ہوتا ہے جب سورج کی روشنی اس قدر کمزور پڑ جاتی ہے کہ اس پر نگاہ ڈالی جاسکتی ہے اور یہ تقریباً بیس سے تیس منٹ تک کا وقت ہوتا ہے۔ غروب آفتاب کے وقت صرف اسی دن کی عصر کی نماز پڑھی جاسکتی ہے جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب عصر کو صحیح وقت میں نہ پڑھا گیا اور وقت مکروہ کے داخل ہونے سے اس کی فرضیت میں نقصان شامل ہو گیا تو اب جو نماز کہ نقصان کے ساتھ فرض ہوئی اسے نقصان کے ساتھ ادا کرنا جائز ہے۔

امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے دو اوقات اور بھی بیان کیے ہیں جن میں نوافل ادا کرنا تو مکروہ ہے لیکن ان اوقات میں فوت شدہ نمازیں اور سجدہ تلاوت جائز ہیں۔

1: نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک

2: نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک

پہلے تینوں اوقات میں کراہت بذاتہ موجود ہے۔ اس لیے کوئی بھی نماز جائز نہیں لیکن آخری دو اوقات میں کراہت اس لیے ہے کہ یہ اوقات فجر اور عصر کی فرض نمازوں کے لیے مخصوص ہیں، لہذا نوافل مکروہ ہوں گے۔ اسی لیے امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے تین وقتوں کے لیے لایجوز کے الفاظ استعمال کیے ہیں جب کہ دوسرے دو کے لیے لفظ مکروہ استعمال کیا ہے۔

طلوع فجر کے بعد صرف دو رکعت سنت فجر ہی پڑھی جاسکتی ہے اور مغرب کی نماز سے قبل کوئی نوافل نہیں پڑھنے چاہئیں۔



نماز کے مکروہ اوقات کا بیان

”لايجوز الصلوة عند طلوع الشمس ولا عند غروبها الا عصر يومه ولا عند قيامها في الظهيرة ولا يصلى على جنازة ولا يسجد للتلاوة ويكره ان يتنفل بعد صلوة الفجر حتى تطلع الشمس وبعد صلوة العصر حتى تغرب الشمس ولا باس بان يصلى في هذين الوقتين الفوايت ويكره ان يتنفل بعد طلوع الفجر باكثر من ركعتي الفجر ولا يتنفل قبل المغرب۔“

”سورج کے طلوع ہونے کے وقت نماز جائز نہیں اور نہ ہی اس کے غروب ہونے کے وقت سوائے اس دن کی نماز عصر کے اور نہ ہی ظہر کے وقت سورج کے رُک جانے کے وقت نماز جائز ہے اور ان تینوں اوقات میں نماز جنازہ بھی نہیں پڑھنی چاہئے اور نہ ہی سجدہ تلاوت کرنا چاہئے۔ نماز فجر کے بعد سورج طلوع ہونے تک نیز نماز عصر کے بعد سورج کے غروب ہونے تک نفل پڑھنا مکروہ ہے، البتہ ان دونوں اوقات میں فوت شدہ نمازیں پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ طلوع فجر کے بعد فجر کی دو رکعتوں سے زیادہ نفل پڑھنا بھی مکروہ ہے اور مغرب سے بھی قبل بھی نفل نہ پڑھے جائیں۔“

مفردات:

قیام: ٹھیرنا۔ قائم ہونا۔ رُک جانا۔

الظهيرة: دوپہر۔

لاباس: کوئی خوف نہیں۔ کوئی حرج نہیں۔

مسائل ودلائل

اوقات مکروہہ:

☆: ”سورج کے طلوع ہونے کے وقت نماز جائز نہیں اور نہ ہی اس کے غروب ہونے کے وقت سوائے اس دن کی نماز عصر کے اور نہ ہی ظہر کے وقت سورج کے رُک جانے کے وقت نماز جائز ہے اور ان تینوں اوقات میں نماز جنازہ بھی نہیں پڑھنی چاہئے اور نہ ہی سجدہ تلاوت کرنا چاہئے۔“

تین وقت ایسے ہیں جن میں ہر قسم کی نماز و سجدہ ممنوع ہے۔ ان تینوں اوقات کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

”ثلاث ساعات كان رسول الله ﷺ ينهانا ان نصلی فیہن او ان نقبر فیہن موتانا۔“ حين تطلع الشمس بازغة حتى ترفع وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب۔“

(صحیح مسلم) (سنن ابی داؤد)

”تین وقت ایسے ہیں کہ جن میں رسول اللہ ﷺ ہمیں نماز پڑھنے اور اپنے مردوں کو دفنانے (نماز جنازہ پڑھنے) سے منع کیا کرتے تھے۔ پہلا وقت جب سورج طلوع ہونے پر آئے تا آنکہ بلند ہو جائے۔ دوسرا وقت جب دوپہر کو نصف النہار پر کھڑا ہو جائے، یہاں تک کہ ڈھل جائے۔ تیسرا وقت جب ڈوبنے کے قریب ہو حتیٰ کہ غروب ہو جائے۔“

نوافل کے لیے مکروہ اوقات:

☆ ”نماز فجر کے بعد سورج طلوع ہونے تک نیز نماز عصر کے بعد سورج کے غروب ہونے تک نفل پڑھنا مکروہ ہے البتہ ان دونوں اوقات میں فوت شدہ نمازیں پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔“

دو وقت ایسے ہیں جن میں ہر قسم کے نوافل مکروہ ہیں یعنی نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک اور نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

”ان رسول اللہ ﷺ نہی عن الصلوٰۃ بعد الفجر حتی تطلع الشمس وعن الصلوٰۃ بعد العصر حتی تغرب الشمس۔“

”رسول اللہ ﷺ نے فجر کے بعد نماز سے منع فرمایا یہاں تک کہ سورج نکل آئے اور عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا حتیٰ کہ سورج غروب ہو جائے۔“

(اصح البخاری) (اصح المسلم) (سنن ابی داؤد)

طلوع فجر کے بعد نفل عبادت:

☆ ”طلوع فجر کے بعد فجر کی دو رکعتوں سے زیادہ نفل پڑھنا بھی مکروہ ہے۔“

طلوع فجر کے بعد صرف دو رکعت سنت فجر ادا کی جائے۔ چنانچہ ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا بیان ہے:

”کان رسول اللہ ﷺ اذا طلع الفجر لا یصلی الا رکعتین خفیفین“

”جب صبح طلوع ہوتی تو رسول اللہ ﷺ صرف دو مختصر رکعتیں پڑھتے تھے۔ یہ فجر کی دو سنتیں ہوتی تھیں اور ان کے علاوہ کوئی اور نماز نہیں پڑھتے تھے۔“

تھے۔“

مغرب سے پہلے نوافل:

☆: ”مغرب سے قبل بھی نفل نہ پڑھے جائیں۔“

مغرب کی نماز سے پہلے نوافل ادا نہیں کرنے چاہئیں کیونکہ مغرب کا وقت بہت تھوڑا ہوتا ہے اور بعض علماء کے نزدیک تو صرف اتنا وقت ہوتا ہے کہ جس میں تین فرض ہی پڑھے جاسکتے ہیں اس لیے نوافل کی گنجائش نہیں۔

چنانچہ سنن ابی داؤد میں ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نفل کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا:

”ما رأیت احد اعلیٰ عهد رسول اللہ ﷺ یصلیہا۔“

”میں نے کسی کو بھی رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں انہیں پڑھتے ہوئے نہیں

دیکھا۔“



باب : ۱۰

سنت اور نفل نمازوں کا بیان

ابتدائیہ

مسنون اور نفلی نمازوں کی ادائیگی

سنن و نوافل میں فرق:

سنن سنۃ کی اور نوافل نافلۃ کی جمع ہے۔ فرض نمازوں کے علاوہ باقی سب کو نفل کہا جاتا ہے مگر نوافل کے کئی درجے ہیں:

1: جن نوافل پر رسول اللہ ﷺ کا دائمی عمل ثابت ہے اُن کو سنت مؤکدہ کہا جاتا ہے۔

2: جن نمازوں کو کبھی کبھی ادا فرمایا ہو وہ مستحب کہلاتی ہیں۔

3: جن کے متعلق تاکید کی ہو انہیں واجب کا درجہ دیا گیا ہے۔

چونکہ ہم سب سے فرض نمازوں کی ادائیگی میں کچھ نہ کچھ کوتاہی رہ جاتی ہے، اس لیے نوافل اس کمی کو کسی حد تک پورا کر دیتے ہیں۔ لہذا نوافل مزید ثواب حاصل کرنے، فرضوں کی کوتاہی کو پورا کرنے اور بندگان الہی کی دلی تسکین کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔

اہم ترین مسائل:

اس باب میں امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ ذیل مسائل بیان کیے ہیں:

- 1: فجر کی فرض نماز سے پہلے دو رکعتیں سنت ہیں۔
- 2: ظہر کے فرضوں سے پہلے چار اور بعد میں دو رکعتیں سنت ہیں۔
- 3: عصر سے پہلے دو یا چار رکعتیں سنت ہیں۔

- 4: مغرب کے بعد دو رکعتیں سنت ہیں۔
- 5: عشاء سے پہلے چار اور بعد میں چار یا دو رکعتیں سنت ہیں۔
- 6: دن کے وقت ایک سلام کے ساتھ دو رکعتیں پڑھی جاسکتی ہیں۔ اس سے زائد مکروہ ہیں۔
- 7: رات کے نوافل ایک سلام سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آٹھ رکعتوں تک پڑھے جاسکتے ہیں۔ اس سے زائد مکروہ ہیں اور صاحبین کے نزدیک ایک سلام کے ساتھ صرف دو رکعتیں ہی پڑھی جائیں۔
- 8: فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت واجب ہے اور آخری دو رکعتوں میں اختیار ہے چاہے تو سورہ فاتحہ پڑھ لے، چاہے تو خاموش رہے اور چاہے تو تسبیح کہتا رہے۔ لیکن نفل نمازوں کی تمام رکعتوں میں قرأت ضروری ہے اور اسی طرح وتر کی تمام رکعتوں میں۔
- 9: جو شخص نماز نفل شروع کرے پھر اسے توڑ دے تو اس پر قضا لازم ہو جاتی ہے۔
- 10: اگر چار رکعت نفل شروع کیے پھر پہلی دو رکعتوں کے بعد قعدہ کیا پھر دوسری دو توڑ دیں تو صرف دو کی قضا کرے۔
- 11: قیام پر قدرت کے باوجود نوافل بیٹھ کر ادا کئے جاسکتے ہیں۔
- 12: اگر نفل شروع کھڑے ہو کر کیے پھر بلا عذر بیٹھ گیا تو ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے لیکن صاحبین کہتے ہیں سوائے عذر کے جائز نہیں۔
- 13: جو آدمی شہر سے باہر ہو وہ اپنی سواری پر نوافل پڑھ سکتا ہے۔ سواری کا رخ چاہے جس سمت ہو نیز اشارے سے رکوع و سجود کر سکتا ہے۔



مسنون اور نفلی نمازوں کی ادائیگی کا بیان

”السنة في الصلوة ان يصلى ركعتين بعد طلوع الفجر واربعاً قبل الظهر وركعتين بعدها واربعاً قبل العصر وان شاء ركعتين وركعتين بعد المغرب واربعاً قبل العشاء واربعاً بعدها وان شاء ركعتين و نوافل النهار ان شاء صلى ركعتين بتسليمه واحدة و ان شاء اربعا ويكره الزيادة على ذلك فاما نوافل الليل فقال ابو حنيفة ان صلى ثمانى ركعات بتسليمه واحدة جازوتكره الزيادة على ذلك وقال ابو يوسف ومحمد رحمهما الله لا يزيد بالليل على ركعتين بتسليمه واحدة والقراءة في الفرائض واجبة في الركعتين الاوليين وهو مخير في الاخرين ان شاء قرأ الفاتحة وان شاء سكت وان شاء سبح والقراءة واجبة في جميع ركعات النفل و في جميع الوتر ومن دخل في صلوة النفل ثم افسدها قضاها فان صلى اربع ركعات وقعد في الاوليين ثم افسد الاخرين قضى ركعتين وقال ابو يوسف يقضى اربعا ويصلى النافلة قاعداً مع القدرة على القيام وان افتتحها قائماً ثم قعد جاز عند ابى حنيفة رحمه الله وقال لا يجوز الا من عذر ومن كان خارج المصر يتنفل على دأبه الى اى جهة توجهت يومى ايماء۔“

”نماز میں سنت یہ ہے کہ طلوع فجر کے بعد دو رکعتیں پڑھی جائیں اور چار رکعت ظہر سے قبل اور دو اس کے بعد میں پڑھنی چاہئیں۔ اگر نمازی چاہے تو عصر سے قبل چار اور چاہے تو دو رکعتیں پڑھے۔ دو رکعتیں مغرب کے بعد،

چار عشاء سے قبل اور چار بعد میں اور اگر نمازی چاہے تو عشاء کی نماز کے بعد فقط دو رکعتیں پڑھے۔ دن کے نفل اگر نمازی چاہے تو ایک سلام کے ساتھ دو دو رکعتیں اور اگر چاہے تو چار رکعتیں پڑھ سکتا ہے، اس سے زیادہ کا ایک سلام کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے۔ جہاں تک رات کے نوافل کا تعلق ہے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اگر نمازی آٹھ رکعتیں ایک ہی سلام کے ساتھ پڑھے تو جائز ہے لیکن اس سے زیادہ ایک سلام کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے اور امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ نے کہا کہ رات کے نوافل ایک سلام کے ساتھ دو سے زیادہ نہ پڑھے۔ (فرضوں کی) پہلی دو رکعتوں میں قرأت واجب ہے لیکن بعد کی دو رکعتوں میں نمازی کو اختیار ہے۔ اگر چاہے تو سورۃ فاتحہ پڑھے اور چاہے تو خاموش رہے اور اگر چاہے تو تسبیح کہے لیکن نفل (سنن) اور وتر کی تمام رکعتوں میں قرأت واجب ہے۔ جس شخص نے نفل نماز شروع کی اور پھر اسے توڑ دیا تو وہ اس کو قضا کرے۔ نمازی نے چار رکعتیں پڑھیں اور پہلی دو رکعتوں کے بعد تشہد بیٹھا اور بعد کی دو رکعتیں توڑ دیں تو وہ دو رکعتوں کو قضا کرے اور امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ چار رکعتوں کو قضا کرے۔ نفل نمازیں کھڑے ہو سکنے کے باوجود بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے اور اگر نفل نماز کھڑے ہو کر شروع کرے پھر بیٹھ جائے تو ایسا کرنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین کہتے ہیں کہ ایسا کرنا سوائے عذر کے جائز نہیں۔ جو کوئی شہر سے باہر ہو وہ نفل سواری پر پڑھ سکتا ہے خواہ سوار کا رخ کسی بھی سمت کی طرف ہو۔ ایسا آدمی اشارے سے رکوع و سجود کرے گا۔“

مفردات:

تسلیمۃ: نماز کے بعد سلام پھیرنا۔

واجبة: ضروری ہے۔

سکت: چپ رہا۔ خاموش رہا۔

سبح: سبحان اللہ کہا۔

افسد: توڑ دیا۔

افتتح: شروع کیا۔

قعد: بیٹھ گیا۔

خارج: باہر۔ یہ داخل کی ضد ہے۔

المصر: شہر۔ بڑا قصبہ۔

توجهت: توجہ کی۔ رُخ کیا۔

ایماء: اشارہ کرنا۔

د آبة: سواری۔ چوپایہ۔

نوافل نافلة کی جمع ہے۔ فرض نماز کے علاوہ جو بھی (سنن، تراویح اور دیگر نوافل) نماز پڑھی جاتی ہے وہ سب نفل ہے۔

مسائل و دلائل

سنتوں کی تعداد:

☆: ”نماز میں سنت یہ ہے کہ طلوع فجر کے بعد دو رکعتیں پڑھی جائیں اور چار رکعت ظہر سے قبل اور دو اس کے بعد میں پڑھنی چاہئیں۔ اگر نمازی چاہے تو عصر سے قبل چار اور چاہے تو دو رکعتیں پڑھے۔ دو رکعتیں مغرب کے بعد، چار عشاء سے قبل اور چار بعد میں اور اگر نمازی چاہے تو عشاء کی نماز کے بعد فقط دو رکعتیں پڑھے۔“

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اوزترندی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ دن اور رات میں بارہ رکعات پڑھنے کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ وہ بارہ رکعات یہ ہیں:

ظہر کے فرضوں سے پہلے چار اور بعد میں دو۔ مغرب کے بعد دو، عشاء کے بعد دو اور فجر کی نماز سے پہلے دو۔

ملا علی قاری مکی رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

”یہ سب مؤکدہ سنتیں ہیں اور نماز فجر سے پہلے کی دو سنت سب سے زیادہ مؤکدہ ہیں حتیٰ کہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ان کو واجب کہتے ہیں۔“

نماز عصر سے پہلے چار رکعتوں کا ثبوت کئی آثار سے ملتا ہے۔ عشاء کے بعد دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں لیکن بعض احادیث میں چار رکعتوں کا ذکر بھی ہے۔ صحیحین میں ہے کہ جمعہ کے بعد حضور ﷺ نے دو رکعت پڑھیں۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے چار رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔ لہذا احناف نے جمعہ کے بعد چار اور دو کو جمع کر دیا ہے لیکن ان سب پر حضور ﷺ کا دائمی عمل نہ ہونے کی وجہ سے انہیں مستحب قرار دیا گیا ہے۔

دن اور رات کے نوافل:

☆: ”دن کے نفل اگر نمازی چاہے تو ایک سلام کے ساتھ دو رکعتیں اور اگر چاہے تو چار رکعتیں پڑھ سکتا ہے، اس سے زیادہ کا ایک سلام کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے۔ جہاں تک رات کے نوافل کا تعلق ہے تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اگر نمازی آٹھ رکعتیں ایک ہی سلام کے ساتھ پڑھے تو جائز ہے لیکن اس سے زیادہ ایک سلام کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے اور امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ نے کہا کہ رات کے نوافل ایک سلام کے ساتھ دو سے زیادہ نہ پڑھے۔“

دن کے وقت ایک سلام کے ساتھ دو رکعتیں یا چار رکعتیں پڑھنا جائز ہیں لیکن اس سے زیادہ ایک سلام کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہیں۔ افضل یہ ہے کہ دو رکعتیں ہی پڑھی

جائیں۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، طبرانی اور دارقطنی رحمۃ اللہ علیہم نے روایت کی ہے:

”صلوٰۃ اللیل والنہار مثنیٰ مثنیٰ۔“

”دن اور رات کی (نقلی) نماز دو دو رکعت ہے۔“

اسی طرح ترمذی اور نسائی کی ایک روایت میں ہے:

”الصلوٰۃ مثنیٰ مثنیٰ تشهد فی کل رکعة۔“

”(نقلی) نماز دو دو رکعت ہے اور ہر رکعت میں تشهد ہے۔“

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ رات کے نوافل کے متعلق فرماتے ہیں کہ ایک سلام سے اگر آٹھ رکعتیں بھی پڑھی جائیں تو بھی جائز ہے لیکن اس سے زیادہ مکروہ ہے۔ صاحبین کے نزدیک رات کے نوافل بھی دو دو رکعت ہیں اس سے زیادہ نہیں۔

چنانچہ سنن نسائی میں ہے:

”یصلی ثمانی رکعات لایجلس فیہن الا عند الثامنة۔“

”حضور ﷺ (رات کے وقت) آٹھ رکعت پڑھا کرتے تھے اور صرف

آٹھویں رکعت پر ہی (سلام کے لیے) بیٹھا کرتے تھے۔“

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضور نبی کریم ﷺ کے اس عمل کو سامنے رکھتے ہوئے آٹھ رکعت ایک سلام سے جائز قرار دیتے ہیں۔ جبکہ صاحبین اس حدیث کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں جس میں ہے کہ دن اور رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔ یہ اختلاف صرف افضلیت کے بارے میں ہے، جائز ہونے کے سبب قائل ہیں۔

نماز میں قرأت:

☆: (فرضوں کی) پہلی دو رکعتوں میں قرأت واجب ہے لیکن بعد کی

دو رکعتوں میں نمازی کو اختیار ہے۔ اگر چاہے تو سورۃ فاتحہ پڑھے اور چاہے تو خاموش

رہے اور اگر چاہے تو تسبیح کہے لیکن نفل (سنن) اور وتر کی تمام رکعتوں میں قرأت واجب ہے۔“

فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت واجب ہے جبکہ دوسری دو میں اختیار ہے چاہے تو قرأت کرے یا چپ رہے یا تسبیح کرے۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور قرأت واجب ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل امام مسلم اور صحاح ستہ کی یہ حدیث ہے:

”لا صلوة الا بقراءة۔“

”قرأت کے بغیر نماز نہیں ہے۔“

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں:

”من صلی صلوة ولم یقرأ فیها الفاتحة الكتاب نهی خداج غیر

تمام۔“

”جس نے کوئی نماز پڑھی اور اس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تو وہ ناقص اور نامکمل

ہے۔“

احناف کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے:

”فاقرؤا ما تیسر من القرآن“

”جو آسانی سے پڑھ سکو قرآن میں سے پڑھو۔“

پڑھو! امر ہے اور اس سے تکرار ثابت نہیں ہوتی۔ فرض کی دوسری رکعت چونکہ جبراً اخفاء اور تمام احکام میں پہلی کی مانند ہے لہذا یہ حکم اس میں ثابت ہوگا لیکن آخری دو رکعتوں کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ وہ سفر میں ساقط ہو جاتی ہیں۔ لہذا یہ حکم ان میں ثابت نہ ہوگا۔

اسی طرح بخاری، مسلم، ابوداؤد نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوقنادہ رضی اللہ عنہ

سے روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور سورت پڑھتے تھے اور دوسری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔ اسی طرح عصر میں اور صبح میں۔

(اصح البخاری، صفحہ نمبر 157) (اصح المسلم، صفحہ نمبر 185) (سنن ابی داؤد، صفحہ نمبر 123) (سنن نسائی، صفحہ نمبر 153) (سنن ابن ماجہ، صفحہ نمبر 60)

”لاصلوة الا بقراءة۔“

یہ واضح نہیں کہ اس سے مراد ہر رکعت میں قرأت ہے یا صرف ایک رکعت میں کیونکہ ایک رکعت میں قرأت کرنے والا بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے نماز میں قرأت کی ہے۔

ابن الہمام نے فتح القدر میں لکھا ہے:

”احناف کے نزدیک افضل یہی ہے کہ آخری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھی جائے۔“

(فتح القدر، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 193)

فرض نماز میں پہلی دو رکعتوں میں قرأت لازم ہے لیکن نوافل کی تمام رکعتوں اور وتر میں قرأت واجب ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

”لاصلوة الا بقراءة۔“

”نماز قرأت کے بغیر نہیں ہے۔“

قضا کا وجوب:

☆: ”جس شخص نے نفل نماز شروع کی اور پھر اسے توڑ دیا تو وہ اس کو قضا کرے۔ نمازی نے چار رکعتیں پڑھیں اور پہلی دو رکعتوں کے بعد تشہد بیٹھا اور بعد کی دو رکعتیں توڑ دیں تو وہ دو رکعتوں کو قضا کرے۔“

نفل نماز کو جب شروع کر لیا تو اس کا پورا کرنا واجب ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

”ولا تبطلوا اعمالکم۔“

”اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔“

عمرہ ایک نفل عبادت ہے۔ اُسے پورا کرنے کا حکم دیا گیا تو اس کا اطلاق نفل نماز

پر بھی ہوگا۔

نفل کو توڑ ڈالنے سے اس کی قضا واجب ہوگی۔ اگر چار رکعت کی نیت کر کے

دو رکعت کے بعد سلام پھیر لیا تو صرف آخری دو رکعت کی قضا لازم ہوگی کیونکہ پہلی

دو رکعتیں مکمل ہو گئیں۔

بیٹھ کر نوافل پڑھنا:

☆: ”نفل نمازیں کھڑے ہو سکنے کے باوجود بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے اور اگر نفل

نماز کھڑے ہو کر شروع کرے پھر بیٹھ جائے تو ایسا کرنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے

نزدیک جائز ہے اور صاحبین کہتے ہیں کہ ایسا کرنا سوائے عذر کے جائز نہیں۔“

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول استحسان پر مبنی ہے کہ نفل نماز بغیر عذر کے بھی بیٹھ

کر پڑھنا جائز ہے۔ جب وہ بیٹھ گیا تو اس نے اسی پہلے اختیار پر عمل کیا لیکن صاحبین کا

قول قیاس پر مبنی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جو شخص دو رکعت کھڑے ہو کر ادا کرنے کی نذر

مانے تو اس پر قیام واجب ہے۔ اسی طرح جس نے کھڑے ہو کر نفل شروع کئے تو گویا یہ

بھی ایک نذر ہے، اب اُسے اسی حالت میں پورا کرنا واجب ہوگا۔

سواری پر نماز پڑھنا:

☆: ”جو کوئی شہر سے باہر ہو وہ نفل نماز سواری پر پڑھ سکتا ہے خواہ سواری کا

رخ کسی بھی سمت کی طرف ہو۔ ایسا آدمی اشارے سے رکوع و سجود کرے گا۔“

شہر سے باہر سواری پر نفل پڑھنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

”رایت رسول اللہ ﷺ یصلی علی حمار وهو متوجه الی خیبر۔“

”میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ گدھے پر بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے۔“

جبکہ آپ ﷺ کا رخ خیبر کی طرف تھا۔“

یاد رہے کہ مدینے سے خیبر کعبہ کی سمت میں نہیں تھا۔

(اصح المسلم) (سنن ابی داؤد) (سنن نسائی)



باب : ۱۱

نماز جمعہ کا بیان

ابتدائیہ

جمعہ کے اہم ترین فقہی مسائل

جمعہ کا تلفظ و معنی:

جمعہ کا لفظ میم کی جزم اور پیش کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ یہ عربی لفظ جمع سے لیا گیا ہے جس کا مفہوم جمع کرنا اور اکٹھا کرنا ہے۔

اگر میم کی جزم کے ساتھ پڑھا جائے تو معنی ہوگا جمع کرنے والا دن اور اگر میم کے پیش سے پڑھا جائے تو معنی ہے جمع کیا جانے والا دن۔ چونکہ اس دن میں خیر و برکت اور اجر و ثواب جمع کر دیئے گئے ہیں، لہذا دونوں طرح پڑھنا درست ہے۔

جمعہ کی فرضیت:

نماز جمعہ مدینہ منورہ میں فرض ہوئی۔ اس کا حکم مندرجہ ذیل مدنی آیت سے ثابت ہے:

”یا ایہا الذین امنوا اذنودی للصلوة من یوم الجمعة فاسعواالی

ذکر اللہ وذروالبيع“ (الجمعة ۶۲: ۹)

”ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی

طرف دوڑ کر جاؤ اور خرید و فروخت کو چھوڑ دو۔“

یہ آیت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اور نبی ﷺ نے پہلا جمعہ بنی سلم کے محلہ میں

واقع مسجد میں ادا فرمایا۔

اس آیت میں درج ذیل جو فعل امر کے صیغے موجود ہیں:

”فاسعوا“

اور

”ذروا“

ان سے جمعہ کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ اسی لیے تمام ائمہ کے نزدیک جمعہ کی نماز فرض عین ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت سے بھی اس کا فرض ہونا ثابت ہے۔ صرف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کے فرض کفایہ ہونے کے قائل ہیں۔

جمعہ کی شرائط:

تمام علمائے اُمت اس بات پر متفق ہیں کہ نماز جمعہ باقی تمام نمازوں سے ایک منفرد اور ممتاز مقام رکھتی ہے۔ اس کے لیے جو شرائط کتاب و سنت میں ذکر کی گئی ہیں وہ باقی نمازوں کے لیے نہیں رکھی گئیں۔ وہ شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

1: نماز ادا کرنے والا آزاد ہو کیونکہ غلام پر جمعہ فرض نہیں۔

2: مرد ہو کیونکہ عورت پر جمعہ واجب نہیں۔

3: بالغ ہو۔ نابالغ پر جمعہ فرض نہیں۔

4: مقیم ہو مسافر نہ ہو۔

5: تندرست ہو۔ مریض پر جمعہ فرض نہیں۔

6: دونوں پاؤں سلامت ہوں۔ معذور نہ ہو۔

7: آنکھیں سلامت ہوں۔ نابینا نہ ہو۔

8: بڑے شہر میں نماز جمعہ قائم کی جائے۔

9: حاکم وقت یا اس کا نائب نماز جمعہ قائم کرے۔

10: نماز جمعہ جماعت کے ساتھ ادا کی جائے۔

11: جمعہ میں خطبہ شرط ہے۔

12: نماز جمعہ وقت ظہر میں ادا کی جائے۔

امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں یہ مسائل بیان کئے ہیں:

- 1: نماز جمعہ صرف بڑے شہر یا اس کی عید گاہ میں جائز ہے۔ بستیوں میں نماز جمعہ جائز نہیں۔
- 2: اُسے صرف حاکم وقت یا اُس کا کوئی نمائندہ قائم کر سکتا ہے۔
- 3: جمعہ کی شرائط میں ایک وقت ہے۔ لہذا جمعہ ظہر کے وقت میں جائز ہے، اُس کے بعد جائز نہیں۔
- 4: خطبہ جمعہ کی شرط ہے۔ امام دو خطبے دے جن کے درمیان قعدہ کرے۔
- 5: خطبہ کھڑے ہو کر با وضو دے۔
- 6: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خطبہ میں صرف اللہ کے ذکر پر اکتفا جائز ہے۔ صاحبین کے نزدیک لمبا ذکر ضروری ہے کہ جسے خطبے کا نام دیا جاسکے۔
- 7: اگر بیٹھ کر بلا طہارت خطبہ دے تو مکروہ ہے لیکن جائز ہے۔
- 8: اُس کی تیسری شرط جماعت ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک امام کے علاوہ تین آدمی اور ہونے چاہئیں لیکن صاحبین فرماتے ہیں کہ امام کے علاوہ دو کافی ہیں۔
- 9: جمعہ کی نماز میں قرأت اُوپچی آواز میں کرنی چاہئے۔ کوئی مقررہ سورت بھی نہیں پڑھنی چاہیے۔
- 10: مسافر، مریض، بچے، غلام، نابینا اور عورت پر جمعہ کی نماز فرض نہیں۔
- 11: اگر مندرجہ بالا افراد نماز جمعہ باجماعت پڑھ لیں تو اُن کی نماز ظہر ادا ہوگئی۔
- 12: غلام، مسافر یا مریض نماز جمعہ کی امامت کر سکتے ہیں۔
- 13: اگر کوئی شخص بلا عذر جمعہ کے دن نماز ظہر گھر میں پڑھ لے تو جائز ہونے کے باوجود یہ مکروہ ہے۔
- 14: مندرجہ بالا شخص اگر نماز جمعہ پڑھنے کا ارادہ کر لے تو صرف چل پڑنے کے

ساتھ ہی اس کی نماز ظہر باطل ہوگئی۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔ صاحبین کے نزدیک جب تک امام کے ساتھ جماعت میں شریک نہ ہو جائے ظہر کی نماز باطل نہ ہوگی۔

15: معذور اور قیدی کے لیے جمعہ کے دن نماز ظہر جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے۔

16: اگر امام کے ساتھ نماز جمعہ مل جائے تو جس قدر مل جائے وہ پڑھ لینی چاہئے اور جو رہ گئی اس پر بنا کرنی چاہئے۔

17: اگر امام کے ساتھ تشہد یا سجدہ سہو میں شامل ہوا ہے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جمعہ کی نماز کی بناء کرے۔ صاحبین کے ہاں اگر دوسری رکعت کا زیادہ حصہ مل جائے تو جمعہ کی بناء کرے اور اگر کم حصہ ملا ہے تو پھر ظہر کی نماز کی بناء کرے۔

18: جب امام خطبہ دینے کے لیے کھڑا ہو جائے تو ہر قسم کی بات چیت اور نماز ترک کر دینی چاہئے۔ تا آنکہ امام خطبے سے فارغ ہو جائے۔ صاحبین کے نزدیک جب تک امام خطبہ شروع نہیں کرتا سنت نماز اور کلام جائز ہے۔

19: جب جمعہ کی پہلی اذان ہو تو لوگوں کو خرید و فروخت چھوڑ کر نماز کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔

20: جب امام منبر پر چڑھ جائے تو مؤذن منبر کے سامنے اذان دے۔ امام خطبہ ے اور خطبے سے فارغ ہو کر جماعت کرائے۔



نماز جمعہ کا بیان

”لا تصح الجمعة الا في مصر جامع او في مصلى المصر ولا تجوز في القرى ولا تجوز اقامتها الا للسلطان او لمن امره السلطان ومن شرائطها الوقت فتصح في وقت الظهر ولا تصح بعده ومن شرائطها الخطبة قبل الصلوة يخطب الامام خطبتين يفصل بينهما بقعدة ويخطب قائما على الطهارة فان اقتصر على ذكر الله تعالى جاز عند ابى حنيفة رحمه الله وقالوا لا بد من ذكر طويل يسمى خطبة فان خطب قاعدا او على غير طهارة جاز ويكره ومن شرائطها الجماعة واقلهم عند ابى حنيفة ثلاثة سوى الامام وقالوا اثنان سوى الامام ويجهر الامام بقراءة الركعتين وليس فيهما قراءة سورة بعينها ولا تجب الجمعة على مسافر ولا امرأة ولا مريض ولا صبي ولا عبد ولا اعمى فان حضروا وصلوا مع الناس اجزاء هم عن فرض الوقت ويجوز للعبد والمسافر والمريض ان يؤموا في الجمعة ومن صلى الظهر في منزله يوم الجمعة قبل صلوة الامام ولا عذر له كره له ذلك وجازت صلواته فان بداله ان يحضر الجمعة فتوجه اليها بطلت صلوة الظهر عند ابى حنيفة رحمه الله بالسعي اليها وقال ابو يوسف ومحمد رحمهما الله لا يبطل حتى يدخل مع الامام ويكره ان يصلى المعذور الظهر بجماعة يوم الجمعة وكذلك اهل السجن ومن ادرك الامام يوم الجمعة صلى معه ما ادرك وبنى عليها الجمعة وان ادركه في

التشهد اوفى سجود السهو بنى عليها الجمعة عند ابى حنيفة
 وابى يوسف وقال محمد ان ادرك معه اكثر الركعة الثانية بنى
 عليها الجمعة وان ادرك معه اقلها بنى عليها الظهر واذا اخرج
 الامام يوم الجمعة ترك الناس الصلوة والكلام حتى يفرغ من
 خطبته وقالوا لابس بان يتكلم ما لم يبدأ بالخطبة واذا اذن
 المودنون يوم الجمعة الاذان الاول ترك الناس البيع والشراء
 وتوجهوا الى الجمعة فاذا صعد الامام المنبر جلس واذن المودنون
 بين يدي المنبر ثم يخطب الامام واذا فرغ من خطبته
 اقاموا الصلوة۔“

”جمعہ فقط شہر جامع میں اور عید گاہ میں جائز ہے۔ گاؤں میں جمعہ جائز
 نہیں۔ جمعہ فقط بادشاہ وقت یا اس کا نائب قائم کر سکتا ہے۔ جمعہ کی شرائط میں
 سے ایک وقت بھی ہے۔ پس جمعہ وقت ظہر میں صحیح ہے اور اس کے
 بعد جائز نہیں۔ اس کی ایک شرط نماز سے پہلے خطبہ دینا بھی ہے۔ پس امام
 دو خطبے دے اور دونوں کے درمیان تھوڑی دیر بیٹھے۔ خطبہ کھڑے
 ہو کر با وضو ہونے کی حالت میں دے۔ اگر اس نے اللہ تعالیٰ کے ذکر پر اکتفاء
 کیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے۔ صاحبین کہتے ہیں کہ
 طویل خطبے کے بغیر جمعہ جائز نہیں ہے۔ اگر امام نے بیٹھ کر خطبہ دیا یا پھر بے
 وضو خطبہ دیا تو جائز ہے لیکن مکروہ ہے۔ جمعہ کی ایک شرط جماعت بھی
 ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جماعت کی کمتر تعداد امام کے
 علاوہ تین آدمی ہیں لیکن صاحبین کہتے ہیں کہ امام کے علاوہ دو آدمی بھی
 ہوں تو جمعہ جائز ہے۔ امام دونوں رکعتوں میں جہری قرأت کرے گا۔ امام کوئی
 معینہ سورت نہ پڑے۔ جمعہ مسافر، عورت، بیمار، بچے، غلام اور نابینا پر لازم

نہیں لیکن اگر یہ لوگ اور لوگوں کے ساتھ جمعہ پڑھیں تو جائز ہے اور ان سے وقت فرض (ظہر) کی نماز ادا ہوگئی۔ غلام، مسافر اور مریض جمعہ کی امامت کرا سکتے ہیں۔ جس نے بغیر کسی عذر کے جمعہ کے دن جمعہ کی نماز سے پہلے ظہر کی نماز اپنے گھر میں ادا کر لی تو اس کی نماز ہو جائے گی لیکن یہ مکروہ ہے۔ پس اگر یہ آدمی جمعہ کے لیے چلا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فقط چلنے سے ظہر کی نماز باطل ہوگئی۔ صاحبین کہتے ہیں کہ جب تک یہ امام کے ساتھ جمعہ کی نماز میں شرکت نہیں کرے گا اس وقت تک اس کی نماز باطل نہیں ہوگی۔ معذور اور قیدیوں کا جمعہ کے دن جمعہ کی بجائے ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے۔ جس نے امام کو جمعہ کی نماز پڑھتے ہوئے پایا تو وہ بھی امام کے ساتھ پڑھے اور بقیہ نماز کی اسی پر بناء کرے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر اس نے امام کو تشہد یا سجدہ سہو میں پایا تو بقیہ نماز کی جمعہ پر ہی بناء کرے گا (یعنی دو رکعت جمعہ ہی پڑھے گا) لیکن صاحبین کہتے ہیں کہ اگر اس نے دوسری رکعت کا اکثر حصہ پایا تو بقیہ نماز کی جمعہ پر ہی بنا کرے (دو رکعت جمعہ ہی پڑھے) اور اگر اس نے دوسری رکعت کا اکثر حصہ نہ پایا تو پھر ظہر کی بناء کرے گا (جمعہ کی بجائے چار رکعت ظہر ادا کرے گا)۔ جب امام جمعہ کے لیے نکلے تو لوگ کلام اور نماز چھوڑ دیں جب تک کہ امام خطبہ سے فارغ نہ ہو جائے۔ صاحبین کہتے ہیں کہ خطبہ شروع ہونے سے پہلے کلام کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ جب مؤذن پہلی اذان دے تو لوگ خرید و فروخت چھوڑ دیں اور جمعہ کی طرف چل پڑیں۔ پس جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو مؤذن دوسری اذان امام کے سامنے پڑھے۔ پھر امام خطبہ دے اور جب خطبہ سے فارغ ہو جائے تو لوگ باجماعت نماز ادا کریں۔“

مفردات:

لاتصح: درست نہیں ہے۔

مصر جامع: بڑا شہر۔ بڑا قصبہ۔

القریٰ: بستیاں۔ دیہات۔ یہ قریہ کی جمع ہے۔

السلطان: حاکم۔ بادشاہ وقت۔

اقتصر: اکتفا کیا۔ مختصر کیا۔

یسمی: نام دینا

لابد: ضروری ہے۔

اقلہم: کم از کم

بعینہا: مقررہ سورۃ۔ ایک ہی سورت۔

یوموا: امامت کرائیں۔

بدالہ: اس کے جی میں آیا۔ اس کا ارادہ ہوا۔

اهل السجن: جیل والے قیدی۔

ادرك: پایا۔

يفرغ: فارغ ہو جائے۔

یتکلم: بات چیت کرتا ہے۔

البيع والشراء: خرید و فروخت۔

توجهوا: متوجہ ہو گئے۔

صعد: چڑھ گیا۔

بین یدی: دونوں ہاتھوں کے درمیان۔ سامنے۔ یدی اصل میں یدین تھا۔ مرکب

اضافی ہونے کے باعث تشنیہ کا نون گر گیا ہے۔

مسائل و دلائل

مصر جامع کی شرط:

☆: ”جمعہ فقط شہر جامع میں اور عید گاہ میں جائز ہے۔ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں۔“

جمعہ کی نماز مصر جامع (بڑے شہر) یا شہر کی عید گاہ میں ہی جائز ہے۔ چھوٹی چھوٹی بستیوں میں جائز نہیں۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مصنف عبدالرزاق میں روایت مذکور ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”لا تشریق ولا جمعة الا فی مصر جامع۔“

”عید اور جمعہ فقط مصر جامع ہی میں جائز ہیں۔“

1: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مصر وہ ہے جس میں کئی گلیاں اور بازار ہوں اور جہاں حاکم ہو جو مظلوم کو ظالم سے نجات دلا سکے۔

2: امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا یہ ہے کہ مصر وہ جگہ ہے جہاں امیر اور قاضی ہو جو احکام شرعیہ قائم کرے اور حدود نافذ کرے۔ یہی ظاہر روایت ہے۔

3: امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے کہ اگر اہل شہر بڑی مسجد میں جمع ہوں تو نہ سما سکیں، یہی مصر جامع ہے۔

مصلیٰ مصر سے مراد وہ مضافات اور شہر کے محلے ہیں جہاں سے شہر کے باشندوں کی ضروریات وابستہ ہوتی ہیں۔ مضافات کی حد بندی بعض علماء نے ایک میل، بعض نے دو میل اور بعض نے چھ میل تک کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی شہر کی ضروریات مثلاً سبزی، چارہ اور دیگر ضروریات جس علاقے سے وابستہ ہوں وہ اُس کی مضافات شمار ہوگا۔

دیہات اور بستیوں میں نماز جمعہ جائز نہیں۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک

ہے۔ جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ دیہات میں بھی نماز جمعہ کو جائز فرماتے ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ وہ بستی جس میں مسجد اور بازار ہوں اور جس کے مکان ایک دوسرے سے متصل ہوں وہاں جمعہ جائز ہے۔

حاکم وقت یا اس کا نائب ہی جمعہ قائم کر سکتا ہے:

☆: ”جمعہ فقط بادشاہ وقت یا اس کا نائب قائم کر سکتا ہے۔“

جمعہ کے قیام کی ذمہ داری حاکم وقت یا اس کے نائب کی ہے کیونکہ نماز جمعہ ایک بڑی جماعت کے ساتھ ہی پڑھی جاتی ہے۔ اس میں امامت، اول وقت اور آخر وقت کے متعلق اختلاف کا اندیشہ ہے لہذا حاکم وقت ہی اس کے انتظام کا مجاز ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سلطان کی اجازت کے بغیر بھی جمعہ ہو سکتا ہے۔ درمختار میں ہے کہ اگر حکومت کفار کی ہو تو عام مسلمان بھی اپنا خطیب اور امام مقرر کر سکتے ہیں تاکہ جمعہ قائم کیا جاسکے۔

نماز جمعہ کا وقت:

☆: ”جمعہ کی شرائط میں سے وقت کا ہونا بھی ہے۔ پس جمعہ وقت ظہر میں صحیح ہے اور اس کے بعد جائز نہیں۔“

نماز جمعہ کا وقت نماز ظہر کا وقت ہے یعنی ظہر کے وقت میں ہی پڑھا جائے بعد میں نہیں۔ چنانچہ بخاری کی روایت ہے:

”کان النبی ﷺ صلی الجمعة حين تميل الشمس۔“

”نبی کریم ﷺ جمعہ اس وقت پڑھتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تھا۔“

صحیح مسلم کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کی نماز ظہر کی نماز سے ذرا جلدی پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”ہم لوگ جمعہ کے دن دوپہر کا آرام اور کھانا نماز کے بعد کیا اور کھایا کرتے

تھے۔“ (المشکوٰۃ المصابیح)

جمعہ کا خطبہ:

☆: ”جمعہ کی ایک شرط نماز سے پہلے خطبہ دینا بھی ہے۔ پس امام دو خطبے دے اور دونوں کے درمیان تھوڑی دیر بیٹھے۔“

نماز جمعہ سے پہلے خطبہ سنت ہے۔ یہ دراصل دو خطبے ہوتے ہیں جن کے درمیان وقفہ کرنا بھی سنت ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

”کان یخطب قائماً ثم یجلس ثم یقوم فیخطب قائماً“

”رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ پھر بیٹھ جاتے پھر اٹھتے

اور کھڑے ہو کر خطبہ دیتے۔“

خطبہ کی مقدار:

☆: اگر اس نے اللہ تعالیٰ کے ذکر پر اکتفاء کیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے۔ صاحبین کہتے ہیں کہ طویل خطبے کے بغیر جمعہ جائز نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں اگر خطبے میں صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر پر اکتفا کر لیا جائے۔ مثلاً: سبحان اللہ یا الحمد للہ کا لفظ بھی کہہ دیا جائے تو یہ جائز ہے کیونکہ ارشاد الہی ہے:

”فاسعوا الی ذکر اللہ۔“ (الجمعة ۶۲: ۹)

”اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ کر آؤ۔“

اور ذکر اللہ سے مراد خطبہ ہے۔ لہذا صرف ذکر اللہ بھی کافی ہے لیکن صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کہتے ہیں کہ خطبہ طویل ذکر کا نام ہے۔ مختصر ذکر کو عام اصطلاح میں خطبے کا نام نہیں دیا جاتا۔ لہذا خطبہ کا طویل ہونا ضروری ہے۔ نیز امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بھی یہی ہے۔

با وضو کھڑے ہو کر خطبہ دینا:

☆: ”خطبہ کھڑے ہو کر با وضو ہونے کی حالت میں دے۔ اگر امام نے بیٹھ

کر خطبہ دیا یا پھر بے وضو خطبہ دیا تو جائز ہے لیکن مکروہ ہے۔“

خطبہ کھڑے ہو کر اور با وضو دینا سنت ہے کیونکہ یہی صحابہ اور تابعین کے زمانے

سے معمول چلا آ رہا ہے۔ اگر بیٹھ کر اور بغیر طہارۃ کے خطبہ دے تو یہ مکروہ تحریمی ہے۔

چونکہ اس سے مقصد تو حاصل ہو جاتا ہے اس لیے جائز ہے۔

جماعتِ جمعہ میں مقتدیوں کی تعداد:

☆: جمعہ کی ایک شرط جماعت بھی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے

نزدیک جماعت کی کمتر تعداد امام کے علاوہ تین آدمی ہیں لیکن صاحبین کہتے ہیں کہ امام

کے علاوہ دو آدمی بھی ہوں تو جمعہ جائز ہے۔“

جمعہ کی شرائط میں سے ایک شرط جماعت ہے یعنی جمعہ کی نماز میں نمازیوں کی ایک

تعداد ہونا ضروری ہے کیونکہ جمعہ کا لفظ ہی اجتماعیت سے مأخوذ ہے۔ لہذا جماعت نہ ہو

تو جمعہ کا تصور ہی باطل ہو جائے گا۔

جماعت کے سلسلے میں اس امر میں اختلاف ہے کہ کتنی تعداد ضروری ہے؟

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام کے علاوہ تین مقتدی ہونا ضروری

ہیں۔ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے کہ امام کے سوا دو کافی ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ چالیس

آدمی ضروری ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کافی تعداد ہونی چاہئے۔ مثلاً بیس یا تیس۔ ان

کے نزدیک تین، چار آدمیوں پر جمعہ فرض نہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ آیت ہے:

”فاسعوا الی ذکر اللہ“ (الجمعة ۶۲: ۹)

وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ”فاسعوا“ جمع کا صیغہ ہے۔ جس کی کم سے کم تعداد تین ہے۔ دو پر جمع کا لفظ نہیں بلکہ دو کے لیے تشنیہ کا لفظ بولا جاتا ہے۔

جمعہ میں قرأت:

☆: امام دونوں رکعتوں میں جہری قرأت کرے گا۔ امام کوئی معینہ سورت نہ پڑھے۔“

جمعہ میں قرأت بلند آواز سے کی جاتی ہے۔ یہ سنت نبوی ہے۔ اسی طرح کسی خاص سورت کا پڑھنا بھی ضروری نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ سے جمعہ کی امامت میں سورۃ الجمعہ اور منافقون پڑھنا ثابت ہے لیکن اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ صرف یہی دو سورتیں ہمیشہ پڑھی جائیں۔

جن لوگوں پر جمعہ فرض نہیں:

☆: ”جمعہ مسافر، عورت، بیمار، بچے، غلام اور نابینا پر لازم نہیں لیکن اگر یہ لوگ اور لوگوں کے ساتھ جمعہ پڑھیں تو جائز ہے اور ان سے وقت فرض (ظہر) کی نماز ادا ہوگئی۔“

جمعہ کی نماز مسافر، عورت، مریض، بچے، غلام اور نابینا افراد پر واجب نہیں۔ تاہم اگر یہ لوگ نماز جمعہ میں حاضر ہو جائیں اور نماز ادا کریں تو ان کا جمعہ ادا ہو جائے گا اور انہیں ظہر ادا کرنے کی ضرورت نہ رہے گی۔

غلام، مسافر اور مریض کی امامت:

☆: ”غلام، مسافر اور مریض جمعہ کی امامت کرا سکتے ہیں۔“

غلام، مسافر اور مریض نماز جمعہ کی امامت بھی کرا سکتے ہیں۔ یہ افراد جس طرح نماز ادا کرنے کے اہل ہیں اسی طرح امامت کے بھی اہل ہیں۔

قبل از جمعہ نماز ظہر گھر میں ادا کرنے والا:

☆: جس نے بغیر کسی عذر کے جمعہ کے دن جمعہ کی نماز سے پہلے ظہر کی نماز اپنے گھر میں ادا کر لی تو اس کی نماز ہو جائے گی لیکن یہ مکروہ ہے۔ پس اگر یہ آدمی جمعہ کے لیے چلا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فقط چلنے سے ظہر کی نماز باطل ہوگئی۔ صاحبین کہتے ہیں کہ جب تک یہ امام کے ساتھ جمعہ کی نماز میں شرکت نہیں کرے گا اس وقت تک اس کی نماز باطل نہیں ہوگی۔“

اگر کوئی شخص امام کے نماز جمعہ پڑھانے سے قبل اپنے گھر میں بلا عذر نماز ظہر پڑھ لیتا ہے تو یہ ہے تو مکروہ لیکن نماز ظہر ہو جائے گی۔ پھر اگر یہ شخص نماز جمعہ پڑھنے کی غرض سے اپنے گھر سے نکل کھڑا ہو تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں اس کی ظہر کی نماز باطل ہوگئی اور اب جمعہ پڑھنا اس کے لیے ضروری ہو گیا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ صرف جمعہ کی طرف متوجہ ہونے سے نماز ظہر باطل نہیں ہوگی۔ ظہر کی نماز اس وقت تک باطل نہ ہوگی جب تک وہ نماز جمعہ میں شامل نہ ہو جائے۔

جمعہ کے دن ظہر کی جماعت:

☆: معذور اور قیدیوں کا جمعہ کے دن جمعہ کی بجائے ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے۔“

معذور اور قیدی جمعہ کے دن ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا نہیں کر سکتے۔ یہ مکروہ ہے۔ وجہ کراہت یہ ہے کہ معذورین، محسوبین اور مسافرین اگر جمعہ کے دن اپنی ظہر کی نماز الگ پڑھیں گے تو ممکن ہے کہ کوئی غیر معذور شخص بھی ان کے ساتھ جماعت میں شریک ہو جائے اور اس سے نماز جمعہ میں نمازیوں کی تعداد کم ہو جائے۔ کراہت کی دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جمعہ کے دن تو اقامت نماز جمعہ کا حکم ہے ظہر کا نہیں۔ اس دن دوسری جماعت کی اقامت میں ایک قسم کا معارضہ اور حکم عدولی ہے۔ کذافی

بعد میں ملنے والا:

☆: ”جس نے امام کو جمعہ کی نماز پڑھتے پایا تو وہ بھی امام کے ساتھ پڑھے اور بقیہ نماز کی اسی پر بناء کرے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر اس نے امام کو تشہد یا سجدہ سہو میں پایا تو بقیہ نماز کی جمعہ پر ہی بناء کرے گا (یعنی دو رکعت جمعہ ہی پڑھے گا) لیکن صاحبین کہتے ہیں کہ اگر اس نے دوسری رکعت کا اکثر حصہ پایا تو بقیہ نماز کی جمعہ پر ہی بنا کرے (دو رکعت جمعہ ہی پڑھے) اور اگر اس نے دوسری رکعت کا اکثر حصہ نہ پایا تو پھر ظہر کی بناء کرے گا (جمعہ کی بجائے چار رکعت ظہر ادا کرے گا)۔“

اگر مقتدی کو امام کے ساتھ ایک رکعت یا اس سے زیادہ مل جائے تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد باقی حصہ نماز جمعہ ہی ادا کرے اور اگر اسے پوری رکعت نہ ملے بلکہ وہ تشہد یا سجدہ سہو میں امام کے ساتھ شریک ہو تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ باقی نماز، نماز جمعہ یعنی دو رکعت ہی ادا کرے لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ اگر دوسری رکعت کا اکثر حصہ نماز کے ساتھ مل جائے تو جمعہ کی بناء کرے ورنہ نماز ظہر پڑھے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل صحاح ستہ کی یہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

”جب نماز کھڑی ہو جائے تو باوقار طریقے سے آؤ۔ بھاگ کر نہ آؤ۔ جس قدر نماز ملے اُسے ادا کرو اور جو رہ جائے اُسے پورا کرو۔“

اس حدیث سے یہی حکم اخذ ہوتا ہے کہ جو نماز پڑھی جا رہی ہو وہی پوری کرو۔ اس لیے موجودہ صورت میں نماز جمعہ ہی پڑھی جا رہی ہے۔

خطبے کے وقت نماز اور کلام کی ممانعت:

☆: ”جب امام جمعہ کے لیے نکلے تو لوگ کلام اور نماز چھوڑ دیں جب تک

کہ امام خطبہ سے فارغ نہ ہو جائے۔ صاحبین کہتے ہیں کہ خطبہ شروع ہونے سے پہلے کلام کرنے میں کوئی حرج نہیں۔“

جب امام خطبہ دینے کے لیے نکلے تو پھر نماز اور گفتگو ترک کر دینی چاہئے۔ یہاں تک کہ امام خطبہ سے فارغ ہو جائے۔ یہ قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ صاحبین رحمۃ اللہ علیہا فرماتے ہیں کہ جب تک امام خطبہ شروع نہ کرے کلام اور نماز جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تائید ایک غریب حدیث سے ہوتی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں:

”اذا خرج الامام فلا صلوة ولا کلام۔“

”جب امام نکلے تو نہ نماز ہے نہ کلام۔“

اس حدیث کی تائید حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اقوال سے بھی ہوتی ہے کہ وہ امام کے باہر نکلنے کے بعد نماز اور کلام کو پسند نہ کرتے تھے۔

پہلی اذان پر نماز کے لیے تیاری:

☆: ”جب مؤذن پہلی اذان دے تو لوگ خرید و فروخت چھوڑ دیں اور جمعہ کی طرف چل پڑیں۔ پس جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو مؤذن دوسری اذان امام کے سامنے پڑھے۔ پھر امام خطبہ دے اور جب خطبہ سے فارغ ہو جائے تو لوگ باجماعت نماز ادا کریں۔“

جب مؤذن پہلی اذان دے تو لوگ خرید و فروخت چھوڑ کر نماز جمعہ کی طرف متوجہ ہوں جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو دوسری اذان دی جائے۔ پھر امام خطبہ دے، اس سے فراغت کے بعد نماز ادا کی جائے۔

احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے عہد میں اور شیخین یعنی سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے زمانہ خلافت میں اذان اُس وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر بیٹھ جاتا تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے

میں جب لوگوں کی تعداد بڑھ گئی تو انہوں نے ایک اور اذان کا اضافہ کیا۔ شروع میں صرف نماز کا اعلان کیا جاتا تھا۔ بعد میں باقاعدہ اذان ہونے لگی کیونکہ یہ خلیفہ راشد کا فعل تھا اور پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اس پر اجماع ہو گیا تو یہ دوسری اذان بدعت نہ رہی۔



باب : ۱۲

عیدین کی نماز کا بیان

ابتدائیہ

عیدین کے چند اہم مسائل

عید کا معنی و مفہوم:

عید کا لفظ عود سے ماخوذ ہے جس کے معنی لوٹنے اور واپس آنے کے ہیں۔ عید چونکہ ہر سال لوٹ کر آتی ہے، اسی لیے اسے یہ نام دیا گیا۔ احناف کے نزدیک نماز عید واجب ہے جبکہ ائمہ ثلاثہ اسے سنت مؤکدہ کہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے 6 ہجری کو نماز عید ادا فرمائی۔ پھر آپ ﷺ ہمیشہ اسے قائم کرتے رہے۔

پندرہ مفتی بہ مسائل:

- اس باب میں امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ ذیل مسائل کا ذکر کیا ہے:
- 1: عید الفطر کے دن عید گاہ کی طرف جانے سے پہلے کچھ کھا پی لینا مستحب ہے۔
 - 2: عید گاہ کو جانے سے پہلے غسل کرنا، خوشبو لگانا اور عمدہ کپڑے پہننا چاہئے۔
 - 3: راستے میں تکبیریں نہیں کہنا چاہئیں۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔ صاحبین کے نزدیک تکبیریں کہنا چاہئیں۔
 - 4: عید گاہ میں نماز عید سے پہلے نوافل مسنون نہیں۔
 - 5: نماز عید کا وقت سورج طلوع ہونے سے لے کر زوال آفتاب سے پہلے تک ہے۔

- 6: نماز عید دو رکعت ہے۔ پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے بعد تین تکبیریں اور پھر سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت ملانا ہے۔ دوسری رکعت قرأت سے شروع کرے، قرأت سے فراغت کے بعد تین تکبیریں کہے اور پھر چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع کرے۔

- 7: عید کی تکبیروں میں رفع یدین کرنا چاہیے۔
- 8: عید الفطر کی طرح عید الاضحیٰ کی نماز بھی دو رکعتیں پڑھائے اور نماز کے بعد دو خطبے دے۔ دونوں خطبوں کے درمیان تھوڑی دیر بیٹھ کر وقفہ کرے۔ ان خطبوں میں وہ لوگوں کو قربانی کے مسائل اور تکبیرات تشریح کے مسائل بتائے۔ جو شخص امام کے ساتھ نماز عید ادا نہیں کر سکا تو اسے قضا نہیں کر سکتا۔
- 9: عید الفطر کا چاند نظر نہ آنے کی صورت میں اگر زوال کے بعد شہادت مل جائے تو دوسرے دن نماز عید پڑھی جاسکتی ہے۔ اگر کسی وجہ سے دوسرے دن بھی نہیں پڑھی جاسکتی تو اس کے بعد نہیں پڑھنا چاہئے۔
- 10: عید الاضحیٰ میں نماز عید کے بعد کھانا پینا مستحب ہے۔
- 11: عید الاضحیٰ میں عید گاہ کے راستے میں تکبیریں کہنا مستحب ہے۔
- 12: اگر عید الاضحیٰ کی نماز پہلے دن نہیں پڑھی جاسکتی تو دوسرے اور تیسرے دن پڑھی جائے۔ اس کے بعد نہ پڑھی جائے۔
- 13: تکبیرات تشریح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک 9 ذوالحجہ کی نماز فجر سے شروع کر کے دسویں ذوالحجہ کی نماز عصر تک ہوتی ہیں۔ جبکہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تکبیرات تشریح 9 ذوالحجہ کی نماز فجر سے لے کر 13 تاریخ کی نماز عصر تک ہیں۔ تکبیرات فرض نمازوں کے بعد پڑھی جائیں۔
- 14: تکبیرات کے الفاظ یہ ہیں:
- 15: ”اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد۔“
- اس باب کی دو فصول ہیں:
- 1: عید الفطر کا بیان
- 2: عید الاضحیٰ کا بیان

عيد الفطر كما بيان

”يستحب يوم الفطر ان يطعم الانسان شيئاً قبل الخروج الى المصلّى ويغتسل ويتطيب وَيَلْبَسُ احسن ثيابه ويتوجه الى المصلّى ولا يكبر في طريق المصلّى عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى و يكبر عند هما ولا يتنقل في المصلّى قبل صلوة العيد فاذا حلت الصلوة بارتفاع الشمس دخل وقتها الى الزوال فاذا زالت الشمس خرج وقتها ويصلي الامام بالناس ركعتين يكبر في الاولى تكبيرة الاحرام وثلاثا بعدها ثم يقرأ فاتحة الكتاب وسورة معها ثم يكبر تكبيرة يركع بها ثم يبدأ في الركعة الثانية بالقراءة فاذا فرغ من القراءة كبر ثلاث تكبيرات وكبر تكبيرة رابعة يركع بها ويرفع يديه في تكبيرات العيدين ثم يخطب بعد الصلوة خطبتين يعلم الناس فيهما صدقة الفطر واحكامها ومن فاتته صلوة العيد مع الامام لم يقضها فان غمّ الهلال عن الناس وشهدوا عند الامام برؤية الهلال بعد الزوال صلى العيد من الغد فان حدث عذر منع الناس من الصلوة في اليوم الثاني لم يصلها بعده و صدقة الفطر واجبة على الحر المسلم اذا كان مالكا المقدر النصاب فاضلا عن مسكنه و ثيابه واثاثه وفرسه وسلاحه وعبده للخدمة بخروج ذلك عن نفسه وعن اولاده الصغار وعبده

للخدمة ولا يودی عن زوجته ولا عن اولاده الكبار وان كانوا فی عیاله ولا یخرج عن مكاتبه ولا عن ممالیکه للتجارة والعبدین شریکین لافطرة علی واحدمنهما ویودی المسلم الفطرة عن عبده الکافر والفطرة نصف صاع من براوصاع من تمر او زبيب او شعیر والصاع عندابی حنیفة ومحمد ثمانية ارطال بالعراق وقال ابویوسف خمسة ارطال وثلاث رطل ووجوب الفطرة یتعلق بطلوع الفجر الثانی من یوم الفطر فمن مات قبل ذلك لم تحب فطرته ومن اسلم او ولد بعد طلوع الفجر لم تحب فطرته۔

والمستحب ان یخرج الناس الفطرة یوم الفطر قبل الخروج الی المصلی فان قدموها قبل یوم الفطر جاز وان اخروها عن یوم الفطر لم تسقط وکان علیهم اخراجها۔“

”عید الفطر کے دن انسان کا عید گاہ کی طرف جانے سے پہلے کچھ کھا لینا مستحب ہے۔ وہ نہائے دھوئے، خوشبو لگائے، اچھے کپڑے پہنے اور عید گاہ کی طرف چل پڑے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عید گاہ کے راستے میں تکبیریں نہ کہے لیکن صاحبین کے نزدیک وہ تکبیریں پڑھتا جائے۔ عید گاہ میں نماز عید سے پہلے کوئی نفل نہ پڑھے۔ پس سورج بلند ہونے کے ساتھ نماز عید کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور زوال تک رہتا ہے۔ پس جب سورج کو زوال ہو جائے تو عید کا وقت نکل گیا اور امام لوگوں کو دو رکعتیں پڑھائے۔ پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ اور اس کے بعد تین تکبیریں کہے پھر سورۃ الفاتحہ پڑھے اور اس کے ساتھ کوئی اور سورۃ پھر وہ تکبیر کہہ کر رکوع کرے۔ پھر دوسری رکعت میں قرأت کے ساتھ ابتداء کرے۔ قرأت سے فارغ ہو کر تین بار تکبیر کہے اور چوتھی تکبیر کے ساتھ رکوع کرے۔ دونوں عیدوں کی تکبیروں

میں ہاتھ بلند کرے۔ پھر نماز کے بعد دو خطبے دے جن میں لوگوں کو صدقہ فطر اور اس کے مسائل سکھائے اور جس کی عید کی نماز رہ جائے (باجماعت) تو پھر قضا کر کے نہ پڑھے۔ اگر لوگوں کو پہلی کا چاند پوشیدہ رہے اور لوگ امام کے پاس سورج کے زوال کے بعد چاند نظر آنے کی گواہی دیں تو پھر دوسرے دن نماز عید پڑھیں۔ اگر کسی عذر کی بناء پر لوگ عید کی نماز نہ پڑھ سکیں تو پھر تیسرے دن کے بعد نماز نہ پڑھیں۔ صدقہ فطر واجب ہے آزاد مسلمان پر جبکہ وہ مقدار نصاب کا مالک ہو اور یہ نصاب زائد ہو اس کے رہائشی مکان، کپڑوں، اسباب، گھوڑے، ہتھیار اور خدمتی غلاموں سے۔ اپنی طرف سے، اپنے چھوٹے بچوں کی طرف سے اور خدمتی غلاموں کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرے۔ نہ ادا کرے اپنی بیوی اور بڑی اولاد کی طرف سے، گو وہ اسی کی ذمہ داری میں ہوں اور نہ اپنے مکاتب اور سوداگری کے غلاموں کی طرف سے۔ جو غلام دو شریکوں کا ہو ان میں سے کسی پر بھی اس کا فطرانہ واجب نہیں اور مسلمان اپنے کافر غلام کی طرف سے فطرانہ ادا کرے۔ فطرانہ نصف صاع ہے گیہوں کا یا ایک صاع ہے کھجور یا کشمش یا جو کا۔ طرفین کے نزدیک صاع آٹھ عراقی رطل کا معتبر ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ پانچ رطل اور تہائی رطل کا معتبر ہے۔ فطرانہ کا وجوب عید کے روز فجر ثانی کے طلوع سے متعلق ہے۔ پس جو شخص اس سے پہلے مر جائے اس کا فطرانہ واجب نہیں جو شخص مسلمان ہو یا پیدا ہوا طلوع فجر کے بعد تو اس کا فطرانہ واجب نہیں۔ لوگ اگر اپنا فطرانہ عید گاہ جانے سے پہلے نکال دیں تو یہ مستحب ہے۔ اگر عید کے روز سے پہلے ہی دے دیا تب بھی جائز ہے اور اگر مؤخر کر دیا اس کو عید کے روز سے تو ساقط نہ ہوگا بلکہ ادا کرنا لازم ہوگا۔“

مفردات:

الفطر: فطر یفطر سے ہے۔ معنی ہے روزہ افطار کرنا۔ رمضان المبارک کے بعد آنے والی عید کو یوم الفطر کہا جاتا ہے۔

یطعم: کھانا کھائے۔

المصلی: نماز پڑھنے کی جگہ۔ یہاں عید گاہ مراد ہے۔

یتطیب: خوشبو لگائے۔

یلبس: کپڑے پہنے۔

طریق: راستہ۔

حلت: اتر جائے۔ حلال ہو جائے۔ مراد ہے نماز کا وقت ہو جائے۔

ارتفاع: بلند ہونا۔

یبتدأ: ابتداء کرے۔ شروع کرے۔

غُم: چھپایا گیا۔ مراد ہے چاند نظر نہ آیا۔

الغد: آنے والا کل۔ آنے والا دن۔

حر: آزاد۔

مسکن: مکان۔

ثیاب: یہ ثوب کی جمع ہے۔ معنی ہے کپڑا۔

اثاث: گھریلو سامان۔

فرس: گھوڑا۔

عبید: نوکر چا کر۔ یہ عبد کی جمع ہے۔

ممالیک: غلام۔ یہ مملوک کی جمع ہے۔

بر: گیہوں۔

تم: کھجور۔

زیب: کشکش۔

شعیر: جوار

ارطال: بارہ اوقیہ کا ایک وزن۔ یہ رطل کی جمع ہے۔

مصلیٰ: عید گاہ۔

مسائل و دلائل

نماز عید کی تیاری:

☆: ”عید الفطر کے دن انسان کا عید گاہ کی طرف جانے سے پہلے کچھ کھالینا مستحب ہے۔“

عید الفطر کے دن عید کی نماز پڑھنے سے قبل کچھ کھاپی لینا مستحب ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ عید الفطر کے دن کچھ کھجوریں کھائے بغیر عید گاہ کی طرف تشریف نہیں لے جاتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ رمضان اور عید کے دن میں فرق ہو جائے۔

غسل، خوشبو اور نئے کپڑے:

☆: ”وہ نہائے دھوئے، خوشبو لگائے، اچھے کپڑے پہنے اور عید گاہ کی طرف چل پڑے۔“

عید کے دن نہانا، خوشبو لگانا اور اچھے کپڑے پہننا سنت ہے۔ متعدد احادیث سے رسول اللہ ﷺ کا عمل اسی پر ثابت ہے۔ دوسرے یہ کہ طہارت و نظافت اسلام کے مزاج کے عین مطابق ہے۔ عید کے دن اکثر نبی کریم ﷺ نئے کپڑے اور نئے جوتے پہنتے تھے۔ بعض اوقات آپ ﷺ پرانے صاف کپڑے ہی دھلا کر پہن لیتے تھے۔

تکبیرات:

☆: ”امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عید گاہ کے راستے میں تکبیریں

نہ کہے لیکن صاحبین کے نزدیک وہ تکبیریں پڑھتا جائے۔“

عید الفطر پر عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے تکبیریں نہ کہی جائیں، یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے اور صاحبین کے نزدیک تکبیریں کہی جائیں۔

علماء احناف کا کہنا یہ ہے کہ یہ اختلاف صرف اونچی آواز سے اور آہستہ تکبیریں کہنے میں ہے یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اونچی آواز سے تکبیریں کہنے کے قائل نہیں ورنہ مطلق ذکر الہی میں تو کوئی اختلاف کر نہیں سکتا۔ یہ اختلاف بھی عید الفطر کے بارے میں ہے۔ عید الاضحیٰ پر بلند آواز سے تکبیرات کہنا دونوں کے نزدیک مسنون ہے۔

نماز عید سے پہلے نوافل نہیں:

☆: ”عید گاہ میں نماز عید سے پہلے کوئی نفل نہ پڑھے۔“

عید کی نماز سے پہلے عید گاہ میں نوافل نہیں پڑھنے چاہئیں۔ احادیث صحیحہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ عید کی نماز سے پہلے اور بعد میں کوئی نوافل نہیں پڑھا کرتے تھے۔ اس سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ عید گاہ میں نوافل ادا کرنا مکروہ ہے۔ ہاں گھر میں واپس آ کر ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

نماز عید کا وقت:

☆: ”پس سورج بلند ہونے کے ساتھ نماز عید کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور

زوال تک رہتا ہے۔ پس جب سورج کو زوال ہو جائے تو عید کا وقت نکل گیا۔“

سورج جب اُفق پر نکل آئے تو نماز عید کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور یہ سورج ڈھلنے تک باقی رہتا ہے۔ جب سورج ڈھل جائے تو نماز عید کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کا یہی قول و عمل تھا۔

عید کی نماز کا وجوب اور طریقہ:

☆: ”امام لوگوں کو دو رکعتیں پڑھائے۔ پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ اور اس

کے بعد تین تکبیریں کہے پھر سورۃ الفاتحہ پڑھے اور اس کے ساتھ کوئی اور سورۃ پھر وہ تکبیر کہہ کر رکوع کرے۔ پھر دوسری رکعت میں قرأت کے ساتھ ابتداء کرے۔ قرأت سے فارغ ہو کر تین بار تکبیر کہے اور چوتھی تکبیر کے ساتھ رکوع کرے۔ دونوں عیدوں کی تکبیروں میں ہاتھ بلند کرے۔“

عید کی نماز امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نماز عید کو سنت قرار دیتے ہیں۔ جبکہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اسے فرض کفایہ کہتے ہیں یعنی چند آدمیوں کے ادا کرنے سے سب کی طرف سے ادا ہو جاتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے 2 ہجری میں روزے فرض ہونے پر نماز عید الفطر ادا فرمائی اور پھر اسے کبھی ترک نہیں کیا تو اس وجہ سے یہ سنت موکدہ بھی ہوئی۔

نماز عیدین دو رکعت ہے جن کی ترتیب اس طرح ہے کہ پہلے تکبیر تحریمہ پھر تین زائد تکبیریں کہنے پھر سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی دوسری سورۃ پڑھے۔ پھر تکبیر کہہ کر رکوع کرے۔ پہلی رکعت میں یہ کل پانچ تکبیریں ہوں گی۔ اس طرح نو تکبیریں ہیں لیکن زائد تکبیریں چھ ہیں۔ تین پہلی رکعت میں اور تین دوسری رکعت میں۔ دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد کوئی سورت پڑھے اور پھر رکوع میں جانے سے پہلے تین زائد تکبیریں کہے اور چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا جائے اور اس طرح نماز مکمل کرے۔

عیدین کی زائد تکبیرات میں رفع یدین یعنی ہاتھ اٹھانا چاہئے۔ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عمل نقل کیا ہے:

”کان یرفع یدیه فی التکبیرات۔“

”حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ عیدین کی تکبیروں میں ہاتھ اٹھایا کرتے

تھے۔“

خطبہ عید:

☆: پھر نماز کے بعد دو خطبے دے جن میں لوگوں کو صدقہ فطر اور اس کے

مسائل سکھائے۔“

عید الفطر کی نماز کے بعد امام خطبہ دے جس کے درمیان میں جمعہ کے خطبے کی طرح وقفہ ہو۔ اس خطبے میں صدقہ فطر کے احکام بیان کرے۔ چنانچہ صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نماز عید خطبہ سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔

نماز عید کی قضا:

☆: ”جس کی عید کی نماز رہ جائے (باجماعت) تو پھر قضا کر کے نہ پڑھے۔“

اگر کوئی آدمی نماز عید امام کی اقتداء میں ادا نہ کر سکے تو اس کی قضا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ واجب ہی جماعت کے ساتھ ہے، اکیلے ادا نہیں ہو سکتی۔

رویت ہلال:

☆: ”اگر لوگوں کو پہلی کا چاند پوشیدہ رہے اور لوگ امام کے پاس سورج کے زوال کے بعد چاند نظر آنے کی گواہی دیں تو پھر دوسرے دن نماز عید پڑھیں۔ اگر کسی عذر کی بناء پر لوگ عید کی نماز نہ پڑھ سکیں تو پھر تیسرے دن کے بعد نماز نہ پڑھیں۔“

اگر چاند نظر نہ آئے لیکن زوال کے بعد معتبر شہادت مل جائے کہ چاند ہو گیا تھا تو دوسرے دن عید الفطر پڑھی جائے، لیکن اگر کسی عذر کی وجہ سے دوسرے دن بھی عید نہ پڑھی گئی تو تیسرے دن پڑھنا مشروع نہیں۔ اس بارے میں حدیث منقول ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ایک مرتبہ مدینہ والوں کو چاند نظر نہ آیا تو سب لوگوں نے روزہ رکھ لیا۔ دوسرے دن دن ڈھلے کچھ سوار آئے اور انہوں نے گزشتہ رات چاند دیکھنے کی گواہی دی تو حضور نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو روزہ افطار کرنے کا حکم دیا اور

فرمایا:

”اگلے دن عید گاہ میں نماز پڑھیں۔“

(سنن ابی داؤد) (سنن نسائی)

صدقہ فطر:

☆: ”صدقہ فطر کا مفہوم“

صدقہ کے معنی عطیہ کے ہیں جس سے عند اللہ ثواب مقصود ہو چونکہ اس کی ادائیگی صاحب صدقہ کی رغبت کا اظہار کرتی ہے اس لیے اس کو صدقہ کہتے ہیں جیسے صدق بمعنی مہر کہ اس کی ادائیگی شوہر کی رغبت کا اظہار کرتی ہے۔ کلمہ فطر اسلامی لفظ ہے جس پر فقہاء کی اصطلاح قائم ہے۔ عام لوگ جو صدقہ فطر کے لیے لفظ فطرہ بولتے ہیں یہ لغوی نہیں بلکہ بنایا ہوا ہے۔

سوال: صاحب قاموس نے لکھا ہے:

”الفطرة بالكسر صدقة الفطر۔“

معلوم ہوا کہ یہ لفظ بنایا ہوا نہیں ہے؟

جواب: صاحب قاموس نے بہت سی جگہ حقائق شرعیہ کو حقائق لغویہ کے ساتھ مخلوط کیا ہے اور یہ قول بھی اغلاط قاموس میں شمار ہوتا ہے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے کہ یہ لفظ مولد ہے اور غالباً فطرة بمعنی خلقت سے ماخوذ ہے۔ گویا یہ بدن کی زکوٰۃ ہے۔

سوال: اہل سنت نے بیان کیا ہے کہ فطر صوم کی ضد ہے:

”فطرة الصائم“ کل وشرب کا فطر والصوم الامساک عن الاکل

والشرب والكلام۔“

معلوم ہوا کہ لفظ فطر اسلامی نہیں ہے۔

جواب: اسلامی ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قبل از اسلام کسی نے اس کا تلفظ نہیں کیا

بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ ایک حقیقت شرعیہ ہے جس کو **فطر صائم** کے لیے اسم قرار دے دیا گیا۔ جیسے لفظ صلوة کہ عبادت مخصوصہ کے لیے اس کا ظہور اسلام میں ہوا ہے گو اسلام سے قبل اپنے معانی میں مستعمل تھا۔

صدقہ فطر واجب ہے:

☆: ”صدقہ فطر واجب ہے آزاد مسلمان پر جبکہ وہ مقدار نصاب کا مالک ہو اور یہ نصاب زائد ہو اس کے رہائشی مکان، کپڑوں، اسباب، گھوڑے، ہتھیار اور خدمتی غلاموں سے اسے چاہیے کہ وہ اپنی طرف سے، اپنے چھوٹے بچوں کی طرف سے اور خدمتی غلاموں کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرے۔ نہ ادا کرے اپنی بیوی اور بڑی اولاد کی طرف سے گو وہ اسی کی ذمہ داری میں ہوں اور نہ اپنے مکاتب اور سوداگری کے غلاموں کی طرف سے۔ جو غلام دو شریکوں کا ہو ان میں سے کسی پر بھی اس کا فطرانہ واجب نہیں۔ مسلمان اپنے کافر غلام کی طرف سے فطرانہ ادا کرے۔“

صدقہ فطر ہر اس آزاد مسلمان پر واجب ہے جو صاحب نصاب ہو اور وہ نصاب اس کی اور اس کے اہل و عیال کی ضروریات خانگی، مسکن، لباس، ہتھیار وغیرہ سے زائد ہو۔

چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

”دو آدمیوں کی طرف سے ایک صاع گندم کا بطور صدقہ فطر ادا کرو یا ایک

صاع کھجور ادا کرو۔ ہر شخص کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرو۔ آزاد ہو یا غلام

چھوٹا ہو یا بڑا۔“

یہ حدیث اخبار احاد میں سے ہے جس سے وجوب ہی ثابت ہو سکتا ہے نہ کہ فرضیت کیونکہ یہ دلیل قطعی نہیں ہے۔ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک صدقہ فطر فرض ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

”فرض رسول اللہ ﷺ زکوٰۃ الفطر علی الذکر والانثی۔“

”رسول اللہ ﷺ نے ہر مرد اور ہر عورت پر صدقہ فطر فرض قرار دیا۔“

جواب: یہاں فرض کے اصطلاحی معنی مراد نہیں بلکہ بمعنی قدر ہے یعنی مقرر کیا کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ منکر صدقہ فطر کافر نہیں ہے۔ اگر یہ فرض ہوتا تو یقیناً اس کا منکر کافر ہوتا۔

حریت کی شرط اس لیے ہے تاکہ **تملیک** متحقق ہو سکے اور اسلام کی شرط اس لیے ہے تاکہ صدقہ قربت واقع ہو سکے۔ مالدار ہونا اس لیے شرط ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

”لا صدقة الا عن ظهر غنی.“

”صدقہ فقط مالدار پر لازم ہے۔“

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”جو شخص اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ایک یوم کی خوراک سے زائد کا مالک ہو اس پر بھی صدقہ ضروری ہے۔“

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر حدیث مذکور حجت ہے۔

صدقہ فطر کی مقدار:

☆: ”فطرانہ نصف صاع ہے گیہوں کا یا ایک صاع ہے کھجور یا کشمش یا جو کا۔ طرفین کے نزدیک صاع آٹھ عراقی رطل کا معتبر ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ پانچ رطل اور تہائی رطل کا معتبر ہے۔ فطرانہ کا وجوب عید کے روز فجر ثانی کے طلوع سے متعلق ہے۔ پس جو شخص اس سے پہلے مر جائے اس کا فطرانہ واجب نہیں اور جو شخص مسلمان ہو یا پیدا ہوا طلوع فجر کے بعد تو اس کا فطرانہ واجب نہیں۔ لوگ اگر اپنا فطرانہ عید گاہ جانے سے پہلے نکال دیں تو یہ مستحب ہے۔ اگر عید کے روز سے پہلے ہی دے دیا تب بھی جائز ہے اور اگر مؤخر کر دیا اس کو عید کے روز سے تو ساقط نہ ہوگا بلکہ ادا کرنا لازم ہوگا۔“

صدقہ فطر نصف صاع واجب ہے گیہوں یا اس کے آٹے یا ستوسے۔ اور ایک صاع واجب ہے کھجور یا کشمش یا جو سے۔ خلفاء راشدین، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت ابن زبیر، حضرت ابو ہریرہ، حضرت امیر معاویہ، حضرت اسماء بنت ابی بکر، حضرت ابن المسیب، حضرت ابن ابی رباح، حضرت ابن جبیر، حضرت مجاہد، حضرت معمر بن عبدالعزیز، حضرت طاؤس، حضرت نخعی، حضرت شععی، حضرت علقمہ، حضرت اسود، حضرت عروہ، حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمن بن عوف، حضرت عبدالملک بن محمد، حضرت ابو قلابہ، حضرت اوزاعی، حضرت ثوری، حضرت ابن المبارک، حضرت مصعب بن سعد، حضرت قاسم، حضرت سالم، حضرت حکم، حضرت حماد اور امام مالک رضی اللہ عنہم اجمعین سب کا یہی قول ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان تمام اشیاء سے ایک صاع ضروری ہے کیونکہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

”ہم آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں صدقہ فطر میں ایک صاع دیتے تھے۔“

ہماری دلیل روایت ابن ثعلبہ مذکور ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مستدل مقدار تطوع پر محمول ہے کیونکہ اس میں ”کنانخرج“ کہا گیا ہے اور یہ نہیں فرمایا گیا کہ حضور ﷺ نے ہمیں اتنے کا حکم دیا تھا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گیہوں کی طرح کشمش کا بھی نصف صاع ہے۔ صاحبین کے نزدیک کشمش کھجور کے حکم میں ہے یعنی اس کا بھی پورا ایک صاع ہے۔ امام صاحب سے اسد بن عمر کی روایت بھی یہی ہے۔ ابوالیسر نے اس کی تصحیح کی ہے اور ابن ہمام نے فتح القدر میں دلیل کی رو سے اسی کو ترجیح دی ہے۔ حقائق میں برہان سے منقول ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔

صاحبین یہ کہتے ہیں کہ مقصود یعنی نفقہ میں کشمش اور کھجور دونوں متقارب ہیں۔ جبکہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ معنوی لحاظ سے کشمش اور گیہوں دونوں متقارب ہیں

کیونکہ یہ دونوں کل اجزاء کے ساتھ کھائے جاتے ہیں بخلاف کھجور اور جو کے کہ کھجور کی گھٹلی اور جو کا چھلکا نہیں کھایا جاتا۔

صاع کی مقدار طرفین کے نزدیک آٹھ رطل عراقی اور امام ابو یوسف وائمہ ثلاثہ کے نزدیک پانچ رطل اور ثلاث رطل ہے۔ بعض حضرات کا بیان ہے کہ طرفین اور امام ابو یوسف کے درمیان حقیقی اختلاف نہیں کیونکہ امام ابو یوسف نے صاع کا اندازہ مدنی رطل سے کیا ہے جو تیس استار کا ہوتا ہے اور عراقی بیس استار کا۔ پس جب آٹھ رطل عراقی کا رطل مدنی کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو دونوں برابر ہوتے ہیں۔ بعض نے اس کی بھی تصویب کی ہے کیونکہ امام محمد سے امام ابو یوسف کا اختلاف ذکر نہیں کیا گیا مگر صاحب نیایع کہتے ہیں کہ یہ اختلاف حقیقی ہے اور سب کے نزدیک رطل عراقی ہی معتبر ہے۔ چنانچہ مبسوط میں ہے:

”فقد نص ابو یوسف فی کتاب العشر والنخاج خمسة ارطال
وثلاث رطل بالعراقی۔“

”پس امام ابو یوسف نے ”کتاب العشر والنخاج“ میں پانچ رطل جبکہ تین عراقی رطل منصوص قرار دیا ہے۔“

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ سے عرض کیا گیا:
”یا رسول اللہ ﷺ! ہمارا صاع سب صاعوں سے چھوٹا ہے اور ہمارا مد سب
مدوں سے بڑا ہے؟“

اس پر آپ ﷺ نے کوئی نکیر نہیں فرمائی بلکہ یہ دعا فرمائی:

”اللهم بارک لنا فی صاعنا وبارک لنا فی قلیلنا وکثیرنا۔“

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ ایک مد یعنی دو رطل سے وضو اور ایک صاع یعنی آٹھ رطل سے غسل فرماتے تھے۔ صاع عمر کی مقدار بھی یہی تھی۔



عيد الاضحى كإبيان

”ويستحب في يوم الاضحى ان يغتسل ويتطيب ويؤخر الاكل حتى يفرغ من الصلوة ويتوجه الى المصلى وهو يكبر ويصلى الاضحى ركعتين كصلوة الفطر ويخطب بعدها خطبتين يعلم الناس فيها الاضحية وتكبيرات التشريق فان حدث عذر منع الناس من الصلوة يوم الاضحى صلاها من الغد وبعد الغد ولا يصليها بعد ذلك وتكبير التشريق اوله عقب صلوة الفجر من يوم عرفة واخره عقب صلوة العصر من يوم النحر عند ابي حنيفة وقال ابو يوسف ومحمد رحمهما الله الى صلوة العصر من اخر ايام التشريق التكبير عقب الصلوات المفروضة الله اكبر الله اكبر لا اله الا الله والله اكبر الله اكبر والله الحمد والاضحية واجبة على كل حر مسلم مقيم موسرفى يوم الاضحى يذبح عن نفسه وعن اولاده الصغار يذبح عن كل واحد منهم شاة ويذبح بدنة او بقرة عن سبعة وليس على الفقير والمسافر اضحية ووقت الاضحية يدخل بطلوع الفجر من يوم النحر الا انه لا يجوز لاهل الامصار الذبح حتى يصلى الامام صلوة العيد فاما اهل السواد فيذبحون بعد طلوع الفجر وهى جائزة فى ثلاثة ايام يوم النحر ويومان بعده ولا يضحى بالعمياء والعوراء والعرجاء التى لا تمشى

الى المنسك ولا العجفاء ولا تجزى مقطوعة الاذن والذنب
ولا التي ذهب اكثر اذنها او ذنبها وان بقى الاكثر من الاذن والذنب
جاز ويجوز ان يضحى بالجماء والخصى والجرباء والثولاء
والاضحية من الابل والبقر والغنم ويجزى من ذلك كله الثني
فصاعدا الا الضان فان الجذع منه يجزى وياكل من لحم الاضحية
ويطعم الاغنياء والفقراء ويدخر ويستحب ان لا ينقص الصدقة
من الثلث ويتصدق بجلدها او يعمل منه آلة تستعمل في البيت
والافضل ان يذبح اضحية بيده ان كان يحسن الذبح ويكره ان
يذبحها الكتابي واذا غلط رجلان فذبح كل واحد منهما اضحية
الآخر اجزا عنهما ولا ضمان عليهما والذبح بين الحلق واللبة
والعروق التي تقطع في الزكاة اربعة الحلقوم والمرى والودجان
فان قطعها حل الاكل وان قطع اكثرها فكذلك عندابي حنيفة
وقالا رحمهما الله لا بد من قطع الحلقوم والمرى واحدا لودجين
ويجوز الذبح بالليطة والمروة وبكل شيء انهر الدم الا السن
القائم والظفر القائم ويستحب ان يحد الذابح شفرته ومن بلغ
بالسكين النخاع او قطع الراس كره له ذلك وتوكل ذبيحته وان
ذبح الشاة من قفاها فان بقيت حية حتى قطع العروق جاز ويكره
وان ماتت قبل قطع العروق لم توكل وما اسانس من الصيد
فذكاته الذبح وما توحش من النعم فذكاته العقر والجرح
والمستحب في الابل النحر وان ذبحها جاز ويكره والمستحب
في البقر والغنم الذبح فان نحرهما جاز ويكره ومن نحر ناقه
او ذبح بقرة او شاة فوجد في بطنها جنينا ميتا لم يوكل اشعر اولم

یشعر۔“

”عید الاضحیٰ کے دن نہانا دھونا اور خوشبو لگانا اور نماز سے فراغت تک کھانے پینے کو مؤخر کرنا مستحب ہے۔ پھر عید گاہ کا زخ کرے اور تکبیریں کہتا جائے۔ نماز عید الاضحیٰ بھی نماز فطر کی طرح ہی ادا کی جائے اور اس کے بعد امام دو خطبے دے۔ جن میں لوگوں کو قربانی کے مسائل اور تکبیرات تشریح کے متعلق بتائے۔ اگر لوگوں کو عید الاضحیٰ کے دن نماز پڑھنے سے کوئی عذر پیش آجائے تو دوسرے دن یا تیسرے دن پڑھ لیں۔ اس کے بعد نہ پڑھیں۔ تکبیرات تشریح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یوم عرفہ کی نماز فجر کے بعد قربانی کے دن عصر کی نماز کے بعد تکبیریں کہی جائیں۔ لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایام تشریح کے آخری دن عصر کی نماز کے بعد تکبیریں کہی جائیں۔ یہ تکبیریں فرض نمازوں کے بعد کہی جائیں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: ”اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔“ قربانی ہر آزاد مسلمان مقیم مالدار پر واجب ہے۔ عید الاضحیٰ کے دن اپنی طرف سے اور اپنے چھوٹے بچوں کی طرف سے ذبح کرے۔ ہر آدمی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے۔ اونٹ یا گائے سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کیے جاسکتے ہیں۔ فقیر اور مسافر پر قربانی لازم نہیں۔ قربانی کا وقت یوم نحر کی فجر طلوع ہوتے ہی شروع ہو جاتا ہے مگر شہر والوں کے لیے عید کی نماز سے پہلے ذبح کرنا جائز نہیں۔ رہے گاؤں والے تو وہ طلوع فجر کے بعد ہی سے ذبح کر سکتے ہیں۔ قربانی تین دن تک جائز ہے۔ یعنی ایک یوم نحر اور دو دن اس کے بعد۔ اندھے، کانے اور ایسے لنگڑے جانور کی قربانی نہ کی جائے جو ذبح گاہ تک نہ جاسکے۔ اس جانور کی قربانی جائز نہیں جس کا سارا کان، ساری دم یا اکثر کان اور اکثر دم کٹی ہو۔ اگر اکثر

کان یا دم باقی ہو تو جائز ہے۔ بے سینگ اور خارشے جانور کی قربانی کرنا جائز ہے۔ قربانی اونٹ گائے اور بکری کی ہوتی ہے۔ کافی ہے ان سب سے شی یا اس سے بڑا سوائے بھیڑ کے کہ اس سے جذع بھی کافی ہے۔ قربانی کا گوشت خود بھی کھائے، مالداروں اور فقیروں کو بھی کھلائے۔ اس وقت گوشت رکھ لینا بھی جائز ہے جبکہ تہائی گوشت صدقہ کر دیا ہو۔ تہائی گوشت کا صدقہ کرنا مستحب ہے۔ جانور کی کھال صدقہ کر دے یا اس کی کوئی ایسی چیز بنالے جو گھر میں استعمال کی جائے۔ افضل یہ ہے کہ اپنی قربانی خود ذبح کرے اگر اچھی طرح ذبح کر سکتا ہو۔ کسی کتابی (یہودی، عیسائی) سے ذبح کروانا مکروہ ہے۔ غلطی سے دو آدمیوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کی قربانی تو دونوں کی طرف سے کافی ہوگی اور ان پر کوئی ضمان نہ ہوگا۔ ذبح حلق اور سینہ کے اوپر کی ہڈی کے درمیان ہوتا ہے اور جو رگیں کاٹی جاتی ہیں وہ چار ہیں: حلقوم، مری اور دوشہ رگیں۔ اگر ان کو کاٹ دیا تو کھانا حلال ہوگا اور اگر اکثر کاٹ دیں تب بھی امام صاحب کے نزدیک جائز ہوگا۔ صاحبین کے نزدیک حلقوم، مری اور ایک شہ رگ کا کٹنا ضروری ہے۔ کھچی، پتھر اور ہر ایسی چیز سے ذبح کرنا جائز ہے جو خون جاری کر دے سوائے دانت اور ناخن کے۔ اپنی چھری کو تیز کر لینا مستحب ہے۔ جو چھری کو حرام مغز تک پہنچا دے یا سر کو جدا کر دے تو یہ مکروہ ہے اور اس ذبیحہ کو کھانا جائز ہے۔ اگر بکری کو گدی کی طرف سے ذبح کیا گیا تو اگر وہ زندہ رہی اتنی دیر کہ اس نے رگیں کاٹ دیں تو جائز ہے اور مکروہ ہے اور اگر مر گئی رگیں کٹنے سے پہلے ہی تو اسے نہ کھایا جائے۔ جو شکار مانوس ہو تو اس کی ذکاۃ ذبح سے جائز ہے اور جو پائے وحشی ہوں ان کی ذکاۃ نیزہ مارنا اور زخمی کرنا ہے۔ اونٹ میں نخر کرنا مستحب ہے اور اگر ذبح کرے تو یہ بھی جائز ہے۔ گائے اور بکری میں ذبح کرنا مستحب ہے اور اگر

ان کو نحر کیا تو یہ بھی جائز ہے لیکن مکروہ ہے۔ جس نے اونٹنی یا گائے یا بکری ذبح کی اور اس کے پیٹ میں مردہ بچہ پایا تو نہ کھایا جائے خواہ اس کے بال آگئے ہوں یا نہ آئے ہوں۔“

مفردات:

- الاضحية:** قربانی۔ یہ الاضاحی کی جمع ہے۔ یہاں مراد ہے قرانی کے مسائل۔
- التشريق:** عید قربان کے بعد کے دنوں کو ایسا اکثر کیا جاتا ہے۔ اس لیے 13 ذی الحجہ تک کے دنوں کو ایام تشریق کہا جاتا ہے۔
- عقیب:** پیچھے آنے والی۔
- النحر:** اونٹ کے ذبح کرنے کو نحر کہتے ہیں۔ مراد ہے قربانی۔
- اضحية:** قربانی۔
- موسر:** مالدار۔
- امصار:** شہر۔ یہ مصر کی جمع ہے۔
- سواد:** گاؤں۔
- عمیاء:** اندھا۔
- عورا:** کانا۔
- عرجا:** لنگڑا۔
- منسک:** جائے ذبح۔
- عجفا:** درہل۔ کمزور۔
- ذنب:** دم۔
- جمار:** جس کے پیدائشی سینگ نہ ہوں۔
- جرباء:** خارشٹی۔
- ثولاء:** دیوانہ۔

ثنی: دودانت والا۔

ضان: بھیڑ۔

یدخر: ذخیرہ اندوزی۔

اللبۃ: سینہ کے اوپر کی ہڈی۔

عرق: رگ۔

حلقوم: سانس آنے جانے کی راہ۔

مری: کھانے پینے کی راہ۔

ودجین: دوشہ رگیں جو حلقوم اور مری کے چپ و راست میں واقع ہیں جن میں خون کا

دوران رہتا ہے۔

انہر: بہادے۔

سن: دانت۔

ظفر: ناخن۔

یحد: تیز کر لے۔

شفرہ: چھری۔

نخاع: گلے کی ہڈی کا گودا۔

قفا: گدی۔

نعم: چوپائے۔

عقر: زخمی کرنا۔

نحر: سینہ کے اوپر گردن کے نیچے نیزہ مارنا۔

جنین: جو بچہ پیٹ میں ہو۔

شعر: بال کا نکل آنا۔

مسائل ودلائل

نماز عید کے بعد کھانا:

☆: ”عید الاضحیٰ کے دن نہانا دھونا اور خوشبو لگانا اور نماز سے فراغت تک

کھانے پینے کو مؤخر کرنا مستحب ہے۔“

عید الاضحیٰ کے دن نماز پڑھنے سے قبل کچھ نہ کھائے۔ جب نماز سے فارغ

ہو جائے تو پھر کھائے۔ بہتر یہ ہے کہ اپنی قربانی کے گوشت کو پکا کر کھائے۔ چنانچہ امام

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے نقل

کیا ہے:

”لا یطعم یوم الاضحیٰ حتی یرجع۔“

”رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ کے دن واپسی تک کچھ نہ کھاتے تھے۔“

تکبیرات:

☆: ”پھر عید گاہ کا رخ کرے اور تکبیریں کہتا جائے۔“

عید الاضحیٰ پر عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے اونچی آواز میں تکبیر کہتے ہوئے جانا

چاہئے۔ اسی پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔

نماز عید الاضحیٰ:

☆: ”نماز عید الاضحیٰ بھی نماز فطر کی طرح ہی ادا کی جائے اور اس کے بعد

امام دو خطبے دے جن میں لوگوں کو قربانی کے مسائل اور تکبیرات تشریح کے متعلق

بتائے۔ اگر لوگوں کو عید الاضحیٰ کے دن نماز پڑھنے سے کوئی عذر پیش آجائے تو دوسرے

دن یا تیسرے دن پڑھ لیں۔ اس کے بعد نہ پڑھیں۔“

عید کی نماز ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نماز عید کو سنت قرار دیتے ہیں۔ جبکہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اسے

فرض کفایہ کہتے ہیں یعنی چند آدمیوں کے ادا کرنے سے سب کی طرف سے ادا ہو جاتی ہے۔

عید الاضحیٰ کی نماز بھی عید الفطر کی طرح دو رکعت ہے۔ جن کی ترتیب اس طرح ہے کہ پہلے تکبیر تحریمہ پھر تین زائد تکبیریں کہے پھر سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی دوسری سورہ پڑھے۔ پھر تکبیر کہہ کر رکوع کرے۔ پہلی رکعت میں یہ کل پانچ تکبیریں ہوں گی۔ اس طرح نو تکبیریں ہیں لیکن زائد تکبیریں چھ ہیں۔ تین پہلی رکعت میں اور تین دوسری رکعت میں۔ دوسری رکعت میں سورت فاتحہ کے بعد کوئی سورت پڑھے اور پھر رکوع میں جانے سے پہلے تین زائد تکبیریں کہے اور چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا جائے اور نماز مکمل کرے۔

عیدین کی زائد تکبیرات میں رفع یدین یعنی ہاتھ اٹھانا چاہئے۔ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عمل نقل کیا ہے:

”کان یرفع یدیه فی التکبیرات۔“

”حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ عیدین کی تکبیروں میں ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔“

عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد امام خطبہ دے جس کے درمیان میں جمعہ کے خطبے کی طرح وقفہ ہو۔ نماز کے بعد خطبہ بھی عید الفطر کی طرح ہے مگر اس خطبے میں قربانی کے احکام بیان کئے جائیں اور تکبیرات تشریح کے متعلق بتایا جائے۔ چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نماز عید خطبہ سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔

اگر دسویں ذی الحجہ کو نماز عید ادا نہ کی جاسکی تو دوسرے یا تیسرے دن پڑھی جائے لیکن اس کے بعد پڑھنا جائز نہیں۔

تکبیرات تشریق:

☆: ”تکبیرات تشریق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یوم عرفہ کی نماز فجر کے بعد قربانی کے دن عصر کی نماز کے بعد تکبیر کہی جائیں لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایام تشریق کے آخری دن عصر کی نماز کے بعد تکبیر کہی جائیں۔ یہ تکبیریں فرض نمازوں کے بعد کہی جائیں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: ”اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد۔“

تکبیرات تشریق 9 ذی الحجہ کو صبح کی نماز کے بعد شروع کی جائیں اور دسویں کو نماز عصر کے بعد ختم کی جائیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہی ہے۔ جبکہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق 9 ذی الحجہ کی فجر کی نماز سے لے کر ایام تشریق یعنی 13 ذی الحجہ کی نماز عصر تک یہ تکبیریں کہی جائیں۔ چنانچہ کتاب الآثار میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا عمل 13 ذی الحجہ تک نقل کیا ہے۔ احناف کے نزدیک فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ تکبیر کے الفاظ یہ ہیں:

”اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ، واللہ اکبر اللہ اکبر، واللہ الحمد“

قربانی کا وجوب اور اہم مسائل:

☆: قربانی ہر آزاد مقیم مالدار مسلمان پر واجب ہے۔ عید الاضحیٰ کے دن اپنی طرف سے اور اپنے چھوٹے بچوں کی طرف سے ذبح کرے۔“

الاضحیہ لغت میں بکری یا اس کے مثل جانور کو کہتے ہیں جو ایام اضحیٰ میں ذبح کیا جائے۔ قربانی سے مراد اصطلاح شرع میں وہ مخصوص جانور ہے جو بہ نیت قربت خاص وقت میں ذبح کیا جائے۔ احناف کے ہاں قربانی ایک روایت میں واجب دوسری میں سنت مؤکدہ ہے۔ امام طحاوی نے سنت ہونا صاحبین کا قول بتایا ہے اور یہی امام شافعی و احمد رحمۃ اللہ علیہم کا قول ہے۔ چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

”تین چیزیں مجھ پر فرض ہیں اور تمہارے لیے نفل ہیں۔ وہ یہ ہیں: وتر، قربانی اور صلوٰۃِ ضحیٰ۔“

و جوب کی دلیل آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

”جو شخص کشائش پائے اور قربانی نہ کرے وہ ہماری عید گاہ کے قریب بھی نہ آئے۔“

اس قسم کی وعید ترک واجب پر ہی ہوتی ہے اور روایت مذکور کو امام نسائی، دارقطنی اور صاحب تنقیح نے ضعیف کہا ہے۔

”اپنی اولاد کی طرف سے قربانی“ یہ امام صاحب سے حسن بن زیاد کی روایت ہے۔ طاہر الروایہ یہ ہے کہ قربانی ہر آدمی پر اپنی طرف سے واجب ہے اور فتویٰ اسی پر ہے جیسا کہ فتاویٰ قاضی خاں میں اس کی تصریح موجود ہے۔

بکری ایک اور اونٹ سات افراد کی طرف سے:

☆: ”ہر آدمی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے۔ اونٹ یا گائے سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کیے جاسکتے ہیں۔ اندھے، کانے اور ایسے لنگڑے کی قربانی نہ کی جائے جو ذبح گاہ تک نہ جاسکے۔ اس جانور کی قربانی جائز نہیں جس کا سارا کان ساری دم یا اکثر کان اور اکثر دم کٹی ہو۔ اگر اکثر کان یا دم باقی ہو تو جائز ہے۔ بے سینگ اور خار شے کی قربانی کرنا جائز ہے۔“

بھیڑ بکری کی قربانی صرف ایک شخص کی طرف سے ہوگی اور گائے اور اونٹ میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ امام مالک کے ہاں گائے اور اونٹ ایک گھرانے کی طرف سے ہو سکتے ہیں گو اس کے افراد سات سے زائد ہوں کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

”ہر گھر والے پر ہر سال قربانی اور عتیرہ ہے۔“

ہم کہتے ہیں کہ قیاس کے اعتبار سے تو اونٹ اور گائے بھی ایک ہی طرف سے

ہوتی چاہئے کیونکہ ورنہ بڑی قربت واحد ہے جس میں تجویز نمبر ۱۰۹ کے ساتھ ساتھ اور اونٹ کی قربانی کے ساتھ ساتھ ہے کہ انہم نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ گائے اور اونٹ کی قربانی سات سات آدمیوں کی طرف سے کی۔ اس لیے ہم نے قیاس کو ترک کر دیا اور بھیڑ بکری میں کوئی نص موجود نہیں۔ اس لیے یہ قیاس پر باقی رہی اور حدیث مذکور جو امام مالک کی مستدل ہے وہ مقیم اہل پر محمول ہے۔

تین دن قربانی:

☆: ”قربانی تین دن تک جائز ہے۔ یعنی ایک یوم نحر اور دو دن اس کے

بعد دن۔

ایام نحر 10-11 اور 12 ذی الحجہ ہیں۔ ذوالحجہ میں ایام تشریق بھی تین ہیں۔ یعنی گیارہ، بارہ اور تیرہ۔ پس دسویں تاریخ یوم نحر ہے یوم تشریق نہیں اور تیرہویں تاریخ اس کے برعکس ہے اور گیارہ اور بارہ ایام نحر بھی ہیں اور ایام تشریق بھی۔ ہمارے نزدیک بارہویں تاریخ میں غروب آفتاب سے پہلے تک قربانی کی جاسکتی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تیرہویں میں بھی جائز ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

”ایام تشریق کل کے کل ذبح کے دن ہیں۔“

ہماری دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کا یہ قول ہے:

”الاضحیٰ یومان بعد یوم الاضحیٰ۔“

قربانی کی عمر:

☆: ”قربانی اونٹ گائے اور بکری کی ہوتی ہے۔ کافی ہے ان سب سے

خنی یا اس سے بڑا سوائے بھیجے کے کہ اس سے جذا بھی کافی ہے۔“

پنج سالہ اونٹ، دو سالہ گائے، بیل، بھینس، ایک سالہ بھیڑ، بکری کی قربانی درست

ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

”لا تذبح الا منسدا۔“

البتہ بھیڑ دنبہ میں جذع یعنی چھ ماہ کا پٹھا بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ فربہ اور قد آور ہو کہ اگر سال بھر والوں میں چھوڑ دیا جائے تو تمیز نہ ہو سکے۔ کیونکہ نبی کریم علیہ السلام کا قول ہے:

”يجوز الجذع من الضان اضحية۔“

ذبح:

☆: ”ذبح حلق اور سینہ کے اوپر کی ہڈی کے درمیان ہوتا ہے۔“

ذبح اختیار کی جگہ حلق اور لبتہ کا درمیانی حصہ ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔

چار رگیں:

☆: ”ذبح حلق اور سینہ کے اوپر کی ہڈی کے درمیان ہوتا ہے اور جو رگیں

کاٹی جاتی ہیں وہ چار ہیں: حلقوم، مری اور دوشہ رگیں۔ اگر ان کو کاٹ دیا تو کھانا حلال ہوگا اور اگر اکثر کاٹ دیں، تب بھی امام صاحب کے نزدیک جائز ہوگا۔ صاحبین کے نزدیک حلقوم، مری اور ایک شہ رگ کا کتنا ضروری ہے۔ کھچی، پتھر اور ہر ایسی چیز ذبح کرنا جائز ہے جو خون جاری کر دے سوائے دانت اور ناخن کے۔ اپنی چھری کو تیز کر لینا مستحب ہے۔“

ذبح کرتے وقت جو رگیں کاٹی جاتی ہیں وہ چار ہیں:

حلقوم۔

مری

دو جان۔

یہ اس لیے متعین ہیں کہ شہ رگ کٹ جانے سے خون نکل جاتا ہے اور حلقوم و مری کٹ جانے سے جان جلد نکل جاتی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حلقوم و مری کا کٹ جانا کافی ہے۔ ہماری دلیل یہ

حدیث ہے:

”افر الاوداج بما شنت۔“

اس میں اوداج جمع ہے جس کا اقل عد تین ہے تو یہ مری اور دو جین تینوں کو شامل ہوا اور ان کا کٹنا قطع حلقوم کے بغیر ناممکن ہے تو اقتضاء قطع حلقوم بھی ثابت ہوا۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عروق اربعہ میں سے لاعلی التعین تین کا کٹ جانا ذبیحہ کے لیے کافی ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مرجوع الیہ قول یہ ہے کہ قطع حلقوم و مری اور قطع احد الدوجین شرط ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہر رگ کا اکثر حصہ کٹنا ضروری ہے۔ یہی ایک روایت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے کیونکہ ہر رگ اصل بنفسہ ہے اور ہر ایک کو کاٹنے کا حکم ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ قطع دو جین کا مقصد خون بہانا ہے تو ان میں سے ایک دوسرے کے قائم مقام ہو سکتی ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر کل کے قائم مقام ہوتا ہے اور عروق اربعہ میں سے لاعلی التعین تین سے انہار ہو جاتا ہے والاظہر قول محمد۔

اپنی جگہ لگے ہوئے دانت اور ناخنوں سے ذبح کرنا جائز نہیں، ہاں اگر اکھڑے ہوئے ہوں تو جائز ہے مگر مکروہ ہے اور کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں جانور کو تکلیف دینا ہے جیسے کند چھری سے ذبح کرنا مکروہ ہے۔

حرام مغز تک:

☆: ”جو چھری کو حرام مغز تک پہنچادے یا سر کو جدا کردے تو یہ مکروہ ہے

اور اس ذبیحہ کو کھانا جائز ہے۔“

حدیث میں ہے:

”نہی عن الذبیحة ان تفرس۔“

ابراہیم حربی نے غریب الحدیث میں فرس کی تفسیر یوں کی ہے کہ جانور کو اس طرح ذبح کیا جائے کہ چھری نخاع تک پہنچ جائے۔ نخاع حرام مغز کو کہتے ہیں جو گردن اور پیٹھ

کی گریوں میں دنبالہ کی مانند واقع ہے یہ اس لیے مکروہ ہے کہ اس میں بلا فائدہ تعذیب ہے۔

زکاة اور نحر:

”جو شکار مانوس ہو تو اس کا زکاة ذبح سے جائز ہے اور جو پائے وحشی ہوں ان کی زکاة نیزہ مارنا اور زخمی کرنا ہے۔ اونٹ میں نحر کرنا مستحب ہے اور اگر ذبح کرے تو یہ بھی جائز ہے۔ گائے اور بکری میں ذبح کرنا ہے مستحب ہے اور اگر ان کو نحر کیا تو یہ بھی جائز ہے اور مکروہ ہے۔“

اس سلسلے میں اصل یہ ہے کہ زکاة کی دو قسمیں ہیں۔ اختیاری اور اضطراری۔ اختیاری پر قدرت ہوتے ہوئے اضطراری جائز نہیں۔ اختیاری سرسینہ اور دونوں جڑوں کے درمیان ہوتی ہے اور اضطراری نیزہ مارنا، زخمی کرنا خون بہانا ہے۔

مردہ بچہ:

☆: ”جس نے اونٹنی یا گائے یا بکری ذبح کی اور اس کے پیٹ میں مردہ بچہ پایا تو وہ بچہ نہ کھایا جائے خواہ اس کے بال آگئے ہوں یا نہ آئے ہوں۔“

بکری وغیرہ ذبح کی گئی اس کے پیٹ میں سے بچہ نکلا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بچہ ماں کے تابع ہو کر حلال نہ ہوگا بلکہ اس کو علیحدہ سے ذبح کیا جائے گا۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر اس کی خلقت پوری ہو چکی ہو تو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ حدیث میں ہے:

”ذکاة الجنین ذکاة امہ“

نیز بچہ ماں کا جزء ہوتا ہے۔ حقیقتاً! بھی بچہ ماں کا جزء ہوتا ہے اور حکماً بھی۔ حقیقتاً اس طرح کہ وہ اس کے ساتھ متصل ہوتا، اس کی غذا سے غذا پاتا، اس کے سانس سے سانس لیتا ہے۔ حکماً اس لیے کہ ماں کی بیج میں بچہ داخل اور اس کے آزاد ہونے سے آزاد ہو جاتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بچہ کی زندگی مستقل زندگی ہے، چنانچہ وہ ماں کے مرنے کے بعد بھی زندہ رہ سکتا ہے۔ نیز غرہ واجب ہونے میں بھی مستقل ہے۔ اس لیے وصیت بھی کی جاسکتی ہے۔ پھر وہ بھی ایک خون دار جانور ہے اور ذبح کا مقصد خون ہی زائل کرنا ہے اور یہ مقصد ماں کے ذبح ہو جانے سے حاصل نہیں ہوتا۔ یہی حدیث سو وہ تشبیہ پر محمول ہے یعنی ذکاۃ جنین ذکاۃ ام کی مانند ہے، وجہ یہ ہے کہ روایت میں لفظ ”ذکاۃ امہ“ مرفوع و منصوب دونوں طرح مروی ہے اور تشبیہ میں رفع نصب سے بھی قوی تر ہے۔ قال الشاعر

وعیناک عیناها وجیدک جیدھا
سوء ان عظم الساق منک دقیق



باب : ۱۳

مریض کی نماز کا بیان

ابتدائیہ

مریض کی نماز کے اہم مسائل

حالت مرض عذر کی حالت ہے۔ اس میں نماز کے احکام بھی بدل جاتے ہیں۔ شریعت کے دیگر احکام پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے۔ نماز چونکہ پانچ وقت ادا کی جاتی ہے اس لیے اس کے احکام کا ذکر ذرا تفصیل سے کیا گیا ہے۔ دین فطرت میں یہ سہولت موجود ہے کہ اگر کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر پڑھ لے۔ بیٹھنے میں تکلیف ہے تو لیٹ کر ادا کرے۔ رکوع و سجود نہیں کر سکتا تو سر کے اشارے سے ان ارکان کو پورا کرے۔ غرض کہ

”لا یكلف الله نفسا الا وسعها۔“ (البقرة ۲: ۲۸۶)

”اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی طاقت کے مطابق ہی تکلیف دیتا ہے۔“

کی عملی تفسیر یہاں دیکھنے میں آتی ہے۔ جس سے اللہ رب العزت کی اپنے بندوں

پر شفقت کا اظہار ہوتا ہے:

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل کا تذکرہ ہے:

- 1: اگر مریض کے لیے کھڑا ہونا مشکل ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے۔
- 2: اگر رکوع اور سجدہ نہ کر سکے تو اشارے سے رکوع و سجود کرے۔
- 3: سجدے کا اشارہ رکوع کے اشارے سے ذرا نیچا ہو۔
- 4: اپنے چہرے تک کسی چیز کو لے جا کر اس پہ سجدہ کرنے کی اجازت نہیں۔
- 5: بیٹھ کر نماز ادا کرنا ممکن نہ ہو تو لیٹ کر ادا کر سکتا ہے۔ لیٹنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ چپ لیٹ جائے اور پاؤں قبلے کی طرف کر لے اور رکوع و سجود سر کے

اشارے سے کرے۔ دوسرے یہ کہ پہلو پر لیٹ جائے اور سر کے اشارے سے رکوع وسجود کرے۔

6: اگر سر کے اشارے سے بھی ادا نہ کر سکے تو نماز کو مؤخر کر دے۔ آنکھوں، ابروؤں اور دل کے اشارے سے نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔

7: اگر کھڑا ہو سکتا ہے لیکن رکوع سجود نہیں کر سکتا تو کھڑا ہونا بھی لازم نہ ہوگا اور بیٹھ کر نماز ادا کرنا جائز ہوگا۔

8: اگر تندرست آدمی نماز کا کچھ حصہ کھڑے ہو کر ادا کر چکے پھر اسے کوئی بیماری لاحق ہو جائے تو نماز کو بیٹھ کر مکمل کرے۔ رکوع اور سجدہ کر سکے تو کرے، ورنہ! اشارے سے ادا کرے۔ اگر بیٹھنا ممکن نہ ہو تو لیٹ کر نماز مکمل کرے۔

9: ایک مریض بیٹھ کر نماز ادا کر رہا تھا لیکن نماز کے اندر ہی تندرست ہو گیا تو کھڑے ہو کر باقی نماز کی پہلی نماز پر بناء کرے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ پوری نماز دوبارہ پڑھے۔

10: اگر نماز کا کچھ حصہ اشارے سے ادا کیا پھر رکوع وسجود کرنا ممکن ہو گیا تو اس صورت میں ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین سب کے نزدیک نماز دوبارہ پڑھے۔

11: اگر پانچ نمازیں یا اس سے کم بے ہوشی کی حالت میں گزر گئیں تو تندرست ہو کر اُن کی قضا کرے۔

12: اگر پانچ نمازوں سے زیادہ بیہوشی رہی تو اُن کی قضا ضروری نہیں۔



صلوٰۃ المریض کا بیان

”واذا تعذر على المريض القيام صلى قاعداً يركع ويسجد فان لم يستطع الركوع والسجود اومى ايماءً وجعل السجود اخفض من الركوع ولا يرفع الي وجهه شيئاً يسجد عليه فان لم يستطع القعود استلقى صلى قفاه وجعل رجليه الى القبلة و اومى بالركوع السجود وان اضطجع على جنبه ووجهه الى القبلة واومى جاز فان لم يستطع الايماء براسه آخر الصلوة ولا يومى بعينه ولا بحاجبيه ولا بقلبه فان قدر على القيام ولم يقدر على الركوع والسجود لم يلزمه القيام وجاز ان يصلى قاعداً يومى ايماءً فان صلى الصحيح بعض صلاته قائماً ثم حدث به مرض اتمها قاعداً يركع ويسجد ويومى ايماءً ان لم يستطع الركوع والسجود او مستلقياً ان لم يستطع القعود و من صلى قاعداً يركع ويسجد لمرض ثم صحّ بنى على صلواته قائماً عند ابي حنيفة و ابي يوسف وقال محمد استأنف الصلوة فان صلى بعض صلاته بايماء ثم قدر على الركوع والسجود استأنف الصلوة و من اغمى عليه خمس صلوات فما دونها قضاها اذا صح وان فاتته بالاغماء اكثر من ذلك لم يقضى۔“

”اگر کسی بیمار آدمی کے لیے نماز میں کھڑا ہونا مشکل ہو تو وہ بیٹھ کر نماز پڑھے اور رکوع و سجدے کرے۔ پس اگر وہ رکوع اور سجدوں کی طاقت بھی نہ رکھتا ہو تو اشاروں سے رکوع اور سجدے کرے، سجدے کو رکوع سے زیادہ پست

کرے اور کسی چیز کو اٹھا کر اپنے چہرے تک بلند نہ کرے کہ گویا وہ اس پر سجدہ کر رہا ہے۔ پس اگر وہ بیٹھنے کی طاقت بھی نہ رکھتا ہو تو پشت کے بل لیٹ جائے اور اپنے دونوں پاؤں قبلہ رخ کرے اور رکوع و سجود اشارے سے کرے۔ اگر اپنے پہلو پر لیٹ جائے یوں کہ اس کا چہرہ قبلہ کی طرف ہو اور اشارے سے رکوع کرے تو یہ بھی جائز ہے۔ پس اگر اپنے سر کے ساتھ اشارہ کرنے کی طاقت بھی نہ رکھتا ہو تو نماز کو موخر کر دے۔ آنکھوں، ابروؤں یا دل کے ساتھ اشارہ کر کے نماز نہ پڑھے۔ پس اگر کھڑے ہونے کی طاقت تو رکھتا ہو لیکن رکوع اور سجدے نہ کر سکتا ہو تو اس کے لیے کھڑا ہونا ضروری نہیں بلکہ وہ بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھ لے تو یہ جائز ہے۔ پس اگر صحت مند آدمی نے اپنی نماز کھڑے ہو کر پڑھنا شروع کی، پھر اس کو کوئی بیماری لاحق ہوگئی، تو وہ بیٹھ کر اُسے پورا کرے۔ رکوع و سجدے کرے اور اشارے سے رکوع و سجود کرے۔ اگر رکوع و سجود کی طاقت نہ رکھتا ہو تو لیٹ کر پڑھے۔ اگر کسی شخص نے کسی بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر رکوع و سجود کے ساتھ نماز پڑھی پھر وہ صحت مند ہو گیا تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک کھڑے ہو کر اپنی نماز پوری کرے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ از سر نو نماز ادا کرے۔ اگر اُس نے کچھ نماز اشاروں سے پڑھی پھر وہ رکوع اور سجدوں پر قادر ہو گیا تو نئے سرے سے نماز پڑھے۔ جس پر پانچ نمازوں کے وقت تک بیہوشی طاری رہی یا اس سے کم عرصے تک تو صحت مند ہونے کے بعد اسے قضا کر کے پڑھے اور اگر بیہوشی میں پانچ سے زیادہ نمازیں رہ جائیں تو پھر ان کی قضا نہ کرے۔“

مفردات:

تعذر: مشکل ہوگیا۔

اخفض: زیادہ پست۔ زیادہ نیچے۔

استلقى علی قفا: چت لیٹنا۔

قفا: گدی۔ گردن کا پچھلا حصہ۔

اضطجع: لیٹ جائے۔

جنبہ: اپنے پہلو کے بل۔

اخر: موخر کر دے۔ دیر کر دے۔

حاجبہ: یہ حاجب کی تثنیہ ہے۔ اصل میں حاجبین تھانوں اضافت کی وجہ سے

گر گیا ہے۔ اس کے معنی ابرو اور بھویں ہیں ۱۱۱۱

قدر: طاقت رکھے۔

مستلقیا: لیٹنے والا۔ لیٹ کر۔

صح: تندرست ہو گیا۔

أغمی علیہ: بیہوشی طاری ہو گئی۔

مادونہا: جو اس سے کم ہے۔

لم یقض: نہ قضا کرے۔

مسائل ودلائل

اگر کھڑا ہونا اور بیٹھنا مشکل ہو:

☆: ”اگر کسی بیمار آدمی کے لیے نماز میں کھڑا ہونا مشکل ہو تو وہ بیٹھ کر نماز

پڑھے اور رکوع و سجدے کرے۔ پس اگر وہ بیٹھنے کی طاقت بھی نہ رکھتا ہو تو پشت کے بل

لیٹ جائے اور اپنے دونوں پاؤں قبلہ رخ کرے اور رکوع و سجود اشارے سے کرے۔

اگر اپنے پہلو پر لیٹ جائے یوں کہ اس کا چہرہ قبلہ کی طرف ہو اور اشارے سے رکوع

کرے تو یہ بھی جائز ہے۔ پس اگر کھڑے ہونے کی طاقت تو رکھتا ہو لیکن رکوع اور

سجدے نہ کر سکتا ہو تو اس کے لیے کھڑا ہونا ضروری نہیں بلکہ وہ بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھ لے تو یہ بھی جائز ہے۔“

بخاری سنہ میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے بو اسیر کی شکایت تھی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے نماز کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر پڑھ لو۔“

سنن نسائی میں یہ اضافہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”اگر طاقت نہ ہو تو چپ لیٹ کر پڑھو کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے

بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔“

(اصح البخاری) (سنن ابی داؤد) (سنن ترمذی) (سنن نسائی)

سجدے کے لیے کوئی چیز اٹھانا:

☆: ”پس اگر وہ رکوع اور سجدوں کی طاقت بھی نہ رکھتا ہو تو اشاروں سے رکوع اور سجدے کرے، سجدے کو رکوع سے زیادہ پست کرے اور کسی چیز کو اٹھا کر اپنے چہرے تک بلند نہ کرے کہ گویا وہ اس پر سجدہ کر رہا ہے۔“

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک بیمار کی عیادت کے لیے گئے تو اُسے تکیے پر نماز پڑھتے دیکھا۔ حضور ﷺ نے تکیے لے کر دور پھینک دیا تو اُس آدمی نے ایک لکڑی پکڑ لی تاکہ اس پر سجدہ کرے۔ آپ ﷺ نے وہ لکڑی بھی لے کر دور پھینک دی اور ساتھ ہی فرمایا:

”صلی علی الارض ان استطعت والافاومنی ایماء واجعل

سجودك اخفض من رکوعك۔“

”اگر طاقت ہو تو زمین پر نماز پڑھو ورنہ اشارے سے پڑھو اور سجدہ رکوع سے

زیادہ پست کرو۔“

جب اشارہ بھی نہ کر سکے:

☆: ”پس اگر اپنے سر کے ساتھ اشارہ کرنے کی طاقت بھی نہ رکھتا ہو تو

نماز کو مؤخر کر دے۔ آنکھوں، ابروؤں یا دل کے ساتھ اشارہ کر کے نماز نہ پڑھے۔“

اشارہ سے پڑھنے کی طاقت نہ ہو تو نماز مؤخر کر دینا چاہئے۔ نماز اس وقت تک

ساقط نہیں ہوتی جب تک ہوش قائم رہے۔ ہوش کے قائم رہنے تک نماز کی فرضیت قائم رہتی ہے۔ بیہوشی کی صورت میں نماز کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔

نماز کے دوران بیماری اور تندرستی کی صورت:

☆: ”پس اگر صحت مند آدمی نے اپنی نماز کھڑے ہو کر پڑھنا شروع کی

پھر اس کو کوئی بیماری لاحق ہو گئی ہو تو وہ بیٹھ کر اُسے پورا کرے۔ رکوع و سجدے کرے اور

اشارے سے رکوع و سجود کرے۔ اگر رکوع و سجود کی طاقت نہ رکھتا ہو تو لیٹ کر پڑھے۔

اگر کسی شخص نے کسی بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر رکوع و سجود کے ساتھ نماز پڑھی پھر وہ صحت

مند ہو گیا تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک کھڑے ہو کر اپنی نماز

پوری کرے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ از سر نو نماز ادا کرے۔ اگر اُس نے کچھ

نماز اشاروں سے پڑھی پھر وہ رکوع اور سجدوں پر قادر ہو گیا تو نئے سرے سے نماز

پڑھے۔“

دوران نماز بیمار ہونے کی صورت میں قیام کی بجائے بیٹھ کر یا رکوع و سجود کی جگہ

اشارے سے نماز کو پورا کرنا بالاتفاق جائز ہے کیونکہ اعلیٰ پر ادنیٰ کی بناء جائز ہے۔

اختلاف اس صورت میں ہے کہ بیٹھ کر نماز شروع کی اور دوران نماز کھڑے

ہونے کی قدرت حاصل ہو گئی تو کیا پہلی حالت پر بناء کر سکتا ہے یا از سر نو شروع کرنا

ہوگا؟

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ دوبارہ لوٹانے کے قائل ہیں جبکہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور

ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نماز جاری رکھنے اور پہلی پر بناء کرنے کے قائل ہیں۔
تیسری صورت یہ ہے کہ اشارے سے نماز پڑھنا شروع کی لیکن نماز ہی میں
تندرست ہو گیا تو آیا وہ بناء کر سکتا ہے یا نہیں؟ تو سب کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز دوبارہ
لوٹانی ہوگی کیونکہ اشارہ کسی چیز کا قائم مقام نہیں جبکہ قعود قیام کا قائم مقام ہے۔ اس لیے
اب پہلی پر بناء کرنا جائز نہ ہوگا۔

بے ہوشی کی حالت میں:

☆: ”جس پر پانچ نمازوں کے وقت تک بیہوشی طاری رہی یا اس سے کم
عرصہ تک تو صحت مند ہونے کے بعد اسے قضا کر کے پڑھے اور اگر بیہوشی میں پانچ سے
زیادہ نمازیں رہ جائیں تو پھر ان کی قضا نہ کرے۔“

بیہوشی کی حالت میں اگر پانچ نمازیں یا اس سے کم مثلاً ایک یا دو نمازیں قضا ہو
جائیں یا پانچ سے زیادہ قضا ہوں تو امام مالک اور شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ان کی
کوئی قضا نہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جس قدر بھی نمازیں بیہوشی کی حالت میں
رہ جائیں ان کی قضا لازم ہے۔ احناف کے مسلک میں پانچ تک قضا ضروری ہے۔
زیادہ ہوں تو قضا لازم نہیں۔ احناف کی دلیل حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا عمل
ہے کہ ان پر ظہر سے لے کر عشاء تک بے ہوشی طاری رہی۔ آپ نے تندرست ہو کر
یہ نمازیں قضا کیں۔

(سنن دارقطنی (سنن بیہقی)



باب: ۱۴

صلوة المسافر كما بيان

ابتدائیہ

مسافر کی نماز کا بیان

سفر کا مفہوم:

سفر وطن سے دوری اور گھر سے نکلنے کا نام ہے۔ سفر میں وہ سہولتیں اور آسائشیں نہیں ہو سکتیں جن کا انسان گھر میں عادی ہوتا ہے۔ سفر کے مصائب کے پیش نظر شریعت نے کئی احکام میں تخفیف کر دی ہے کیونکہ اسلام دین فطرت ہے اور اپنے احکام فطرت انسانیہ پر ہی ترتیب دیتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

”لایکلف اللہ نفساً الا وسعها“ (البقرة ۲: ۲۸۶)

”اللہ تعالیٰ کسی آدمی کو اس کی طاقت سے زیادہ شرعی احکام کا پابند نہیں کرتا۔“

سو یہی وجہ ہے کہ سفر کی حالت میں نماز کی رکعتیں کم کر دی گئی ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”یا ایہا الذین امنوا اذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان

تقصروا من الصلوٰۃ“ (النساء ۴: ۱۰۱)

”اے ایمان والو! جب تم سفر اختیار کرو تو تم پر کوئی گرفت نہیں کہ تم نماز میں

قصر کرو۔“

قصر کا وجوب:

اس میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ نماز قصر کرنی چاہئے لیکن قصر کے واجب یا مستحب ہونے میں اختلاف ہے۔ اور اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ اگر پوری نماز

پڑھے تو جائز ہوگی یا نہیں؟

چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قصر کی اجازت ہے، یہ مستحب ہے لیکن یہ ضروری و لازمی نہیں ہے۔ اسی لیے ان کے نزدیک اگر قصر کی تو بھی جائز ہے اور اگر پوری نماز پڑھی تو بھی جائز ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قصر کو واجب کہتے ہیں اور سفر کی حالت میں پوری نماز پڑھنا ان کے مسلک میں جائز نہیں۔ دلائل امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں۔ چنانچہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

”صدقة تصدق الله بها عليكم فاقبلوا صدقته۔“

”یہ (قصر) ایک صدقہ ہے جو اللہ نے تم پر کیا ہے۔ پس اس کا صدقہ قبول کر لو۔“

اس حدیث میں فرمایا:

”اللہ کا صدقہ قبول کرو۔“

یہ حکم ہے اور حکم وجوب کا فائدہ دیتا ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے:

”اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے ذریعے تم پر نماز فرض کی، حضر میں چار رکعتیں اور سفر میں دو رکعت۔“

اس سے معلوم ہوا کہ سفر میں اصل فرض ہی دو رکعت ہوئی ہیں۔ پس اس پر اضافہ ناجائز ہوگا۔

سفر کی مسافت میں ائمہ کا مسلک:

احناف کے نزدیک جس مسافت یا فاصلے کو سفر کا نام دیا جاسکتا ہے وہ تین دن کا درمیانی رفتار کا سفر ہے۔ جس میں نہ زیادہ تیزی ہو نہ زیادہ تاخیر۔ راتیں اس میں شامل

نہیں کیونکہ راتیں آرام کے لیے ہوتی ہیں۔ 16 فرسنگ یا 40 میل کا سفر شرعی لحاظ سے سفر شمار ہوگا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو دن اور ایک رات دن کا سفر قصر کرنے کے لیے کافی ہے۔

ٹھہرنے کی مدت:

مسافر جب کسی جگہ ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو بھی حالت سفر کے احکام بدل جاتے ہیں۔ احناف نے ٹھہرنے کی مدت 15 روز مقرر کی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اگر چار دن ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو مقیم سمجھا جائے گا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اتنی مدت ٹھہرنے کا ارادہ ہو جس میں بیس نمازیں ادا کرنی پڑیں تو مقیم تصور کیا جائے گا۔

اس باب کے اہم مسائل:

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل بیان ہوئے ہیں:

1: جس سفر سے احکام شرعیہ میں تبدیلی واقع ہوتی ہے اس کا فاصلہ تین دن اونٹ کی رفتار سے یا انسان کے پیدل چلنے کا اندازہ ہے اور اس میں پانی کا سفر معتبر نہیں۔

2: احناف کے نزدیک چار رکعت والی نماز میں قصر نماز دو رکعت فرض ہے۔ اس سے زیادہ جائز نہیں۔

3: اگر چار رکعت پڑھ لے اور درمیان میں دوسری رکعت پر قعدہ کیا تھا تو دو رکعت فرض اور باقی دو نفل براہو گئیں۔

4: اگر دوسری رکعت پر قعدہ نہیں کیا تو اس کی فرض نماز باطل ہوگئی اور چاروں رکعتیں نفل میں تبدیل ہو گئیں۔

5: جب مسافر اپنے شہر کے گھروں سے آگے بڑھ جائے تو نماز قصر پڑھے۔

6: جب کسی جگہ پندرہ روز یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو پوری نماز پڑھے۔

- 7: اگر کسی مقام پر پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ نہ ہو بلکہ یہ خیال ہو کہ آج یا کل چلا جاؤں گا تو دو رکعت ہی پڑھے، اگرچہ وہاں سالوں تک مقیم رہے۔
- 8: اگر اسلامی فوج دشمن کی سرزمین میں داخل ہو کر یہ نیت کرے کہ پندرہ دن ٹھہریں گے تو بھی وہ نماز قصر کریں۔
- 9: مسافر مقتدی مقیم امام کے پیچھے پوری نماز پڑھے۔
- 10: اگر امام فوت شدہ نماز پڑھا رہا ہو اور مسافر اس کی اقتداء میں وقتی نماز پڑھنا چاہے تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔
- 11: جب مسافر مقیم لوگوں کی امامت کرائے تو دو رکعت پڑھائے اور مقیم لوگ اپنی نماز چار رکعت پوری کریں۔ مستحب یہ ہے کہ انہیں کہہ دے:
- ”اپنی نماز پوری کرو۔ ہم مسافر ہیں۔“
- 12: مسافر جب اپنے شہر میں داخل ہو تو پوری نماز پڑھے اگرچہ ٹھہرنے کی نیت نہ ہو۔
- 13: جب کوئی شخص اپنے وطن کو چھوڑ کر کسی دوسرے شہر میں جا بے پھر جب پہلے وطن کا سفر کرے تو نماز قصر کرے۔
- 14: مسافر اگر مکہ اور منیٰ میں پندرہ دن قیام کی نیت کرے تو بھی نماز قصر سے پڑھے گا۔
- 15: مسافر دو نمازیں عملاً تو اکٹھی پڑھ سکتا ہے لیکن وقتاً کٹھی نہیں پڑھ سکتا۔
- 16: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھنا ہر حالت میں جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک بلا عذر جائز نہیں۔
- 17: سفر کی فوت شدہ نماز حضر میں دو رکعت اور حضر کی فوت شدہ نماز سفر میں چار رکعت ہی پڑھی جائے گی۔
- 18: گناہ کی خاطر سفر کرنے والا اطاعت گزار مسافر کی مانند ہے یعنی نماز قصر کرنے کی رخصت دونوں کے لیے برابر ہے۔

مسافر کے نماز کے احکام

”السفر الذي يتغيرى به الاحكام هو ان يقصد الانسان موقعا بينه وبين المقصد مسيرة ثلاثة ايام بسير الابل ومشى الاقدام ولا يعتبر في ذلك بالسير في الماء وفرض المسافر عندنا في كل صلوة رباعية ركعتان ولا تجوز له الزيادة عليها فان صلى اربعا وقد قعد في الثانية مقدار التشهد اجزأته ان يقول لهم اتموا صلواتكم فانا قوم سفر واذا دخل المسافر مصره اتم الصلوة وان لم ينو الاقامة فيه ومن كان له وطن فانتقل عنه واستوطن غيره ثم سافر فدخل وطنه الاول لم يتم الصلوة واذا نوى المسافر ان يقيم بمكة ومنى خمسة الركعتان عن فرضه وكانت الاخرى ان له نافلة وان لم يقعد في الثانية مقدار التشهد في الركعتين الاوليين بطلت صلواته و تخولت صلواته نفلا ومن خرج مسافرا صلى ركعتين اذا فارق بيوت المصر ولا يزال على حكم المسافر حتى ينوي الاقامة في بلدة خمسة عشر يوما فصاعد ايلزمه الاتمام فان نوى الاقامة اقل من ذلك لم يتم ومن دخل ولم ينو ان يقيم فيه خمسة عشر يوما وانما يقول غدا اخرج او بعد غدا اخرج حتى بقى على ذلك سنين صلى ركعتين واذا دخل العسكر في ارض الحرب فنوا الاقامة خمسة عشر يوما لم يتموا الصلوة واذا دخل المسافر في صلوة المقيم مع بقاء الوقت اتم الصلوة وان دخل معه في فائتة لم تجز صلواته خلفه واذا صلى المسافر بالمقيمين صلى ركعتين وسلم

ثم اتم المقيمون صلواتهم و يستحب له اذا سلم عشريوما لم يتم
الصلوة و الجمع بين الصلوتين للمسافر يجوز فعلا ولا يجوز
وقتا وتجاوز الصلوة في سفينة قاعدا على كل حال عند ابي حنيفة
وعندهما لا تجوز الا بعدد ومن فاتته صلوة في السفر قضاها في
الحضر كعتين ومن فاتته صلوة في الحضر قضاها في السفر اربعا
والعاصي والمطيع في السفر في الرخصة سواء۔“

”وہ سفر جس سے احکام شریعت بدل جاتے ہیں یہ ہے کہ انسان ایسی جگہ
جانے کا ارادہ کرے کہ اس کے اور اس کی منزل مقصود کے درمیان تین دن
کی مسافت ہو، اونٹ کی رفتار یا پیدل چلنے کے لحاظ سے اور اس بارے میں
پانی کے سفر کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ ہمارے نزدیک مسافر کے لیے فرض ہر
چار رکعت والی نماز میں دو رکعت ہی ہیں اور اس سے زیادہ پڑھنا اس کے
لیے جائز نہیں۔ اگر مسافر چار رکعتوں والی نماز کی امامت کرائے اور
دو رکعتوں کے بعد تشہد کی مقدار بیٹھ چکا ہو تو سلام پھیرے اور مقتدیوں
سے کہہ دے کہ تم لوگ اپنی نماز پوری کر لو کیونکہ ہم لوگ سفر کی حالت میں
ہیں۔ جب مسافر اپنے شہر میں داخل ہو تو پوری نماز پڑھے خواہ اس نے وہاں
ٹھہرنے کی نیت نہ کی ہو۔ جس شخص کا کوئی ایک وطن تھا اور اس نے وہاں
سے نقل مکانی کر لی اور کسی اور جگہ کو اپنا وطن بنا لیا۔ پھر اس نے سفر کیا اور
اپنے پہلے وطن میں داخل ہوا تو وہ پوری نماز نہ پڑھے۔ جب مسافر مکہ یا منی
کے مقام پر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرے تو دو رکعتیں اس کے فرض کی
حیثیت سے کفایت کریں گی اور دوسری دو رکعتیں اس کے لیے نفل بن
جائیں گی اور اگر دو رکعتوں کے بعد تشہد کی مقدار نہ بیٹھا ہو تو اس کی فرض نماز
باطل ہو جائے گی اور اس کی نماز نفل میں بدل گئی۔ جو شخص مسافر کی حیثیت

سے نکلے تو جو نہی اپنے شہر کے گھروں (آبادی) سے روانہ ہو اسی وقت نماز دوگانہ ہی پڑھے اور وہ مسافر کی حیثیت میں ہی رہے گا یہاں تک کہ وہ کسی شہر میں 15 دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرے۔ اس صورت میں اس پر پوری نماز پڑھنا لازم ہے اور اگر اس سے کم عرصہ کے لیے نیت کرے تو پوری نماز نہ پڑھے اور جو شخص کسی مقام پر داخل ہو اور پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہیں کی بلکہ یہ کہتا رہے کہ میں کل یا پرسوں روانہ ہو جاؤں گا حتیٰ کہ اس بے یقینی کی کیفیت میں کئی سال اس جگہ ٹھہرا رہا تو وہ نماز دوگانہ ہی پڑھے گا۔ جب کوئی لشکر دار الحرب میں داخل ہو اور لشکر والے پندرہ یوم قیام کی نیت کر لیں تو پوری نماز نہ پڑھیں۔ جب مسافر کسی مقیم کی نماز میں شرکت کرے اور نماز کا وقت ابھی باقی ہو تو پوری نماز پڑھے اور اگر وہ اس کے ساتھ کسی فوت شدہ نماز میں شرکت کرے تو اس کو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ اگر کوئی مسافر مقامی لوگوں کو نماز پڑھائے تو وہ دور کعتیں پڑھے اور سلام پھیر دے۔ پھر مقامی لوگ اپنی اپنی نماز پوری کر لیں۔ مسافروں کو دو نمازوں کو جمع کرنا فعلاً جائز ہے لیکن وقتاً جائز نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کشتی میں نماز ہر حالت میں بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک بغیر کسی عذر کے ایسا کرنا جائز نہیں۔ جس شخص کی سفر کی حالت میں کوئی نماز فوت ہو جائے وہ اسے مقیم ہو کر دو رکعتیں ہی پڑھے گا اور جس شخص کی مقیم ہو کر نماز فوت ہوگئی ہو تو وہ سفر کی حالت میں چار رکعت قضا کرے۔ سفر میں رخصت کے بارے میں گناہگار اور اطاعت گزار دونوں برابر ہیں۔“

مفردات:

یتغیر بدل جاتا ہے۔

يقصد: ارادہ کرتا ہے۔

موضعا: جگہ۔

مسيرة: مسافت۔ فاصلہ۔

سير الابل: اونٹ کی رفتار۔

مشى: پیدل چلنا۔

لايعتبر: اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

رباعية: چار رکعت والی نماز۔

فارق: جدا ہوا۔ دور ہوا۔

بيوت: مزید۔ اس سے زیادہ۔

العسكر: لشکر۔ فوج۔

الحرب: جنگ۔ لڑائی۔

انتقل: نقل مکانی کر گیا۔

استوطن: وطن بنا لیا۔ بس گیا۔

سفينة: کشتی۔ جہاز۔

العاصي: نافرمان۔ مراد ہے جس کا سفر کسی ناجائز کام کے لیے ہو۔

• مطيع: اطاعت گزار۔

سواء: برابر۔ یکساں۔

مسائل ودلائل

احکام شریعت میں تغیر کرنے والا سفر:

☆: ”وہ سفر جس سے احکام شریعت بدل جاتے ہیں یہ ہے کہ انسان ایسی جگہ جانے کا ارادہ کرے اس کے اور اس کی منزل مقصود کے درمیان تین دن کی مسافت

ہواونٹ کی رفتار یا پیدل چلنے کے لحاظ سے۔“

سفر کی وجہ سے جن شرعی احکام میں تبدیلی واقع ہوتی ہے وہ یہ ہیں:

1: رمضان میں روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے۔

2: چار رکعت نماز دو رکعت ہو جاتی ہے۔

3: موزوں پر مسح کی مدت تین رات ہو جاتی ہے۔

4: جمعہ اور عیدین کی نماز لازم نہیں رہتی۔

5: عورت تین دن کا سفر بغیر محرم کے نہیں کر سکتی۔

احناف کے نزدیک جس سفر سے شرعی احکام بدل جاتے ہیں اس کی مسافت کا

اندازہ تین دن کے پیدل چلنے یا اونٹ کی درمیانہ رفتار سے لگایا جاتا ہے۔ اگر سفر اس

سے کم ہو تو قصر کی اجازت نہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے سند صحیح کے ساتھ کتاب الآثار

میں علی بن ربیع سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے

پوچھا کہ کتنی مسافت پر قصر کرنا چاہئے۔ انہوں نے فرمایا:

”تم سویدانامی مقام کو جانتے ہو؟“

علی بن ربیع نے کہا:

”میں نے یہ جگہ نہیں دیکھی۔“

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

”وہ تین دن رات کی مسافت پر ہے۔ جب ہم اس جگہ کا قصد کریں گے

تو نماز قصر کریں گے۔“

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ بھی قول ہے کہ عورت محرم کے بغیر تین دن کی

مسافت کا سفر نہیں کر سکتی۔

صحیح مسلم، سنن نسائی، سنن ابی داؤد، مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور کئی دوسری کتب

حدیث میں صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ موزوں پر مسح کی مدت مقیم کے لیے ایک

دن رات اور مسافر کے لیے تین دن رات ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں:
 ”جعل رسول اللہ ﷺ ثلاثة ايام وليا ليهن للمسافر ويوما وليلة
 للمقيم۔“

”رسول اللہ ﷺ نے مسافر کے لیے موزوں پر مسح کی مدت تین دن رات
 اور مقيم کے لیے ایک دن رات مقرر کی۔“

ان تمام آثار و احادیث سے احناف نے یہ اندازہ کیا ہے کہ تین دن کا معتدل
 رفتار سے سفر ہی شرعی حیثیت سے معتبر سفر ہے جس پر شریعت نے احکام کی بنیاد رکھی
 ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے
 نزدیک دو دن یا ایک دن رات کی مسافت کو سفر کہتے ہیں۔

خشکی، بحری اور فضائی سفر:

☆: ”سفر میں پانی کے سفر کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔“

خشکی کے سفر کو بحری اور فضائی سفر پر قیاس نہ کیا جائے گا بلکہ ہر نوعیت کے سفر کا
 الگ الگ حساب لگایا جائے گا۔ مثال کے طور پر کوئی شخص اپنے گھر سے کسی دوسرے
 مقام کی طرف جا رہا ہے جہاں خشکی کے راستے تین دن میں سمندر کے راستے دو دن میں
 اور فضائی سفر کے ذریعے ایک دن میں پہنچ سکتے ہیں تو علمائے احناف کے نزدیک صرف
 خشکی کے سفر میں ہی قصر کیا جائے گا اور باقی سفروں میں نہیں۔ اس عبارت سے
 دو چیزیں مراد ہو سکتی ہیں۔ پہلی یہ کہ علمائے احناف مسافت سفر کا اندازہ اس کی طوالت یا
 پیمائش سے نہیں بلکہ سفر میں صرف ہونے والے وقت سے لگاتے ہیں۔ اگر یہ صحیح
 ہو تو پھر عورت سفر حج بغیر محرم کے بھی کر سکتی ہے کیونکہ آج کل سفر حج میں چند گھنٹے لگتے
 ہیں دن نہیں لگتے اور عورت کو تو تین دن کا سفر بغیر محرم کے منع ہے گھنٹوں کا نہیں۔

اس عبارت سے ایک دوسری مراد بھی ہے جو مشہور و معروف ہے۔ وہ یہ کہ سفر کی

پیمائش کے حساب سے احکام مرتب ہوں گے۔ مثلاً پیدل چلنے والا آدمی تین دن میں 92 یا 95 کلومیٹر سفر کر لیتا ہے اور یہی سفر گاڑی پر ایک ڈیڑھ گھنٹے میں ہو جاتا ہے اور یہی سفر جہاز پر چند منٹوں میں جو جاتا ہے، لہذا صحیح بات یہی ہے کہ سفر کی پیمائش معتبر ہے اور یہی علماء کے ہاں مشہور و معروف ہے۔ کیونکہ علماء سفر حج کے لیے عورت کو محرم کے بغیر جانے کی اجازت نہیں دیتے اگر پیمائش کا حساب نہ ہوتا بلکہ وقت کا حساب ہوتا تو پھر علماء عورت کو بغیر محرم کے سفر حج کی اجازت دیتے کیونکہ جہاز تو چند گھنٹوں میں سفر طے کر لیتا ہے۔

قصر کا وجوب:

☆: ”ہمارے نزدیک مسافر کے لیے فرض ہر چار رکعت والی نماز میں دو رکعت ہی ہیں اور اس سے زیادہ پڑھنا اس کے لیے جائز نہیں۔“

سفر میں نماز قصر کر کے پڑھنا احناف کے نزدیک واجب ہے یعنی اگر قصر نہ کرے تو نماز جائز نہ ہوگی لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ رخصت ہے۔ ان کے نزدیک مسافر چار رکعت پڑھے تو بھی جائز ہے اور قصر کر کے دو رکعت پڑھے تو بھی جائز ہے۔

احناف کی دلیل صحیح بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور صحیح مسلم کی یہ حدیث ہے:

”صحبت رسول اللہ ﷺ فكان لا يزيد في السفر على ركعتين

وابابكر وعمر وعثمان كذا لك۔“

”میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا۔ آپ ﷺ سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ

نہیں پڑھتے تھے۔ اسی طرح ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم بھی

سفر میں دو رکعت پڑھتے تھے۔“

صحیح مسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے ارشاد فرمایا ہے:

”صدقة فصدق الله بها عليكم فاقبلوا صدقته۔“

”یہ قصر ایک صدقہ ہے جو اللہ نے تم پر کیا ہے، پس اس کا صدقہ قبول کرو۔“

صحیح مسلم ہی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے:

”فرض الله الصلوة على لسان نبيكم في الحضر اربعا وفي السفر

ر كعتين۔“

”اللہ نے تم پر نبی ﷺ کی زبان پر حضر میں چار رکعتیں اور سفر میں دو رکعتیں

فرض کی ہیں۔“

رسول اللہ ﷺ کا ہمیشہ کا عمل اور خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا دائمی عمل اس بات کا

ثبوت ہے کہ قصد کرنا سفر میں واجب ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان کہ:

”اللہ کا صدقہ قبول کر لو۔“

یہ امر ہے اور امر و جوہ کو ثابت کرتا ہے۔ پھر یہ کہ سفر کی نماز فرض ہی دو رکعت

ہوئی تھی۔ لہذا اس پر اضافہ غیر مشروع ہوگا۔

سفر میں قیام کی مدت:

☆: وہ مسافر کی حیثیت میں ہی رہے گا یہاں تک کہ وہ کسی شہر میں 15 دن

یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرے۔ اس صورت میں اس پر پوری نماز پڑھنا لازم

ہے اور اگر اس سے کم عرصہ کے لیے نیت کرے تو پوری نماز نہ پڑھے۔

مسافر جب کسی مقام پر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرے گا تو اسے پوری

نماز ادا کرنا پڑھے گی۔ اس سے کم مدت کے لیے اقامت کی صورت میں قصر کرے۔ یہ

احناف کا مسلک ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چار دن کے قیام کی

نیت سے بھی مقیم سمجھا جائے گا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر اتنے دن قیام کی

نیت کرے جس میں بیس یا اس سے زائد نمازیں ادا کرنا پڑیں تو مقیم ہوگا۔

مدت اقامت کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے کوئی صحیح حدیث منقول نہیں۔ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں پندرہ اور بعض روایات کے مطابق 19 دن تک رہے لیکن قصر کرتے رہے کیونکہ حالات ایسے تھے کہ قیام غیر یقینی تھا۔ احناف نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل کو دلیل بنایا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اُن سے نقل کیا ہے کہ جب وہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کر لیتے تو نماز پوری پڑھا کرتے تھے۔

فوج اور غیر یقینی قیام کے احکام:

☆: ”اور جو شخص کسی مقام پر داخل ہو اور پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہیں کی بلکہ یہ کہتا رہے کہ میں کل یا پرسوں روانہ ہو جاؤں گا۔ حتیٰ کہ اس بے یقینی کی کیفیت میں کئی سال اس جگہ ٹھہرا رہا تو وہ نماز دوگانہ ہی پڑھے گا۔ جب کوئی لشکر دارالحرب میں داخل ہو اور لشکر والے پندرہ یوم قیام کی نیت کر لیں تو پوری نماز نہ پڑھیں۔“

دارالحرب میں مسلمان فوج اگر پندرہ دن سے زائد ٹھہرنے کی نیت بھی کرے تو بھی نماز قصر پڑھیں گے۔ اسی طرح اگر حالات غیر یقینی ہوں اور آدمی یہ خیال کرے کہ کل چلا جاؤں گا یا پرسوں۔ چاہے کئی سال تک یہی کیفیت رہے تو نماز قصر پڑھی جائے گی۔ چنانچہ سنن نسائی اور مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما چھ ماہ تک آذربائیجان میں مقیم رہے کیونکہ برفباری نے اسے بند کر دیئے تھے، اس لیے معلوم نہیں تھا کہ کب جائیں گے۔ آپ کا قیام کیونکہ غیر یقینی تھا اس لیے آپ اس تمام عرصے میں قصر نماز پڑھتے رہے۔

غزوہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ نے بیس دن قیام کیا لیکن نماز قصر ادا فرمائی کیونکہ قیام غیر یقینی تھا۔

مسافر کی مقیم امام کے پیچھے نماز:

☆: ”جب مسافر مکہ یا منیٰ کے مقام پر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرے تو

دور کعتیں اس کے فرض کی حیثیت سے کفایت کریں گی اور دوسری دور کعتیں اس کے لیے نفل بن جائیں گی۔ جب مسافر کسی مقیم کی نماز میں شرکت کرے اور نماز کا وقت ابھی باقی ہو تو پوری نماز پڑھے۔“

مکہ اور منیٰ میں بھی قصر کرے اور اگر مسافر مقیم امام کے پیچھے مسافر مقتدی پوری نماز پڑھے۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطاء میں نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ حج کے موقع پر مکہ میں امام کے پیچھے پوری نماز پڑھتے۔ اکیلے پڑھتے تو دو رکعت پڑھتے تھے۔

فوت شدہ نماز:

☆: ”اور اگر وہ اس کے ساتھ کسی فوت شدہ نماز میں شرکت کرے تو اس کو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔“

مقیم امام کے پیچھے مسافر مقتدی فوت شدہ نماز ادا کرنا چاہئے تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔ چنانچہ دونوں نمازوں کی نوعیت مختلف ہونے کی وجہ سے مقتدی کی نماز باطل ہوگی۔

اپنے شہر میں پوری نماز:

☆: ”جب مسافر اپنے شہر میں داخل ہو تو پوری نماز پڑھے خواہ اس نے وہاں ٹھہرنے کی نیت نہ کی ہو۔ جس شخص کا کوئی ایک وطن تھا اور اس نے وہاں سے نقل مکانی کر لی اور کسی اور جگہ کو اپنا وطن بنا لیا۔ پھر اس نے سفر کیا اور اپنے پہلے وطن میں داخل ہوا تو وہ پوری نماز نہ پڑھے۔“

مسافر جب سفر سے واپس اپنے شہر میں داخل ہو جائے تو اسے پوری نماز ادا کرنا ہوگی۔ اگرچہ وہاں قیام کا ارادہ نہ بھی ہو کیونکہ وطن واپسی کے ساتھ ہی احکام سفر معطل ہو جاتے ہیں، پھر قیام کا سوال تو ہے ہی خارج از بحث ہے۔ کیونکہ یہ تو اس کا اپنا شہر ہے اس میں قیام کی نیت چہ منیٰ دارد؟

چنانچہ صحیحین میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”خرجنا مع النبی ﷺ من المدينة إلى مكة فكان يصلي ركعت

حتى رجعت إلى المدينة۔“

کم اقمتم بمكة قال اقماعشرا۔“

”ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ مدینہ سے مکہ کی طرف نکلے تو آپ ﷺ

دو رکعتیں نماز پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم مدینہ لوٹ آئے۔“

آپ سے پوچھا گیا:

”کم اقمتم بمكة“

”آپ نے مکے میں کتنے دن قیام کیا؟“

تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”اقماعشرا“

”دس دن۔“

اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ اگر کوئی آدمی ایک وطن کو چھوڑ کر دوسرا وطن اختیار کرے پھر پہلے وطن میں جانے سے بھی مسافر شمار ہوگا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں جو آپ کا پہلا وطن تھا نماز میں قصر کیا۔

جمع بین الصلوٰتین کا حکم:

☆: ”مسافروں کو دو نمازوں کو جمع کرنا فعلاً جائز ہے لیکن وقتاً جائز نہیں۔“

جمع بین الصلوٰتین یعنی دو نمازوں کو اکٹھے ادا کرنا دو صورتوں میں ہو سکتا ہے۔ ایک

یہ کہ دونوں نمازوں کو ایک ہی نماز کے وقت میں ادا کیا جائے۔ مثلاً ظہر کو عصر کے وقت

میں یا عشاء کو مغرب کے وقت میں اکٹھے ادا کیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ پہلی

نماز کو اس کے اخیر وقت میں پڑھا جائے اور دوسری نماز کو اول وقت میں مثلاً! ظہر کو اس

کے اخیر وقت میں پڑھا جائے اور ساتھ ہی عصر کو اس کے ابتدائی وقت میں ادا کر لیا جائے

احناف کے نزدیک دوسری صورت جائز ہے اور پہلی صورت جائز نہیں۔ باقی تینوں امام پہلی صورت کو بھی جائز قرار دیتے ہیں۔

چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”کان رسول اللہ ﷺ اذا ارتحل قبل ان تریح الشمس اخر الظهر

الی وقت العصر ثم نزل نجم بینہما۔“

”جب رسول اللہ ﷺ سورج کے ڈھلنے سے پہلے کسی سفر پر روانہ ہوتے

تو ظہر کو عصر تک مؤخر کر دیتے پھر اتر پڑتے اور دونوں نمازوں کو اکٹھے ادا

فرماتے (اس طرح کہ ظہر کو ظہر کے آخری وقت میں اور عصر کو اس کے ابتدائی

وقت میں)۔“

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جمع صورت ہوتی تھی حقیقت میں دونوں نمازیں

اپنے اپنے وقت میں ادا کی جاتی تھیں۔

صحیح مسلم کی ایک روایت کے الفاظ بھی مندرجہ بالا حدیث کی تائید کرتے ہیں:

”کان رسول اللہ ﷺ اذا اراد ان یجمع بین الصلوتین فی السفر

اخر الظهر۔“

”سفر میں جب رسول اللہ ﷺ دو نمازوں کو جمع کرنے کا ارادہ رکھتے تو ظہر کو

مؤخر کر دیتے۔“

ان دونوں حدیثوں سے زیادہ واضح الفاظ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

کی حدیث ہیں۔ جسے بخاری، مسلم، ابوداؤد اور طحاوی رحمۃ اللہ علیہم نے روایت کیا

ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”رایت رسول اللہ ﷺ صلی صلوٰۃ لغير وقتها صلوٰۃ الصبح من

الغد لغير وقتها۔“

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو کوئی نماز اُس کے وقت کے علاوہ پڑھتے نہیں دیکھا سوائے حج کے موقع کے۔ آپ ﷺ نے حج پر ہی مغرب اور عشاء کو ایک ہی وقت میں ادا فرمایا اور اگلے دن صبح کی نماز بھی بغیر وقت کے ادا فرمائی۔“

اس سے معلوم ہوا کہ حج کے علاوہ کوئی بھی نماز وقت کے علاوہ جائز نہیں۔

کشتی میں نماز ادا کرنا:

☆: ”امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کشتی میں نماز ہر حالت میں بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک بغیر کسی عذر کے ایسا کرنا جائز نہیں۔“

کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بلا عذر بھی جائز ہے مگر صاحبین بلا عذر اس کے جواز کے قائل نہیں۔ چنانچہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ہم نے کشتی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھ کر نماز ادا کی۔ اگر ہم چاہتے تو ساحل پر بھی ادا کر سکتے تھے۔“

نماز قصر کرنے کے لیے سفر کا مقصد معتبر نہیں:

☆: ”سفر میں رخصت کے بارے میں گناہگار اور اطاعت گزار دونوں برابر ہیں۔“

سفر جس مقصد کی خاطر بھی ہو اس پر بہر حال سفر کے احکام لاگو ہوں گے۔ چاہے وہ مقصد گناہ ہو یا ثواب۔ نماز میں قصر اور موزوں پر تین دن رات تک مسح کرنے کی اجازت ہوگی۔ یہ احناف کے نزدیک ہے کیونکہ سفر کے متعلق آیات و احادیث بلا قید وارد ہوتی ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

”فمن كان منكم مريضا او على سفر فعدة من ايام اخر“ (البقرة ۲)

(۱۸۴ :

”پس اگر کوئی شخص مریض یا مسافر ہو تو دوسرے دنوں میں روزہ رکھے۔“
 اس میں کوئی ایسی شرط نہیں کہ گناہ کی خاطر سفر میں شریعت کے احکام نافذ نہیں ہوں گے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قصر صرف اسی سفر میں کیا جائے جس کا مقصد جائز ہو۔ اگر سفر گناہ کے لیے ہو تو نماز میں قصر نہیں کی جائے گی مثلاً چوری کی غرض سے سفر اختیار کیا ہو تو قصر ادا نہیں کی جاسکتی۔



باب : ۱۵

صلوة الخوف كا بيان

ابتدائیہ

مسائل نماز خوف

خاصہ نبوت یا عام حکم:

نماز خوف اُس حالت میں نماز ادا کرنے کو کہتے ہیں۔ جب کفار اور مشرکین کی طرف سے حملے کا حقیقی خطرہ ہو اور اسلامی فوج ایک ہی امام کے پیچھے نماز ادا کرنے کی خواہشمند ہو۔ جمہور علماء کے نزدیک نماز خوف کا حکم رسول اللہ ﷺ کے وفات پا جانے کے بعد بھی باقی ہے۔

احناف میں سے صرف امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور شافعیہ میں سے امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ اس بات کے قائل ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے بعد اس نماز کا حکم باقی نہیں رہا کیونکہ قرآن مجید میں صلوٰۃ الخوف کے بارے میں جو آیت ہے اس میں ہے:

”وإذا كنت فيهم“ (النساء ۴: ۱۰۲)

”جب اے نبی! آپ ان میں موجود ہوں۔“

ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نماز کا حکم آپ ﷺ کی موجودگی سے وابستہ تھا۔ دوسرے یہ کہ رسول اکرم ﷺ کی ذات ہی وہ واحد ہستی تھی جس کی اقتداء میں نماز پڑھنا ہر مسلمان کی تمنا تھی۔ آپ ﷺ کے بعد تو کوئی امام ایسا نہیں جس کے بغیر مسلمان نماز ادا کرنے سے گریز کریں۔

جمہور علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ:

”وإذا كنت فيهم“ (النساء ۴: ۱۰۲)

کی قید محض اتفاقی ہے جیسا کہ سفر کی نماز میں ”ان خفتم“ کے الفاظ آئے ہیں۔
خوف نہ بھی ہو تب بھی سفر کی نماز قصر کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔

قرآن مجید میں صلوٰۃ الخوف کا تذکرہ:

بہر حال نماز خوف دو حصوں میں ادا کرنا کوئی فرض یا واجب تو ہے نہیں بلکہ یہ تو محض دشمن کے مقابلے کی حالت میں نماز ادا کرنے کی ایک صورت ہے۔ یہ محض ایک رخصت ہے جس سے خوف کی حالت میں آسانی سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔
قرآن مجید میں نماز خوف کا تذکرہ سورۃ نساء میں ہے:

”وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ وَلِيَا
خُدُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَسْجُدُوا وَرَأْتُمْ طَائِفَةَ أُخْرَى
لَمْ يَصَلُوا مَعَكَ“

”اے نبی! جب آپ ان میں موجود ہوں پھر آپ ان کے لیے نماز قائم کرنا
چاہیں تو ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ نماز قائم کرے اور چاہیے کہ وہ
اپنے ہتھیار اپنے پاس رکھیں۔ جب سجدہ کر لیں تو آپ کے پیچھے چلے جائیں
پھر دوسرا گروہ آئے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی تھی تو پھر وہ آپ کے ساتھ نماز
ادا کرے۔“

(القرآن المجید، سورۃ النساء، آیت نمبر 102)

سولہ طریقے:

قرآن مجید میں تو نماز خوف کی صورت اجمال سے بیان کی گئی ہے۔ تفصیل رسول
اللہ ﷺ کے عمل سے معلوم ہوئی ہے۔ آپ ﷺ نے یہ نماز کئی طریقوں سے ادا فرمائی
ہے۔ علماء نے 16 طریقے گنوائے ہیں۔ یہ سب طریقے جائز ہیں۔

صلوٰۃ الخوف کے چار مواقع:

رسول اکرم ﷺ نے چار مواقع پر صلوٰۃ خوف ادا فرمائی ہے:

- 1: غزوه ذات الرقاع۔
2: غزوه بطن نخلہ۔
3: غزوه غسفان۔
4: غزوه ذی قرد۔

چھ طریقے:

حضرت جابر، ابن عمر، ابن عباس اور ابن خثیمہ رضی اللہ عنہم نے ادائیگی کی مختلف صورتیں ذکر کی ہیں۔ سب روایتوں کے ملانے سے کل چھ طریقے سامنے آتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان میں سے جس طریقے پر بھی نماز خوف ادا کی جائے درست ہے۔

مسئلہ سفر و حضر:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں صلوٰۃ خوف صرف سفر کی حالت میں ادا کی جاسکتی ہے۔ احناف کے ہاں سفر اور حضر دونوں میں ادا کرنا جائز ہے۔

افضل ترین دو طریقے:

احناف کے نزدیک دو طریقوں سے نماز خوف ادا کرنا سب سے افضل ہے۔
پہلا طریقہ: پہلا طریقہ یہ ہے کہ امام خوف کے وقت دو فریق بنائے۔ ایک فریق دشمن کے مقابلے میں رہے جبکہ دوسرا فریق امام کے پیچھے نماز ادا کرے۔ ایک رکعت پڑھنے کے بعد جب سجدے سے سر اٹھائے تو بغیر سلام پھیرے دشمن کے مقابل چلا جائے۔ اب دوسرا فریق آئے اور امام کے پیچھے نماز پڑھے۔ انہیں ایک رکعت پڑھانے کے بعد امام سلام پھیر دے اور یہ مقتدی فوراً دشمن کے سامنے چلے جائیں۔ اب پہلا گروہ آکر اپنی نماز پوری کرے اور چلا جائے۔ آخر میں دوسرا گروہ آئے اور اپنی نماز مکمل کرے۔
یہ صورت ترتیب کے لحاظ سے بہت عمدہ ہے کیونکہ اس میں پہلے امام پھر پہلا گروہ اور پھر دوسرا گروہ نماز مکمل کرتا ہے لیکن اس میں آنا جانا بہت ہے۔
دوسرا طریقہ: دوسری صورت یہ ہے کہ دوسرا گروہ جب امام کے پیچھے آئے تو امام کے

سلام پھیرنے کے بعد اپنی دوسری رکعت اکیلے مکمل کرے۔ بعد میں پہلا گروہ آئے اور دوسری رکعت پڑھ کر سلام پھیرے۔ اس صورت میں آمدورفت کم ہے لیکن ترتیب ختم ہوگئی ہے کہ دوسرا گروہ پہلے گروہ سے قبل نماز ختم کر لیتا ہے۔

اس باب کے اہم مسائل:

امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے جو مسائل بیان کئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

- 1: جب خوف شدید ہو تو امام لوگوں کو دو گروہوں میں بانٹ دے۔ ایک کا رخ دشمن کی طرف ہو جبکہ دوسرا امام کے پیچھے ہو۔ اس گروہ کو ایک رکعت دو سجدوں کے ساتھ پڑھائے۔ جب سجدہ سے سر اٹھائے تو یہ طائفہ دشمن کی طرف چلا جائے اور دوسرا گروہ آجائے۔ اُسے بھی ایک رکعت دو سجدوں کے ساتھ پڑھائے، امام تشہد پڑھ کر سلام پھیر دے لیکن مقتدی سلام نہ پھیریں بلکہ دشمن کے سامنے چلے جائیں۔ اب پہلا گروہ آئے اور ایک رکعت بغیر قرأت کے پڑھیں، تشہد پڑھیں، سلام پھیریں اور دشمن کی طرف چلے جائیں۔ اب دوسرا گروہ آئے اور ایک رکعت قرأت کے ساتھ پڑھیں، التحیات پڑھیں اور سلام پھیریں۔
- 2: اگر مقیم ہوں یعنی سفر میں نہ ہوں تو پہلے گروہ کو دو رکعتیں اور دوسرے کو بھی دو رکعتیں پڑھائے۔
- 3: مغرب کی نماز ہو تو پہلے گروہ کو دو رکعت اور دوسرے کو ایک رکعت پڑھائے۔
- 4: نماز کی حالت میں دشمن سے جنگ نہ شروع کر دیں۔ اگر ایسا کریں گے تو ان کی نماز ختم ہو جائے گی۔
- 5: اگر دشمن کے حملے کا شدید خطرہ ہو تو اکیلے پیادہ یا سواری پر ہی نماز ادا کر لیں اور رکوع و سجود اشارے سے کریں۔ اگر قبلہ کی طرف رخ کرنے کی قدرت نہ ہو تو جس طرف چاہیں منہ کر سکتے ہیں۔

نماز خوف کا بیان

”اذا اشتد الخوف جعل الامام الناس طائفتين طائفة الى وجه العدو وطائفة خلفه فيصلى بهذه الطائفة ركعة وسجدتين فاذا رفع رأسه من السجدة الثانية مضت هذه الطائفة الى وجه العدو وجاءت تلك الطائفة فيصلى بهم الامام ركعة وسجدتين وتشهد وسلم ولم يسلموا وذهبوا الى وجه العدو وجاءت الطائفة الاولى فصلوا وحدانا ركعة وسجدتين بغير قراءة وتشهدوا وسلموا ومضوا الى وجه العدو وجاءت الطائفة الاخرى وصلوا ركعة وسجدتين بقراءة وتشهدوا وسلموا فان كان مقيما صلى بالطائفة الاولى ركعتين وبالثانية ركعتين ويصلى بالطائفة الاولى ركعتين من المغرب وبالثانية ركعة ولا يقاتلون في حال الصلوة فان فعلوا ذلك بطلت صلواتهم وان اشتد الخوف صلوا ركبانا وحدانا يؤمون بالركوع والسجود الى ابي جهة شأوا اذالم يقدر واعلى التوجه الى القبلة۔“

”جب خوف زیادہ ہو جائے تو امام لوگوں کو دو حصوں میں تقسیم کرے ایک گروہ دشمن کے سامنے ہو اور دوسرا امام کے پیچھے ہو۔ پھر امام اپنے پیچھے والے گروہ کو ایک رکعت اور دو سجدے کی امامت کرائے، جب دوسرے سجدے سے سر اٹھائے تو یہ گروہ دشمن کے سامنے چلا جائے اور دوسرا گروہ آجائے۔ پھر امام ان کو ایک رکعت اور دو سجدوں کی امامت کرائے اور تشہد بیٹھے اور سلام کہے لیکن وہ گروہ سلام نہ کہے اور دشمن کے سامنے چلا جائے۔ پھر پہلا گروہ

واپس آئے، اکیلے اکیلے ایک رکعت بغیر قرأت کے، دو سجدے کے ساتھ پڑھے، تشهد بیٹھے، لام کہہ دے اور پھر دشمن کے سامنے چلا جائے۔ پھر دوسرا گروہ آئے اور اپنی اپنی ایک رکعت قرأت کے ساتھ اور دو سجدوں کے ساتھ پڑھے اور تشهد بیٹھے اور سلام کہہ دے۔ اگر امام مقامی ہو تو پہلے گروہ کو بھی دو رکعتیں پڑھائے اور دوسرے گروہ کو بھی اور مغرب کی نماز میں پہلے گروہ کو دو رکعتیں اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت پڑھائے۔ حالت نماز میں جنگ نہ کریں۔ اگر ایسا کیا تو ان کی نماز باطل ہوگئی۔ خوف مزید شدید ہو جائے تو اپنی اپنی سواری پر ہی اکیلے اکیلے رکوع اور سجود اشاروں سے کرتے ہوئے نماز پڑھ لیں اور جس طرف بھی ان کا رخ ہو نماز صحیح ہوگی بشرطیکہ قبلہ رخ رہنا ان کے بس میں نہ رہے۔“

مفردات:

اشتد: شدید ہو جائے۔ زیادہ ہو جائے۔

جعل: کرے۔ بنائے۔

طائفة: گروہ۔ ٹکڑی۔

مضت: گزر جائے۔ چلی جائے۔

ذهبوا: چلے جائیں۔

وحدانا: اکیلے اکیلے۔

مقيما: اسم فاعل ہے اقام یقیم سے بمعنی ٹھہرنے والا۔ مراد وہ شخص ہے جو اپنے وطن

میں قیام پذیر ہو۔ اس کی ضد مسافر ہے۔

لا یقاتلون: لڑائی نہ کریں۔

رکبانا: یہ راکب کی جمع ہے۔ معنی ہے سوار ہو کر۔

جهة: سمت۔

لم یقدروا: نہ قدرت رکھیں۔ نہ طاقت ہو۔

دلائل واحکام

نماز خوف ایک امام کی اقتداء میں:

☆: ”جب خوف زیادہ ہو جائے تو امام لوگوں کو دو حصوں میں تقسیم کرے، ایک گروہ دشمن کے سامنے ہو اور دوسرا امام کے پیچھے ہو۔ پھر امام اپنے پیچھے والے گروہ کو ایک رکعت اور دو سجدے کی امامت کرائے، جب دوسرے سجدے سے سر اٹھائے تو یہ گروہ دشمن کے سامنے چلا جائے اور دوسرا گروہ آجائے۔ پھر امام ان کو ایک رکعت اور دو سجدوں کی امامت کرائے اور تشہد بیٹھے اور سلام کہے لیکن وہ گروہ سلام نہ کہے اور دشمن کے سامنے چلا جائے۔ پھر پہلا گروہ واپس آئے، اکیلے اکیلے ایک رکعت بغیر قرأت کے، دو سجدے کے ساتھ پڑھے، تشہد بیٹھے، سلام کہہ دے اور پھر دشمن کے سامنے چلا جائے۔ پھر دوسرا گروہ آئے اور اپنی اپنی ایک رکعت قرأت کے ساتھ اور دو سجدوں کے ساتھ پڑھے اور تشہد بیٹھے اور سلام کہہ دے۔ اگر امام مقامی ہو تو پہلے گروہ کو بھی دو رکعتیں پڑھائے اور دوسرے گروہ کو بھی اور مغرب کی نماز میں پہلے گروہ کو دو رکعتیں اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت پڑھائے۔“

اس سے مراد یہ ہے کہ دشمن کے حملے کا قوی امکان ہو اور ہر وقت یہ کھٹکا لگا ہو کہ دشمن ابھی حملہ آور ہو چاہتا ہے تو اس حالت میں نماز اس طرح ادا کی جائے کہ اسلامی فوج کی چوکی میں فرق نہ آئے۔ اگر خوف حقیقی نہ ہو تو پھر نماز خوف کی ضرورت نہیں ہے۔ درندوں کے خوف، آگ کے خوف یا طوفان کے خوف کی صورت میں بھی نماز خوف ادا کی جاسکتی ہے۔

صلوٰۃ الخوف کی مندرجہ بالا صورت اسی وقت پیش آئے گی جب تمام لوگ ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنے پر اصرار کریں۔ اگر یہ صورت نہ ہو تو دو یا اس سے زیادہ گروہ الگ الگ امام کی اقتداء میں نماز ادا کریں۔ یہی صورت افضل ہے۔

(فتح القدیر)

صلوٰۃ الخوف کی جو صورت امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہے اس کو ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے ذکر کیا ہے اور اس کی تائید حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے بھی ہوتی ہے جسے صحاح ستہ ہی میں بیان کیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حالت سفر میں صلوٰۃ خوف دو رکعت پڑھائی ہے۔ چنانچہ سنن ابی داؤد میں حضرت ابی بکرہؓ سے جو روایت ذکر کی گئی ہے اس میں واضح طور پر نماز ظہر اور ہر گروہ کو دو دو رکعت پڑھانے کا ذکر ہے۔

(سنن ابی داؤد، صفحہ نمبر 184)

جنگ خندق میں رسول اللہ ﷺ کی چار نمازیں قضا ہو گئی تھیں لیکن آپ ﷺ نے اس موقع پر صلوٰۃ الخوف نہیں پڑھائی تو اس کے متعلق حافظ دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے تحقیق کی ہے کہ اس وقت تک صلوٰۃ الخوف کے احکام نازل ہی نہ ہوئے تھے اس لیے رسول اکرم ﷺ نے وہ نمازیں بعد میں ادا فرمائیں۔

شدتِ خوف کے وقت نماز پڑھنے کی کیفیت:

☆: ”حالت نماز میں جنگ نہ کریں۔ اگر ایسا کیا تو ان کی نماز باطل ہوگی۔ خوف مزید شدید ہو جائے تو اپنی اپنی سواری پر ہی اکیلے اکیلے رکوع اور سجود اشاروں سے کرتے ہوئے نماز پڑھ لیں اور جس طرف بھی ان کا رخ ہو نماز صحیح ہوگی بشرطیکہ قبلہ رخ رہنا ان کے بس میں نہ رہے۔“

حالت نماز میں قتال جائز نہیں ورنہ نماز باطل ہو جائے گی۔ لڑائی ہو رہی ہو تو قرآن مجید میں اس کے متعلق دوسرے احکام موجود ہیں کہ پیادہ اور سوار ہو کر اکیلے اکیلے نماز پڑھنا چاہئے۔ اس صورت میں رکوع اور سجدہ بھی اشارے سے کیا جاتا ہے اور قبلہ کی طرف رخ کرنے کی پابندی نہیں رہتی بلکہ جس طرف رخ ہو جائے نماز درست ہوگی۔

باب: ۱۶

سجودِ سهو کا بیان

سجدہ سہو کا بیان

سہو کا مفہوم:

سہولغت میں ”مطلق غفلت“ کو کہتے ہیں۔ اس کی ضد حمد ہے۔ شریعت میں سہو نماز کے اندر کی بھول چوک کو کہا جاتا ہے۔ اس میں خطاء یعنی غلطی اور نسیان (بھول جانا) دونوں شامل ہیں۔

سجدہ سہو کے بارے میں مختلف فقہی آراء:

حنفیہ کے نزدیک اگر واجب رکن کو ادا کرنا بھول جائے یا فرض رکن کے ادا کر۔ میں دیر کر دے تو اس کی تلافی سجود سہو سے ہو جاتی ہے۔ اگر سنت ترک کر دے تو سجدہ واجب نہیں ہوتا اور نماز ہو جاتی ہے۔ فرض کے بھول جانے کی صورت میں نماز ہی باطل ہو جاتی ہے۔ احناف کے نزدیک سجدہ سہو واجب ہے۔ امام احمد کا مسلک بھی یہی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کمی کی صورت میں اسے واجب اور زیادتی کی صورت میں مسنون سمجھتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سجدہ سہو کو صرف سنت قرار دیتے ہیں۔

اہم مسائل:

امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں یہ مسائل بیان کیے ہیں:

- 1: سجود سہو نماز میں کمی زیادتی کی صورت میں واجب ہیں۔
- 2: آخری التحیات میں سلام کے بعد دو سجدے کرے پھر التحیات شروع سے پڑھے اور سلام پھیر دے۔

- 3: سجدہ اس وقت لازم ہو جاتا ہے جب نماز میں کسی ایسے عمل کا اضافہ کر دیا جائے جو جنس نماز میں سے ہونے کے باوجود اس کا حصہ نہ ہو یا کوئی مسنون فعل ترک کر دے یا قرآۃ فاتحہ چھوڑ دے یا قنوت، تشهد، عیدین کی تکبیریں چھوڑ دے یا

امام جہری نماز میں آہستہ اور سری نماز میں بلند آواز سے قرأت کرے۔

4: امام کی بھول مقتدی پر سجود سہو واجب کر دیتی ہے۔

5: اگر امام سجود سہو نہ کرے تو مقتدی بھی نہ کرے۔

6: اگر مقتدی سے بھول ہو جائے تو امام اور مقتدی دونوں پر سجدہ سہو لازم نہیں۔

7: جو شخص قعدہ اول بھول جائے پھر اُسے اس وقت یاد آئے جب وہ بیٹھنے کی

حالت کے زیادہ قریب ہے تو بیٹھ جائے اور تشہد پڑھے لیکن اگر وہ قیام کی

حالت کے زیادہ قریب ہے تو نہ بیٹھے اور بعد میں سجود سہو کرے۔

8: اگر آخری قعدہ بھلا بیٹھا ہے اور پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو چکا ہے تو جب

تک سجدہ نہیں کیا تو قعدہ کی طرف رجوع کرے بعد میں سجود سہو کرے اور

پانچویں رکعت کو ضائع تصور کرے۔

9: اگر اسی صورت میں پانچویں رکعت کا سجدہ کر بیٹھا ہے تو اس کی فرض نماز باطل

ہوگئی اور ساری نماز نفل میں تبدیل ہوگئی۔ اب اُسے چاہئے کہ چھٹی رکعت بھی

ملا لے۔

10: اگر چھٹی رکعت پر قعدہ کر لیا، پھر اسے پہلا قعدہ خیال کرتے ہوئے کھڑا ہو گیا

تو جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہیں کیا واپس قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور

سجود سہو کرے۔

11: اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو چھٹی رکعت اس کے ساتھ ملا دے۔ آخری

دو رکعت نفل ہو جائیں گی اور اس کی نماز (چار رکعت) مکمل ہو جائے گی۔

12: جو آدمی شک میں مبتلا ہو جائے اور یہ نہ معلوم ہو کہ تین رکعت ادا کر چکا ہے یا

چار اور یہ صورت پہلی مرتبہ پیش آئی ہو تو نماز از سر نو پڑھے۔

13: اگر اُسے اکثر ایسا واقعہ پیش آتا رہتا ہے تو گنا غالب پر بناء کرے۔ مثلاً تین

اور چار میں شک پڑ گیا ہے تو تین رکعت یقینی ہیں اسی پر بناء کرے گا۔



سجود السهو كما بيان

”سجود السهو واجب في الزيادة والنقصان بعد السلام يسجد
سجدتين ثم يتشهد ويسلم ويلزمه سجود السهو اذا زاد في صلواته
فعلاً من جنسها ليس منها اترك فعلاً مسنوناً اترك قراءة
فاتحة الكتاب او القنوت والتشهد او تكبيرات العيدين
او جهر الامام فيما يخافت او خافت فيما يجهر وسهو الامام يوجب
على المؤتم السجود فان لم يسجد الامام لم يسجد المؤتم فان
سهى المؤتم لم يلزم الامام ولا المؤتم السجود ومن سهى عن
القعدة الاولى ثم تذكر وهو الى حال القعود اقرب عاد فجلس
وتشهد وان كان الى حال القيام اقرب لم يعد ويسجد للسهو وان
سهى عن القعدة الاخيرة فقام الى الخامسة رجع الى القعدة مالم
يسجد و الغى الخامسة وسجد للسهو وان قيّد الخامسة بسجدة
بطل فرضه وتحولت صلواته نفلاً وكان عليه ان يضم اليها ركعة
سادسة وان قعد في الرابعة ثم قام ولم يسلم بظنها قعدة الاولى
عاد الى القعود مالم يسجد للخامسة و سلم وسجد للسهو وان
قيّد الخامسة بسجدة ضم اليها ركعة اخرى وقعد تمت صلواته
والركعتان نافلة ومن شك في صلواته فلم يدر ثلاثاً صلى ام اربعا
وذلك اول ما عرض له استأنف الصلوة فان كان يعرض له كثيراً
بنى على غالب ظنه ان كان له ظن وان لم يكن له ظن بنى على
اليقين-“

”نماز میں کمی یا زیادتی کی صورت میں سلام کے بعد سجود سہو واجب ہیں۔ نمازی دو سجدے کرے پھر تشهد کہے اور سلام پھیرے۔ نمازی پر سجود سہو اس وقت لازم ہوتے ہیں جب وہ اپنی نماز میں کسی ایسے فعل کا اضافہ کر دے جو اس کی جنس میں سے نہیں یا کوئی مسنون فعل چھوڑا جائے یا سورۃ الفاتحہ یا وتروں میں دعائے قنوت یا تشهد یا عیدین کی تکبیریں چھوڑ جائے یا امام ان نمازوں میں اونچا پڑھ دے جن میں پست پڑھنا تھا یا ان نمازوں میں پست پڑھے جن میں اونچا پڑھنا تھا۔ امام کی بھول مقتدی پر بھی سجدہ سہو لازم کر دیتی ہے۔ پس اگر امام سجدہ نہ کرے تو مقتدی بھی سجدہ نہ کرے، پس اگر مقتدی بھول جائے تو امام اور مقتدی دونوں پر سجدہ لازم نہیں آتا اور جو شخص پہلے تشهد میں بیٹھنا بھول جائے پھر اسے یاد آ جائے تو اگر وہ بیٹھنے کی حالت کے زیادہ قریب تھا تو وہ لوٹ جائے اور بیٹھ کر تشهد پڑھے اور اگر وہ کھڑا ہونے کی حالت کے زیادہ قریب تھا تو نہ لوٹے اور بعد میں سجدہ سہو ادا کرے۔ اگر آخری تشهد میں بیٹھنا بھول جائے اور پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے تو پانچویں رکعت کے سجدے سے پہلے لوٹ جائے اور تشهد کے لیے بیٹھ جائے اور پانچویں رکعت ضائع کر کے سجدہ سہو ادا کرے اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کر چکا ہو تو اس کی نماز بحیثیت فرض کے باطل ہوگئی اور نفل میں تبدیل ہوگئی، اب اس پر لازم ہے کہ وہ ساتھ چھٹی رکعت پڑھے۔ اگر چوتھی رکعت کے بعد تشهد بیٹھے اور اسے پہلا قعدہ گمان کرتے ہوئے سلام نہ پھیرے بلکہ کھڑا ہو جائے تو پانچویں رکعت کے سجدہ سے پہلے لوٹ آئے اور سلام کہہ کر سجدہ سہو ادا کرے لیکن اگر اس نے پانچویں رکعت کا سجدہ بھی ادا کر دیا تو پھر اس کے ساتھ ایک اور رکعت ملائے اور تشهد بیٹھے اس کی نماز پوری ہوگئی اور بعد کی دو رکعتیں نفل بن گئیں۔ جس شخص کو شک

گزرے اور یاد نہ آئے کہ آیا اس نے تین رکعتیں پڑھیں یا چار اور ایسا اس کے ساتھ پہلی مرتبہ پیش آیا ہو تو وہ نماز نئے سرے سے پڑھے۔ اگر اس کے ساتھ اکثر ایسا ہوتا رہتا ہو تو پھر اپنے غالب ظن کی بنا پر نماز پڑھے، اگر اس کا کوئی گمان ہے اور اگر گمان غالب نہ ہو تو پھر یقین پر نماز کی بنیاد رکھے۔“

مفردات:

السہو سہايسہو: سے مصدر ہے۔ معنی ہے بھول جانا۔

الزیادة: زیادہ ہونا۔

النقصان: کمی۔

يلزومه: اُسے لازم ہوتا ہے یعنی نماز پڑھنے والے کے لیے ضروری ہو جاتا ہے۔

مسنونا: سنت سے ثابت شدہ۔

تذکر: یاد کیا۔ یہ سہو کی ضد ہے۔

اقرب: زیادہ قریب۔

عاد: واپس آئے۔ لوٹ آئے۔

الغی: ضائع کر دے۔ پھینک دے۔

قید: قید کر دے۔ مراد ہے پابند کر دے۔ ملا دے۔

بطل: ختم ہو گیا۔

تحولت: تبدیل ہو گئی۔

یضم: ملا دے۔

بظنہا: اُسے خیال کرتے ہوئے۔

تمت: پوری ہو گئی۔ مکمل ہو گئی۔

عرض: پیش آیا۔

استانت: از سر نو شروع کرے۔ نئے سرے سے پڑھے۔

مسائل ودلائل

سجدہ سہو کا وجوب:

☆: ”نماز میں کمی یا زیادتی کی صورت میں سلام کے بعد سجود سہو واجب ہیں۔ نماز میں کمی یا زیادتی کی صورت میں سلام کے بعد سجود سہو واجب ہیں۔ نمازی دو سجدے کرے پھر تشهد کہے اور سلام پھیرے۔“

سجدہ سہو نماز میں کمی یا زیادتی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ سلام کے بعد دو سجدے کرے۔ پھر تشهد پڑھ کر سلام پھیر دے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے سوا باقی سب اصحاب صحاح نے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں کچھ کمی یا زیادتی کی۔ اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں:

”اذا شك بصدك في صلاة فليتحرك الصواب فليتم عليه ثم يسجد

سجدتين۔“

”جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک پڑ جائے تو صحیح بات کی کوشش کرے اور

اس پر نماز پوری کرے۔ پھر دو سجدے کرے۔“

درمیانی تشهد:

☆: ”جو شخص پہلے تشهد میں بیٹھنا بھول جائے پھر اسے یاد آ جائے تو اگر وہ بیٹھنے کی حالت کے زیادہ قریب تھا تو وہ لوٹ جائے اور بیٹھ کر تشهد پڑھے اور اگر وہ کھڑا ہونے کی حالت کے زیادہ قریب تھا تو نہ لوٹے اور بعد میں سجدہ سہو ادا کرے۔“

صحاح ستہ میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی اور پہلا قعدہ نہ کیا، لوگ بھی آپ ﷺ کے ساتھ تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہو گئے۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ نے نماز مکمل کی اور جب لوگوں کو سلام کا

انتظار تھا تو آپ ﷺ نے تکبیر کہی اور سلام سے پہلے دو سجدے کئے۔“

ایک اور حدیث میں ہے:

”فسجد سجدتین بعد ما سلم۔“

”سلام کے بعد دو سجدے کئے۔“

لیکن ذوالیدین رضی اللہ عنہ کی حدیث جو صحیحین میں ہے وہ سب احادیث سے زیادہ واضح ہے۔ اس میں ہے:

”فسلم ثم سجد سجدتین ثم سلم۔“

(اصح البخاری) (اصح المسلم)

”پھر آپ نے سلام پھیرا، پھر دو سجدے کئے پھر سلام پھیرا۔“

دو سجدے کرنے سے پہلے بھی سلام کہا۔ احناف کا مسلک اسی حدیث کے مطابق ہے۔ اس طرح ان تمام احادیث پر عمل ہو جاتا ہے جن میں سلام سے پہلے اور سلام کے بعد دو سجدوں کا ذکر ہے کیونکہ اس طرح سجدوں سے پہلے بھی سلام اور بعد میں بھی سلام ہے۔

سجدہ سہو کب واجب ہوتا ہے:

☆: ”نماز میں کمی یا زیادتی کی صورت میں سلام کے بعد سجدہ سہو واجب ہیں۔ نمازی دو سجدے کرے پھر تشهد کہے اور سلام پھیرے۔ نمازی پر سجدہ سہو اس وقت لازم ہوتے ہیں جب وہ اپنی نماز میں کسی ایسے فعل کا اضافہ کر دے جو اس کی جنس میں سے نہیں یا کوئی مسنون فعل چھوڑا جائے یا سورۃ الفاتحہ یا وتروں میں دعائے قنوت یا تشهد یا عیدین کی تکبیریں چھوڑ جائے یا امام ان نمازوں میں اونچا پڑھ دے جن میں پست پڑھنا تھا یا ان نمازوں میں پست پڑھے جن میں اونچا پڑھنا تھا۔“

”اذا زاد فی صلوتہ فعلا من جنبہا لیس منہا۔“

”جب زیادہ کرے نماز میں کوئی ایسا فعل جو جنس نماز میں سے تو ہو، لیکن

موجودہ نماز کا حصہ نہ ہو۔“

کیونکہ اگر زیادہ کیا جانے والا فعل جنس نماز سے نہیں ہے تو پھر نماز ہی فاسد ہو جاتی ہے۔ اس میں سجود سہو کا سوال ہی نہیں۔

”او ترک فعلا مسنوناً۔“

”یا مسنون فعل چھوڑ دے۔“

یہاں مسنون سے مراد وہ فعل ہے جو سنت سے ثابت ہو۔ احناف کے نزدیک جو عمل رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے ثابت ہو اور اس پر بہت زیادہ تاکید آئی ہو وہ عمل واجب کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ سنت اور فرض کے درمیان ہے لیکن باقی تمام ائمہ کے نزدیک فرض اور سنت کے درمیان کوئی اور درجہ نہیں ہے۔ چنانچہ مندرجہ بالا عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ واجب کو ترک کرنے سے سجدہ سہو کرنا ہوگا۔

سورہ فاتحہ، دعائے قنوت، تشهد، عیدین کی تکبیریں، جہری نمازوں میں اونچی آواز سے قرأت اور ستری نمازوں میں آہستہ قرأت یہ سب رسول اللہ ﷺ کے دائمی عمل سے ثابت ہیں اور ان کے ترک کے متعلق کوئی روایت موجود نہیں۔ لہذا یہ سب واجب ہیں اور ان کے ترک پر سجود سہو واجب ہوں گے۔

مقتدی پر سجود سہو کا وجوب:

☆: ”امام کی بھول مقتدی پر بھی سجدہ لازم کر دیتی ہے۔ پس اگر امام سجدہ نہ کرے تو مقتدی بھی سجدہ نہ کرے، پس اگر مقتدی بھول جائے تو امام اور مقتدی دونوں پر سجدہ لازم نہیں آتا۔“

امام کے سہو سے مقتدی پر بھی سجدہ واجب ہو جاتا ہے کیونکہ حدیث ہے:

”انما جعل الامام لیو تم بہ۔“

”امام اس لیے ہوتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔“

لہذا مقتدی پر اس کی اطاعت لازم ہے۔ اس کے برعکس مقتدی کے سہو سے کسی پر

سجدہ واجب نہیں کیونکہ اگر امام پر سجدہ واجب تسلیم کیا جائے تو وہ امام نہیں مقتدی بن جائے گا اور مقتدی پر اس لیے واجب نہیں کہ اس نے امام کی متابعت کرنی ہے۔ پس دونوں پر سجدہ سہو واجب نہیں۔

آخر قعدے کے مسائل:

☆: ”اگر آخری تشهد میں بیٹھنا بھول جائے اور پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے تو پانچویں رکعت کے سجدے سے پہلے لوٹ جائے اور تشهد بیٹھ جائے اور پانچویں رکعت ضائع کر کے سجدہ سہو ادا کرے اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کر چکا ہو تو اس کی نماز بحیثیت فرض کے باطل ہوگئی اور نفل میں تبدیل ہوگئی، اب اس پر لازم ہے کہ وہ ساتھ چھٹی رکعت پڑھے۔ اگر چوتھی رکعت کے بعد تشهد بیٹھے اور اسے پہلا قعدہ گمان کرتے ہوئے سلام نہ پھیرے بلکہ کھڑا ہو جائے تو پانچویں رکعت کے سجدہ سے پہلے لوٹ آئے اور سلام کہہ کر سجدہ سہو ادا کرے لیکن اگر اس نے پانچویں رکعت کا سجدہ بھی ادا کر دیا تو پھر اس کے ساتھ ایک اور رکعت ملائے اور تشهد بیٹھے اس کی نماز پوری ہوگئی اور بعد کی دو رکعتیں نفل بن گئیں۔“

آخری قعدہ چونکہ فرض ہے، اگر اُسے چھوڑ کر پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے تو سجدہ نہ کرنے تک قعدہ کی طرف لوٹ جانا چاہئے اور سجدہ سہو کر لینا چاہئے لیکن سجدہ کر لینے کی صورت میں فرض نماز باطل ہوگئی اور پوری نماز نفل میں تبدیل ہوگئی۔

اسی مسئلے کی دوسری صورت یہ ہے کہ آخری قعدہ کرنے کے بعد پانچویں رکعت کے لیے اٹھ گیا تو بھی جب تک سجدہ نہیں کیا واپس قعدہ کی طرف لوٹ جائے۔ البتہ سجدہ کر لینے کے بعد اس کی چار رکعت فرض نماز مکمل ہوگئی اور اس کے بعد والی نماز کو نفل تصور کیا جائے گا۔ اس لیے چاہئے کہ چھٹی رکعت بھی ملا لے تاکہ دو رکعت نفل ادا ہو جائے۔

تعداد رکعت میں شبہ:

☆: ”جس شخص کو شک گزرے اور یاد نہ آئے کہ آیا اس نے تین رکعتیں پڑھیں یا چار اور ایسا اس کے ساتھ پہلی مرتبہ پیش آیا ہو تو وہ نماز نئے سرے سے پڑھے۔ اگر اس کے ساتھ اکثر ایسا ہوتا رہتا ہو تو پھر اپنے غالب ظن کی بنا پر نماز پڑھے، اگر اس کا کوئی گمان ہے اور اگر گمان غالب نہ ہو تو پھر یقین پر نماز کی بنیاد رکھے۔“

جس کو نماز کی رکعت میں شک پڑ جائے اور یہ نہ معلوم ہو سکے کہ چار رکعتیں پڑھ چکا ہے یا تین تو نماز از سر نو پڑھے لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ شک پہلی دفعہ واقع ہوا ہو۔ اگر یہ صورت حال اکثر پیش آتی رہتی ہو تو ظن غالب جس طرف ہو اسی پر عمل کرے ورنہ یقین پر عمل کرے۔

شک اُس صورت کو کہتے ہیں جس میں نفی اور اثبات کے دونوں پہلو برابر ہوں۔ مصنف ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ارشاد نقل ہے:

”الذی لا یدری اصلی ثلاثا ام اربعایعدحتی بحفظ۔“

”جو شخص نہیں جانتا کہ اس نے تین رکعت پڑھی ہیں یا چار رکعت تو وہ نماز لوٹائے یہاں تک کہ اُسے یاد آجائے۔“

دوسری صورت غلبہ ظن کی ہے اور وہ یہ ہے کہ اثبات کا پہلو زیادہ ہو۔ مثلاً مندرجہ بالا صورت میں جھکاؤ چار کی طرف ہو تو چار پر ختم کر دے۔ اگر جھکاؤ تین کی طرف ہو تو چار پوری کرے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے:

”اذا شک فلیتحر الصواب فلیتم علیہ۔“

”جب کسی کو شک پڑ جائے تو درستی تک پہنچنے کی کوشش کرے اور اسی کے

مطابق نماز پوری کرے۔“

تیسری صورت یقین پر عمل کرنے کی ہے اور وہ اس طرح ہوگی کی ایک اور دو میں

شک ہے تو ایک یقینی ہے اور تین اور چار میں شک ہے تو تین یقینی ہے۔

امام مسلم، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے:

”اذا شك احدكم في صلواته فلم يدر كم صلى فليبن على اليقين“

”جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز کے بارے میں شک ہو جائے اور یہ نہ معلوم

ہو کہ کتنی پڑھی ہے تو یقین پر بناء کرے۔“

ترمذی کی روایت اس سے بھی زیادہ واضح ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

”اذا سهى احدكم في صلواته فلم يدر كم واحدة صلى ام اثنين

فليبن على واحدة۔“

”جب تم میں سے کسی کو نماز میں سہو ہو جائے اور یہ پتہ نہ چلے کہ ایک رکعت

پڑھی ہے یا دو رکعت تو ایک رکعت پر بنا کرے۔“

(السنن الترمذی، حدیث نمبر 53)



صلوة الكسوف كإبيان

ابتدائیہ

صلوة الكسوف کا بیان

صاحب قدوری نے نماز عید کے بعد صلوة الكسوف کا ذکر کیا ہے۔ نماز عید کے ساتھ اس باب کی مناسبت یا تو اعتبار اتحاد ہے یا اعتبار تضاد۔ اتحاد سے مراد یہ ہے کہ نماز عید اور نماز کسوف دونوں میں جماعت بلا اذان و بلا تکبیر ہوتی ہے۔ تضاد سے مراد یہ ہے کہ انسان کے دو حال ہیں۔ ایک امن و سرور کا دوسرا اندوہ و خوف کا۔ عید امن و سرور کا موقع ہے اور گرہن خوف و اندوہ کا۔ یا یہ کہ عیدین میں جماعت شرط ہے اور جہر سے پڑھنا واجب ہے بخلاف کسوف کے۔

لغت کے اعتبار سے کسوف سورج گرہن اور خسوف چاند گرہن کو کہتے ہیں:

يقال كسفت الشمس نكسف و كسفها الله كسفا

قال جرير يرثي عمر بن عبدالعزيز

الطمس طالقہ ليست بكا سنة

تبكى عليه نجوم الليل والقرا

لیکن کبھی کبھی دونوں لفظ ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ علامہ علامہ عینی

رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ فقہاء کی عبارات میں کسوف مخصوص بہ آفتاب ہے اور خسوف

مخصوص بہ ماہتاب اور یہی اصح ہے۔



سورج گرہن کی نماز کے اہم مسائل

”اذانکسفت الشمس صلی الامام بالناس رکعتین کھینۃ النافلة فی کل رکعة رکوع واحد ویطول القراءة فیہما ویخفی عند ابی حنیفة وقال ابو یوسف رحمة الله علیه ومحمد رحمة الله علیه یجهر ثم یدعوبعدھا حتی تنجلی الشمس ویصلی بالناس امام الذی یصلی بہم الجمعة فان لم یحضر الامام صلاھا الناس فرادیٰ ولیس فی خسوف القمر جماعة وانما یصلی کل واحد بنفسه ولیس فی الکسوف خطبة۔“

”جب سورج گرہن ہو تو امام لوگوں کو دو رکعتیں نماز نفل کی طرح پڑھائے اور ہر رکعت میں ایک ہی رکوع ہے۔ ان میں قرآۃ طویل کرے اور آہستہ پڑھے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جہراً پڑھے۔ پھر نماز کے بعد دعاء کرے یہاں تک کہ سورج کھل جائے اور یہ نماز وہی امام پڑھائے جو لوگوں کو جمعہ پڑھاتا ہے۔ اگر امام نہ ہو تو لوگ اکیلے پڑھیں۔ چاند گرہن میں جماعت نہیں ہے بلکہ ہر ایک اپنی اپنی پڑھ لے اور سورج گرہن کی نماز میں خطبہ نہیں ہے۔“

مفردات:

انکسفت الشمس: آفتاب میں گہن لگنا۔

تنجلی: روشن ہو جائے۔

فرادی : تنہا۔

خسوف : چاند گرہن۔

مسائل ودلائل

دور رکعت نفل امام جمعہ پڑھائے:

☆: ”جب سورج گرہن ہو تو امام لوگوں کو دور رکعتیں نماز نفل کی طرح پڑھائے اور ہر رکعت میں ایک ہی رکوع ہے۔ پھر نماز کے بعد دعا کرے یہاں تک کہ سورج کھل جائے اور یہ نماز وہی امام پڑھائے جو لوگوں کو جمعہ پڑھاتا ہے۔ اگر امام نہ ہو تو لوگ اکیلے پڑھیں۔ چاند گرہن میں جماعت نہیں ہے بلکہ ہر ایک اپنی اپنی پڑھ لے۔“

جب سورج گرہن ہونے لگے تو امام جمعہ یا اس کے حکم سے کوئی دوسرا شخص لوگوں کو نفل نماز کی طرح ایک ایک رکوع کے ساتھ دو دور رکعات پڑھائے۔ پس احناف کے نزدیک جمعہ وعیدین کی طرح نماز خسوف و خسوف کی بھی دور رکعات ہیں اور دیگر نمازوں کے مثل اس میں بھی ہر رکعت میں ایک ہی رکوع ہے لیکن امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ہر رکعت میں دو دور رکوع ہیں۔ دلیل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کی احادیث ہیں جن میں یہ ہے کہ ”آنحضرت ﷺ نے دور رکعتوں میں چار رکوع کیے۔ ہماری دلیل حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی احادیث ہیں جن میں ایک رکوع اور ایک سجدہ کی صراحت ہے۔ دراصل اس باب میں آنحضرت ﷺ سے متعدد و مختلف روایات وارد ہیں، بعض میں صرف ایک رکوع ہے بعض میں دو، بعض میں تین، بعض میں چار، بعض میں پانچ، حتیٰ کہ دس رکوع تک کے ساتھ روایات ہیں۔ یہاں ہر ایک کی تفصیل کا موقع نہیں۔ اجمالاً ان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

ایک اور دو رکوع والی احادیث کے متعلق تو ہم عرض کر چکے ہیں۔ تین رکوع والی حدیث صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت جابر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

چار رکوع والی حدیث حضرت ابن عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے ہے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے الفاظ مذکور نہیں۔

پانچ رکوع والی روایت حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ نیز ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ہر رکعت میں دس رکوع اور دو سجدے بھی روایت کیے ہیں۔

ابن عبدالبر و ابن حزم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی دس رکوع کی روایت ذکر کی ہے۔ ابن حزم نے محلی میں ان سب احادیث کو روایت کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ احادیث نہایت صحیح ہیں اور صحابہ و تابعین سے عمل ثابت ہے۔ تعجب ہے کہ شوافع صرف دو رکوع کو لیتے ہیں اور زیادہ کو جائز نہیں سمجھتے۔ بات اصل یہ ہے کہ ایک سے زائد والی احادیث میں آپ کے فعل کی حکایت ہے جس میں مشاہدہ غلطی واقعہ کی مخصوص نوعیت ذات گرامی کا امتیاز متعدد احتمال ہو سکتے ہیں۔ پس آپ کی قولی احادیث جن میں آپ نے ایک ایک رکوع کے ساتھ دونوں رکعتیں پڑھنے کا حکم فرمایا ہے فقہی قاعدہ کے اعتبار سے راجح ہوں گی کیونکہ قولی حدیث میں امت کے لیے ایک واضح حکم ہوتا ہے۔ اس لیے جہاں فعلی اور قولی حدیثوں میں کوئی تضاد ہو وہاں قولی حدیث ہی امت کے لیے قابل اتباع قرار دی جائے گی۔

مسئلہ قرأت:

☆: ”ان میں قرأت طویل کرے اور آہستہ پڑھے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہی درست ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جہراً پڑھے۔“

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں رکعتوں میں قرأت سرآہے اور یہی

امام مالک و امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے۔ صاحبین اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرأت جہراً ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے صلوٰۃ خسوف میں قرأت زور سے پڑھی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

”میں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز خسوف پڑھی تو آپ سے قرأت کا

ایک حرف نہیں سنا۔“

اخفاء قرأت کی روایتیں چونکہ مردوں کی ہیں اس لیے ان کو ترجیح ہوگی کیونکہ قرب کی وجہ سے ان پر حال زیادہ واضح ہوتا ہے۔

خطبہ نہیں:

☆: ”سورج گرہن کی نماز میں خطبہ نہیں ہے۔“

احناف اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز خسوف میں خطبہ نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز خسوف میں خطبہ ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس خسوف میں جو آپ کے فرزند ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے دن ہوا خطبہ پڑھا تھا۔

جواب یہ ہے کہ یہ خطبہ خسوف کی خصوصیت سے نہ تھا بلکہ جو لوگ یہ وہم کر رہے تھے کہ یہ گرہن آپ کے لخت جگر کی موت کے باعث ہوا ہے خطبہ سے ان کا وہم دور کرنا مقصود تھا۔



باب: ۱۸

صلوة الاستسقاء كما بيان

ابتدائیہ

صلوٰۃ الاستسقاء کے اہم مسائل اور شرعی ثبوت

سابق باب کے ساتھ اس باب کی مناسبت یہ ہے کہ دونوں نمازوں میں عام اجتماع ہوتا ہے۔ نیز یہ دونوں حالت حزن میں ادا ہوتی ہیں۔ مصنف نے نماز استسقاء کو صلوٰۃ کسوف سے اس لیے مؤخر کیا ہے کہ اس کے مسنون ہونے میں اختلاف ہے۔ استسقاء کے لغوی معنی پانی طلب کرنے کے ہیں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے:

”سقاك الله وسقاہ۔“

”اللہ تعالیٰ تجھے سیراب کرے۔“

اور قرآن مجید میں ہے:

”وسقاہم ربہم شراباً طہوراً“ (الدھر ۷۶: ۲۱)

”ان کا رب انہیں شراب طہور پلائے گا۔“

اور ارشادِ باری ہے:

”واسقینکم ماءً فراتاً“ (المرسلات ۷۷: ۲۷)

اصطلاح شرع میں خشک سالی کے موقع پر مخصوص کیفیت کے ساتھ دعا مانگنے یا نماز پڑھنے کو صلوٰۃ الاستسقاء کہتے ہیں۔ یہ اس امت کی خصوصیت میں سے ہے۔ اس نماز کی ابتدا 6 ہجری میں ہوئی ہے۔ استسقاء ایسے مقام پر ہوتا ہے جہاں دریا، جھیل، چشمہ وغیرہ نہ ہو جس سے سیرابی حاصل کی جاسکے، یا یہ چیزیں تو ہوں مگر لوگوں کی ضرورت کے لیے ناکافی ہوں۔ استسقاء کا ثبوت کتاب اللہ، سنت رسول اور اجماع سب سے ہے۔

قرآن کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کی حکایت بیان کرتے ہوئے بیان فرمایا

کیا:

”فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ

مِدْرَارًا“ (نوح ۷۰: ۱۱)

”میں نے کہا: ”اپنے رب سے مغفرت چاہو کہ وہ بہت بخشنے والا ہے وہ تم پر

کثرت سے برسنے والا مینہ بھیجے گا۔“

نیز حضور نبی کریم ﷺ کا صلوة الاستسقاء کے لیے نکلنا ثابت ہے اور آپ کے

بعد خلفاء نے اور امت نے بلا نکیر ایسا کیا ہے۔



صلوة الاستسقاء کا بیان

”قال ابوحنيفة ليس في الاستسقاء صلوة مسنونة بالجماعة فان صلى الناس وحدانا جاز وانما الاستسقاء الدعاء والاستغفار وقال ابو يوسف ومحمد رحمهما الله صلى الامام ركعتين يجهر فيهما بالقرأة ثم يخطب ويستقبل القبلة بالدعاء ويقلب الامام رداءه ولا يقرب القوم ارضيتهم ولا يحضراهل الذمة للاستسقاء۔“

”امام ابوحنيفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طلب باراں کے لیے نماز جماعت کے ساتھ مسنون نہیں ہے۔ اگر لوگ تنہا تنہا پڑھیں تو جائز ہے کیونکہ استسقاء تو صرف دعا واستغفار ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ و امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام دو رکعت نماز پڑھائے اور ان میں قرأت جہراً پڑھے پھر خطبہ دے اور قبلہ رخ ہو کر دعا کرے۔ امام اپنی چادر پلٹ دے اور لوگ اپنی چادریں نہ پلٹیں۔ نماز استسقاء میں ذمی لوگ شامل نہ ہوں۔“

مسائل و دلائل

صلوة الاستسقاء کی جماعت:

☆: ”امام ابوحنيفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طلب باراں کے لیے نماز جماعت کے ساتھ مسنون نہیں ہے۔ اگر لوگ تنہا تنہا پڑھیں تو جائز ہے کیونکہ استسقاء تو صرف دعا واستغفار ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ و امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام دو رکعت نماز پڑھائے اور ان میں قرأت جہراً پڑھے۔“

صلوٰۃ استسقاء مسنون ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی بابت سوال کیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”جماعت کے ساتھ تو نماز نہیں ہے، یہ تو صرف دعاء استغفار ہے۔ البتہ اگر

لوگ تنہا تنہا پڑھیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔“

اس حکایت سے صلوٰۃ استسقاء کے سنت یا مستحب ہونے کی نفی ہوتی ہے۔ البتہ منفرد کے حق میں اباحت نکلتی ہے لیکن صاحب تحفہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ ظاہر الروایہ میں صلوٰۃ استسقاء نہیں ہے۔ اس سے علی الاطلاق اس کی مشروعیت کی نفی ہوتی ہے۔ صاحب درمختار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ استسقاء میں جماعت کے ساتھ نماز مسنون نہیں ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”امام یا اس کا نائب جمعہ کی طرح جماعت کے ساتھ صلوٰۃ استسقاء کی دو رکعتیں پڑھائے۔“

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ایک روایت میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں اور ایک روایت میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ۔ کمافی المبسوط!

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی صلوٰۃ الاستسقاء مسنون ہے بلکہ امام شافعی و امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے کیونکہ بقول علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ سترہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے نماز استسقاء پڑھنے کی روایات ثابت ہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سنت سے مراد وہ فعل ہوتا ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے بطریق مواظبت کیا ہو اور کبھی کبھی تعلیم جواز کے لیے ترک کیا ہو۔ نماز استسقاء میں یہ بات نہیں ہے کیونکہ متعدد روایات میں صرف دعا پر اکتفا ہے۔ چنانچہ غزوہ تبوک میں جاتے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں ہے کہ

آپ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی التجا پر دعا کے لیے دست مبارک اٹھائے تو اچانک ایک ابر کا ٹکڑا نمودار ہوا اور اس نے جھوم کر پانی برسا دیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن مسجد میں ایک شخص نے آ کر عرض کیا:

”یا رسول اللہ ﷺ! مویشی اور اونٹوں کا گلہ ہلاک ہو گیا اور راہیں بند ہو گئیں تو آپ ﷺ نے دست مبارک اٹھا کر یہ دعا فرمائی:

”اللهم اغثنا ○“

صلوة الاستسقاء کا خطبہ:

☆: ”پھر خطبہ دے اور قبلہ رخ ہو کر دعا کرے۔ امام اپنی چادر پلٹ دے

اور لوگ اپنی چادریں نہ پلٹیں۔ نماز استسقاء میں ذمی لوگ شامل نہ ہوں۔“

خطبہ تابع جماعت ہوتا ہے اور صلوة استسقاء میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جماعت ہی نہیں لہذا خطبہ کا بھی سوال نہیں پیدا ہوتا۔ البتہ صاحبین کے نزدیک صرف ایک خطبہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو خطبے ہیں جن کا اکثر حصہ دعا واستغفار پر مشتمل ہوگا۔

استسقاء میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قلب ردا نہیں ہے کیونکہ یہ تو ایک دعا ہے تو جس طرح دیگر ادعیہ میں قلب ردا نہیں اسی طرح اس میں بھی نہیں ہونا چاہئے لیکن امام محمد، امام ابو یوسف اور امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں:

”قلب ردا کرے کیونکہ آنحضرت ﷺ سے قلب ردا ثابت ہے۔“

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فتویٰ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے۔

قلب ردا کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ پشت کی طرف لے جا کر داہنے ہاتھ

سے بائیں پلو کا نچلا گوشہ اور بائیں ہاتھ سے داہنے پلو کا نچلا گوشہ پکڑ کر دونوں ہاتھوں کو

اس طرح گھمائے کہ دایاں پلو بائیں کندھے پر اور بائیں پلو داہنے کندھے پر آجائے۔
اس طرح چادر کی ہیئت منقلب ہو جائے گی جس میں خشک سالی کو خوشحالی سے بدلنے کا
شگون ہے۔

اہل ذمہ کی شرکت:

☆: ”نماز استقاء میں ذمی لوگ شامل نہ ہوں۔“

استقاء کے لیے ذمی اور کافر لوگ شامل نہ ہوں کیونکہ مسلمانوں کا نکلنا دعاء کے
لیے ہے۔

”دعا الکافرین الافی ضلال۔“

خود آنحضرت ﷺ نے بھی ان کی علیحدگی کے لیے فرمایا ہے:

فقال انابری من کل مسلم مع مشرک

لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ لوگ آجائیں تو منع نہیں کیا

جائے گا۔



باب : ١٩

صلوة في الكعبة كإبيان

ابتدائیہ

کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کے بیان میں

”الصلوة فی الکعبۃ جائزۃ فرضها ونفلها وان صلی الامام فیها بجماعة فجعل بعضهم ظهره الی ظهر الامام جاز ومن جعل منهم وجهه الی وجه الامام جاز ویکره ومن جعل منهم ظهره الی وجه الامام لم تجز صلوته واذا صلی الامام فی المسجد الحرام تحلق الناس حول الکعبۃ وصلوا بصلوة الامام فمن کان منهم اقرب الی الکعبۃ من الامام جازت صلوته اذالم یکن فی جانب الامام ومن صلی علی ظهر الکعبۃ جازت صلوته۔“

”کعبہ میں فرض اور نفل نماز سب جائز ہیں۔ پس اگر امام نماز پڑھائے کعبہ میں جماعت کے ساتھ اور مقتدیوں میں سے کوئی اپنی پیٹھ امام کی پیٹھ کی طرف کرے تو جائز ہے اور جو کرے ان میں سے اپنا منہ امام کے منہ کی طرف تو بھی جائز ہے مگر مکروہ ہے۔ ان میں سے جو اپنی پیٹھ امام کے منہ کی طرف کرے تو اس کی نماز نہ ہوگی۔ جب امام مسجد حرام میں نماز پڑھائے تو لوگ کعبہ کے ارد گرد حلقہ باندھ لیں اور امام کی نماز کے ساتھ نماز پڑھیں۔ پس جو ان میں سے کعبہ کے قریب امام کی نسبت ہوگا تو اس کی نماز ہو جائے گی جبکہ وہ امام کی جانب میں نہ ہو۔ جو شخص کعبہ کی چھت پر نماز پڑھے تو اس کی نماز بھی ہو جاتی ہے۔“

مسائل ودلائل

فرض و نفل:

☆: ”کعبہ میں فرض اور نفل نماز سب جائز ہیں۔“

خانہ کعبہ میں فرض و نفل ہر نوع کی نماز صحیح ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن نبی کریم ﷺ حضرت اسامہ، حضرت بلال، حضرت عثمان اور حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم خانہ کعبہ میں داخل ہوئے دروازہ بند کر دیا گیا اور آپ ﷺ دیر تک اسی میں رہے۔ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ باہر آئے تو میں نے پوچھا:

”آپ نے کیا کیا؟“

عرض کیا:

”نماز پڑھی اس حالت میں کہ دستوں آپ کے بائیں جانب تھے، ایک

دائیں طرف اور تین آپ کی پشت کی جانب۔“

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نہ فرائض صحیح ہیں نہ نوافل۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرض نماز درست نہیں کیونکہ روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اور ستون کے پاس کھڑے ہو کر دعا فرمائی۔ نماز نہیں پڑھی۔

جواب یہ ہے کہ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے ہے اور ان سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے مسند میں، ابن حبان نے صحیح میں اس کے خلاف یہ روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خانہ کعبہ میں دوستوں کے درمیان نماز پڑھی ہے۔ نیز حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی روایت منقطبت ہے لہذا وہ مقدم ہے۔

امام کی اقتضاء:

☆: ”پس اگر امام نماز پڑھائے کعبہ میں جماعت کے ساتھ اور مقتدیوں میں سے کوئی اپنی پیٹھ امام کی پیٹھ کی طرف کرے تو جائز ہے اور جو کرے ان میں سے اپنا منہ امام کے منہ کی طرف تو جائز ہے مگر مکروہ ہے۔ ان میں سے جو اپنی پیٹھ امام کے منہ کی طرف کرے تو اس کی نماز نہ ہوگی۔ جب امام مسجد حرام میں نماز پڑھائے تو لوگ کعبہ کے ارد گرد حلقہ باندھ لیں اور امام کی نماز کے ساتھ نماز پڑھیں۔ پس جو ان میں سے کعبہ کے قریب امام کی نسبت ہوگا تو اس کی نماز ہو جائے گی جبکہ وہ امام کی جانب میں نہ ہو۔ جو شخص کعبہ کی چھت پر نماز پڑھے تو اس کی نماز بھی ہو جاتی ہے۔“

جو شخص خانہ کعبہ میں نماز پڑھتے وقت اپنی پیٹھ امام کی طرف کرے تو اس کی نماز صحیح ہے کیونکہ وہ خود قبلہ کی طرف متوجہ ہے اور اس کو اپنے امام کے بارے میں غلطی کا اعتقاد نہیں لیکن اگر وہ اپنی پیٹھ امام کے چہرہ کی طرف کرے تو نماز نہ ہوگی کیونکہ وہ امام سے آگے بڑھ گیا۔ اگر خانہ کعبہ کے ارد گرد مقتدی حلقہ بنا کر نماز پڑھیں تو یہ بھی صحیح ہے۔ اب جو شخص امام کی بہ نسبت خانہ کعبہ سے قریب تر ہوگا اس کی نماز صحیح ہو جائے گی بشرطیکہ امام کی جانب میں نہ ہو کیونکہ وہ حکماً امام سے پیچھے ہے اور اگر وہ اسی طرف ہے جس طرف امام ہے تو اس کی نماز نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں وہ امام سے آگے بڑھ گیا ہے۔

کعبہ کی چھت پر نماز:

☆: ”جو شخص کعبہ کی چھت پر نماز پڑھے تو اس کی نماز بھی ہو جاتی ہے۔“

خانہ کعبہ کے اوپر بھی نماز پڑھنا صحیح ہے کیونکہ ہمارے نزدیک خانہ کعبہ کی عمارت قبلہ نہیں بلکہ اس بقعہ سے آسمان تک خلائی قبلہ ہے۔ بقعہ ہونے کی بنا پر مکروہ ہے کیونکہ یہ ایک تو تعظیم کے خلاف ہے دوسرے یہ کہ اس کی ممانعت بھی ہے۔



باب : ٢٠

صلوة الجنائز كإبيان

ابتدائیہ

نمازِ جنازہ کے مسائل کا بیان

جنازہ کا معنی و مفہوم:

جنازہ جنازہ کی جمع ہے۔ جنازہ میت کو بھی کہتے ہیں اور اس چار پائی کو بھی جس پر میت کو لٹایا جاتا ہے۔

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل بیان ہوئے ہیں:

- 1: دم توڑنے والے آدمی کو دائیں پہلو پر لٹایا جائے اور کلمہ شہادت کی تلقین کی جائے۔
- 2: جب موت واقع ہو جائے تو اس کی آنکھیں بند کر دی جائیں اور جڑے باندھ دیئے جائیں۔
- 3: جب غسل دینا ہو تو اُسے ایک تختے پر رکھ کر اس کی شرم گاہ پر کوئی کپڑا ڈال دیں اور اس کے کپڑے اتار دیں۔
- 4: اسے وضو کرائیں لیکن ناک اور منہ میں پانی نہ ڈالیں۔
- 5: پھر اُس کے پورے منہ پر پانی بہائیں۔
- 6: اس کے تختے کو طاق عدد میں خوشبو سے دھونی دیں۔
- 7: غسل کے پانی کو بیری کے پتوں یا سچی ڈال کر ابالا جائے۔ اگر یہ میسر نہ ہو تو پھر خالص پانی کافی ہے۔
- 8: میت کا سر اور داڑھی خطمی سے دھوئیں۔

- 9: پھر بائیں پہلو پر لٹا کر پانی سے دھوئیں۔ یہاں تک کہ پانی نیچے تک پہنچ جائے۔ پھر دائیں پہلو پر لٹا کر اسی طرح کیا جائے۔
- 10: اس کے بعد اُسے بٹھا کر سہارا دیں اور پیٹ کو آہستہ آہستہ ملیں۔ اگر کوئی چیز خارج ہو تو دھو ڈالیں اور دوبارہ غسل دینے کی ضرورت نہیں۔
- 11: پھر اس کا جسم کپڑے سے خشک کر کے اُس پر کفن لپیٹ دیا جائے۔
- 12: سر اور داڑھی پر خوشبو لگائیں اور سجدے والی جگہوں پر کافور ملیں۔
- 13: مرد کو تین کپڑوں: تہ بند، قمیص اور بڑی چادر میں کفن میں دینا سنت ہے۔ اگر دو کپڑوں پر اکتفا کریں تو بھی جائز ہے۔
- 14: جب چادر لپیٹنا ہو تو پہلے بائیں جانب پھر دائیں جانب سے اُس پر ڈالیں۔
- 15: اگر ڈر ہو کہ کفن کھل جائے گا تو اسے باندھ دیں۔
- 16: عورت کو پانچ کپڑوں: تہ بند، قمیص، دوپٹہ، سینہ بند اور ایک بڑی چادر میں کفن دیا جائے۔
- 17: اگر تین کپڑوں پر اکتفا کریں تو جائز ہے۔
- 18: اوڑھنی قمیص کے اوپر اور بڑی چادر کے نیچے ہو اور اس کے بال سینے پر رکھے جائیں۔
- 19: میت کے بالوں اور داڑھی میں کنگھی نہ پھیری جائے نہ ناخن کاٹے جائیں اور نہ ہی بال تراشے جائیں۔
- 20: کفن کے کپڑے میت کو پہنانے سے قبل طاق عدد میں خوشبو کی دھونی دی جائے۔
- 21: اس سے فراغت کے بعد نماز جنازہ پڑھی جائے۔
- 22: امامت کا زیادہ مستحق حاکم وقت ہے۔ اس کی غیر موجودگی میں امام محلہ کے بعد اس کا ولی۔

- 23: ولی اور حاکم وقت کے نماز جنازہ نہ پڑھانے کی صورت میں ولی دوبارہ نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے لیکن ولی کے بعد کسی کو نماز جنازہ پڑھانے کی اجازت نہیں۔
- 24: جنازہ پڑھائے بغیر دفن کر دینے کی صورت میں تین دن تک اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھائی جاسکتی ہے۔ اس کے بعد نہیں۔
- 25: نماز جنازہ پڑھانے والا میت کے سینے کے برابر کھڑا ہو۔
- 26: نماز جنازہ یہ ہے: پہلی تکبیر کے بعد اللہ کی حمد و ثنا، دوسری تکبیر کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود، تیسری تکبیر کے بعد اپنے لیے، میت کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے دعا اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام۔
- 27: نماز جنازہ جماعت والی مسجد میں نہ پڑھائی جائے۔
- 28: میت کو جب چار پائی پر رکھ لیں تو اس کے چاروں پائے پکڑ کر تیزی سے چلیں لیکن دوڑیں نہیں۔
- 29: جب قبر تک پہنچ جائیں تو میت کو زمین پر رکھنے سے پہلے لوگوں کا بیٹھ جانا مکروہ ہے۔
- 30: قبر لحد کی شکل میں بنائی جائے اور میت کو اس میں قبلہ کی جانب سے اتارا جائے۔
- 31: جب میت لحد میں اتاری جائے تو اُتارنے والا بسم اللہ و علیٰ ملة رسول اللہ ﷺ کے الفاظ کہے۔ اُسے قبلہ رُخ کر دیا جائے، بند کھول دیئے جائیں اور لحد پر مٹی ڈال دی جائے۔
- 32: پکی اینٹیں اور لکڑی قبر کے لیے استعمال کرنا مکروہ ہے۔ البتہ سرکنڈوں کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔
- 33: پھر قبر پر مٹی برابر کر دی جائے اور قبر کو ہان کی شکل میں بنائی جائے۔ سطح دار نہ

بنائی جائے۔

34: جو بچہ پیدائش کے بعد آواز نکالے تو اس کا نام رکھا جائے، اُسے غسل دیا جائے اور اُس کی نماز جنازہ پڑھی جائے۔

35: اگر پیدائش کے بعد آواز نہ نکالے تو اُسے کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے اور اُس کی نماز جنازہ بھی نہ پڑھائی جائے۔



نماز جنازه كإعلان

إذا أحتضر الرجل وجهه الى القبلة على شقه الايمن ولقن الشهادتين واذا مات شدوا الحيتيه وغمضوا عينيه فاذا أرادوا غسله وضعوه على سرير وجعلوا على عورته خرقة ونزعوا ثيابه ووضعوه ولا يمضمض ولا يستنشق ثم يفيضون الماء عليه و يجمر سريره وترا ويغلى الماء بالسدر او بالحرص فان لم يكن فالماء القراح ويغسل رأسه ولحيته بالخطمي ثم يضجع على شقه الايسر فيغسل بالماء والسدر حتى يرى ان الماء قد وصل الى مايلي التحت منه ثم يضجع على شقه الايمن فيغسل بالماء حتى يرى ان الماء قد وصل الى مايلي التحت منه ثم يجلسه ويسنده اليه ويمسح بطنه مسحا رقيقا فان خرج منه شئ غسله ولا يعيد غسله ثم ينشفه في ثوب ويدرج في اكفانه ويجعل الحنوط على رأسه ولحيته والكافور على مساجده والسنة ان يكفن الرجل في ثلاثة اثواب ازار و قميص ولفافة فان اقتصروا على ثوبين جازوا اذا ارادوا الف اللفافة عليه ابتداءً ا بالجانب اليسر فالقوه عليه ثم بالايمن فان خافوا ان ينتشر الكفن عنه عقدوه وتكفن المرأة في خمسة اثواب ازار و قميص و خمار و خرقة تربط بها ثديها ولفافة فان اقتصروا على ثلاثة اثواب جازو يكون الخمار فوق القميص تحت اللفافة ويجعل شعرها على صدرها ولا يسرح شعر الميت ولا لحيته ولا يقص ظفره ولا يقص شعره وتجمر الاكفان قبل ان

یدرج فیہا وترًا فاذا فرغوا منه صلّوا علیہ وأولی الناس بالامامة علیہ السلطان ان حضر فان لم یحضر فیستحبّ تقدیم امام الحقی ثم الولی فان صلّی علیہ غیر الولی والسلطان اعاد الولی وان صلی علیہ الولی لم یجزان یصلّی احد بعده فان دفن ولم یصل علیہ صلی علی قبرہ الی ثلاثة ایام ولا یصلی بعد ذلك ویقوم المصلّی بِحِذَاءِ صدر المیت والصلوة ان یکبر تکبیرة یحمد الله تعالیٰ عقبیہا ثم یکبر تکبیرة ویصلی علی النبی صلی الله علیہ وسلم ثم یکبر تکبیرة ثالثة یدعوا فیہا لنفسه وللمیت وللمسلمین ثم یکبر تکبیرة رابعة ویسلم ولا یصلی علی میت فی مسجد جماعة ولا یرفع یدیه الا فی التکبیرة الاولیٰ فاذا حملوه علی سریره اخذوا بقوائمه الاربع ویمشون به مسرعین دون الخبب فاذا بلغوا الی قبرہ کره للناس ان یجلسوا قبل ان یوضع من اعناق الرجال ویحفر القبر ویلحد ویدخل المیت مما یلی القبلة فاذا وضع فی لحدہ قال الذی یضعه بسم الله وَعَلَىٰ مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ویوجهه الی القبلة علی شقة الایمن ویحل العقدة ویسوی اللبن علی اللحد ویکره الاجر والخشب ولا یاس بالقصب ثم یهال التراب علیہ ویسنّم القبر ولا یسطح ومن استهل بعد الولادة سمی وغسل وصلی علیہ وان لم یستهل اُدرج فی خرقه ودُفن ولم یصل علیہ۔“

”جب کسی شخص کا موت کا وقت قریب آئے تو اس کا چہرہ قبلہ رخ کر دینا چاہئے اور اس کو دائیں پہلو کے بل لٹا دینا چاہئے پھر کلمہ شہادت پڑھنے کی تلقین کرنی چاہئے۔ جب فوت ہو جائے تو اس کے دونوں جڑے باندھ

دیں اور اس کی آنکھیں بند کر دیں پھر جب اسے اس دینا پائیں تو اسے
ایک تختے پر رکھیں اور اس کی شہ مکاہ پر پرے کا مڑا رتہ اس کے پیٹ کے
اتاریں اور اس کو دھمو کر انہیں تین تین نہ مڑیں اور نہ ہی ناس میں پانی
ڈالیں۔ پھر اس پر پانی بہائیں اور اس کی چار پانی کو حلق پر خوشبو دینی
جائے۔ پانی میں بیڑی کے پتے یا تلی ڈال کر ابال جائے، اگر یہ چیزیں نہ مل
سکیں تو سادہ پانی ہی کافی ہے۔ اس کے سر اور داڑھی کو ٹھمنی کے ساتھ دھویا
جائے، اسے بانٹیں پہلو لٹا کر پانی اور بیڑی کے پتوں سے دھویا جائے۔
یہاں تک کہ معلوم ہو جائے کہ اس کے نیچے تک پانی پہنچ گیا ہے۔ پھر اسے
دائیں پہلو لٹایا جائے اور پانی سے دھویا جائے۔ یہاں تک کہ معلوم ہو جائے
کہ اس کے نیچے تک پانی پہنچ گیا ہے۔ پھر اس کو بٹھائے اور تکیہ لگانے کی
طرح اپنے ساتھ سہارا دے اور اس کے پیٹ کو آہستہ آہستہ لٹے۔ اگر اس
کے پیٹ سے کچھ نکلے تو اسے دھو ڈالے اور دوبارہ نہ نہلائے۔ پھر کپڑے
کے ساتھ اس کا جسم پونچھے اور اس کو اس کے کفن میں لپیٹ دیا جائے۔ اس
کے سر اور داڑھی پر خوشبو لگائی جائے اور اس کے سجدے والے اعضاء پر کافور
لگایا جائے۔ سنت یہ ہے کہ مرد و تین کپڑوں میں کفن پہنایا جائے ایک تہہ بند
اور دوسرا قمیص اور تیسرا لپیٹنے والا کپڑا۔ اگر دو کپڑوں پر اکتفا کیا جائے تو بھی
جائز ہے۔ جب چادر لپیٹنے لگیں تو بائیں جانب سے شروع کریں اور وہ اس
پر ڈال دیں۔ پھر دائیں جانب کی طرف سے اگر اندیشہ ہو کہ کہیں کفن کھل نہ
جائے تو اس کو باندھ دیں۔ عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے۔ تہہ بند،
قمیص، اوڑھنی، کپڑے کا وہ ٹکڑا جس سے اس کی چھاتیوں کو باندھا جائے اور
لپیٹنے والا کپڑا۔ اگر تین کپڑوں پر ہی اکتفا کر لیا جائے تب بھی جائز ہے اور
اوڑھنی قمیص کے اوپر لیکن چادر کے نیچے ہونی چاہئے۔ اس کے بال اس کے

سینے پر رکھے جائیں اور میت کے بالوں اور داڑھی کو کنگھی نہ کی جائے اور نہ ہی ناخن یا بال کاٹے جائیں۔ کفن کے کپڑوں میں میت لپیٹنے سے پہلے انہیں طاق بار خوشبو لگائی جائے اور جب اس سارے عمل سے فارغ ہو چکیں تو اس کی نماز جنازہ پڑھیں۔ نماز جنازہ کی امامت کا سب سے زیادہ مستحق حاکم وقت ہوتا ہے اگر وہ موجود ہو۔ لیکن اگر وہ موجود نہ ہو تو قبیلے کے امام کا آگے کرنا مستحب ہے۔ پھر اس کے بعد میت کا سر پرست۔ اگر اس کا جنازہ سر پرست اور بادشاہ کے سوا کوئی اور پڑھائے تو ولی دوبارہ جنازہ پڑھائے لیکن اگر سر پرست جنازہ پڑھائے تو اس کے بعد کسی اور کا جنازہ پڑھانا جائز نہیں۔ اگر میت کو دفن کیا جا چکا ہو لیکن اس کا جنازہ نہ پڑھا گیا ہو تو تین دن تک اس کی قبر پر جنازہ پڑھا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد جنازہ پڑھا جائے۔ جنازہ پڑھاتے وقت امام میت کے سامنے عین وسط میں کھڑا ہو اور نماز جنازہ یہ ہے کہ امام ایک تکبیر کہے جس کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد کہے پھر تکبیر کہے اور نبی ﷺ پر درود بھیجے۔ پھر تیسری تکبیر کہے جس میں اپنے لیے میت کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے دعائے ننگن پھر چوتھی تکبیر کہے اور سلام پھیر دے۔ کسی میت کی ایسی مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے جس میں نماز باجماعت ہوتی ہو اور پہلی تکبیر کے سوا رفع یدین نہ کرے۔ پھر جب اس کو اس کی چار پائی پر اٹھائیں تو اس کے چاروں پائے پکڑ لیں اور اسے لے کر تیزی سے چلیں لیکن دوڑیں نہیں۔ پھر جب اس کی قبر کے پاس پہنچ جائیں تو اٹھانے والوں کے کندھوں سے میت کو اتارنے سے قبل لوگوں کا بیٹھنا مکروہ ہے۔ قبر کھودی جائے اور لحد بنائی جائے۔ میت کو قبلہ کی طرف سے اس میں اتارا جائے۔ جب میت کو اس کی لحد میں اتارا جائے تو اتارنے والا یہ الفاظ کہے: بسم اللہ و علی ملۃ رسول اللہ اور میت کا چہرہ قبلہ کی طرف کرے اور

گانٹھیں کھول دی جائیں اور اس لحد پر کچی اینٹیں رکھ دی جائیں اور پختہ اینٹیں اور لکڑی لگانا مکروہ ہے۔ البتہ سرکنڈے رکھنے میں کوئی حرج نہیں پھر اس پر مٹی ڈال دی جائے اور قبر کو اونٹ کی کوبان کی طرح بنایا جائے اور اس کی سطح ہموار نہ رکھی جائے۔ جس بچے نے ولادت کے وقت آواز نکالی اسے غسل بھی دیا جائے گا، اس کا نام بھی رکھا جائے گا اور اس کا جنازہ بھی پڑھا جائے گا لیکن اگر اس نے آواز نہ نکالی تو اسے محض ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔“

مفردات:

وجہہ: چہرہ پھیرا جائے۔ رخ کیا جائے۔

شق: پہلو۔

الایمن: وایاں۔

لقن: فعل ماضی مجہول۔ تلقین کیا جائے۔

شدد: باندھیں۔

لحییہ: لہجی کا تشبیہ ہے۔ یعنی دونوں جبرے۔

غمضوا: بند کر دیں۔

سریر: تختہ یا چار پائی جس پر میت کو غسل دیا جاتا ہے۔

خرقة: دھجی: چیتھڑا۔

نزعوا: اتار دیں۔

یمضمص: کلی کرائی جائے۔

یستنشق: ناک میں پانی ڈالا جائے۔

یفیضون: پانی بہائیں۔

یجمر بجمر: یجمر سے مضارع مجہول ہے۔ دھونی دیا جائے۔

وترا: طاق مدد۔

بغلی ابالا جائے۔

السدر: بیری کا درخت، یہاں مراد ہے بیری کے پتے۔

اشنان یا سجدی: جس سے کھانے کے بعد ہاتھ دھوئے جاتے ہیں۔

القراح: خالص۔

الخطمی: ایک قسم کی جڑی بوٹی۔

یسندہ: میت کو سہارا دے۔

یمسح: مسح، یمسح، مسح: مسحا: چھونا۔ ہاتھ لگانا۔ یہاں مراد ہے ملنا۔

رفیقا: رفیق سے صفت مشبہ ہے۔ نرمی سے۔

ینشفہ: اُسے خشک کرے۔

یدرج: مضارع مجہول: لپیٹا جائے۔

اکفان: کفن کی جمع ہے۔ وہ کفن جس میں میت کو ڈھانپا جاتا ہے۔

الحنوط: خوشبو۔

مساجد: مسجد کی جمع ہے۔ وہ اعضاء جو سجدہ کرتے ہوئے زمین پر ٹکائے جاتے ہیں۔

ازار: تہبند۔

لفافة: لف یلف: لپیٹنا: لفافة: اس کپڑے کو کہا جاتا ہے جس میں میت کو لپیٹا جاتا ہے۔

ینتشر: بکھر جاتا ہے۔

تربط: باندھے جائیں۔

الخممار: اوڑھنی: دوپٹہ۔

لا یسرح: نہ سنوارے جائیں، نہ کنگھا کیے جائیں۔ نہ کاٹے جائیں :-

ظفر: ناخن۔

لم یحضر: نہ حاضر ہو۔

الحی: قبیلہ یہاں مراد ہے محلہ وغیرہ۔

حذاء: برابر سامنے۔

قوائم قائمة کی جمع ہے۔ چار پائی کے پائے۔

مسرعین: اسرع يسرع: سے اسم فاعل جمع کا صیغہ: جلدی کرتے ہوئے۔

الخبیب: گھوڑے کی دوڑ یہاں مراد ہے اس طرح میت کو نہ لے کر چلیں جس سے

دوڑنے کا انداز معلوم ہو۔

اعناق: عنق کی جمع ہے۔ گردن۔

یسوی: برابر کیا جائے۔

الآجر: پکی اینٹ۔

الخشب: لکڑی۔

القصب: بانس یا سرکنڈا۔

یہال: مضارع مجہول۔ مٹی ڈالی جائے۔

یستم: کوہان کی شکل بنایا جائے۔

مسائل ودلائل

کلمہ شہادت کی تلقین:

☆: ”جب کسی شخص کا موت کا وقت قریب آجائے تو اس کا چہرہ قبلہ رخ

کر دینا چاہئے اور اس کو دائیں پہلو کے بل لٹا دینا چاہئے پھر کلمہ شہادت پڑھنے کی تلقین کرنی چاہئے۔“

قریب الموت آدمی کو کلمہ شہادت کی تلقین حضور نبی کریم ﷺ سے کئی احادیث

میں منقول ہے۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

”لقنوا موتا لمن لا اله الا الله“ ○

”مرنے والوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو۔“

مستدرک حاکم میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

”من كان آخر كلامه لا اله الا الله دخل الجنة“

”جس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔“

آنکھیں بند کر دی جائیں:

☆: ”جب وہ فوت ہو جائے تو اس کے دونوں جبڑے باندھ دیں اور اس

کی آنکھیں بند کر دیں۔“

میت کی آنکھیں بند کر دینا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل مبارک سے ثابت ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی موت کے وقت تشریف لائے۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی آنکھیں کھلی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بند کر دیا۔ گھر والوں میں سے کچھ لوگ زور زور سے رونے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع فرمایا اور ابو سلمہ کے لیے دعائے مغفرت کی۔“

میت کا نہلانا:

☆: ”پھر جب اُسے غسل دینا چاہیں تو اُسے ایک تختے پر رکھیں اور اس کی

شرمگاہ پر کپڑے کا ٹکڑا رکھ کر اس کے کپڑے اتاریں اور اس کو وضو کرائیں لیکن کلی نہ کرائیں اور نہ ہی ناک میں پانی ڈالیں۔ پھر اس پر پانی بہائیں اور اس کی چار پائی کو طاق بار خوشبودی جائے۔ پانی میں بیری کے پتے یا سبزی ڈال کر اُبالا جائے۔ اگر بہ چیزیں نہ مل سکیں تو سادہ پانی ہی کافی ہے۔ اس کے سر اور داڑھی کو خطمی کے ساتھ دھویا جائے، اسے بائیں پہلو لٹا کر پانی اور بیری کے پتوں سے دھویا جائے یہاں تک کہ معلوم ہو جائے کہ اس کے نیچے تک پانی پہنچ گیا ہے۔ پھر اسے دائیں پہلو لٹایا جائے اور پانی سے دھویا جائے۔ یہاں تک کہ معلوم ہو جائے کہ اس کے نیچے تک پانی پہنچ گیا ہے۔

پھر اس کو بٹھائے اور تکیہ لگانے کی طرح اپنے ساتھ سہارا دے اور اس کے پیٹ کو آہستہ آہستہ ملے۔ اگر اس کے پیٹ سے کچھ ملے تو اُسے دھو ڈالے اور دوبارہ نہ نہلائے۔ پھر کپڑے کے ساتھ اس کا جسم پونچھے اور اس کو اس کے کفن میں لپیٹ دیا جائے۔ اس کے سر اور داڑھی پر خوشبو لگائی جائے اور اس کے سجدے والے اعضاء پر کافور لگایا جائے۔“

میت کے غسل دینے کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اغسلوه بماء وسدر۔“

”اُسے پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو۔“

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث ہے:

”جس نے میت کو غسل دیا، اُسے خوشبو لگائی، اُسے اٹھایا، اس کی نماز جنازہ

پڑھی اور اُس کی پردہ پوشی کی اُس کے گناہ معاف ہو گئے۔“

(سنن ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن معقل رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی:

”جب میں مر جاؤں تو مجھے غسل دینے میں کافور استعمال کرنا اور دو چادروں

اور ایک قمیص میں مجھے کفن دینا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح غسل اور

کفن دیا گیا تھا۔“

(مشترک للحاکم) (سنن بیہقی)

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی روایت صحاح ستہ میں مذکور ہے۔ وہ فرماتی

ہیں کہ جب ہم نے حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو غسل دیا

تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”غسل کو دائیں طرف سے اور وضو کے اعضاء سے شروع کرو۔“

مرد کے لیے کفن:

☆: ”سنت یہ ہے کہ مرد کو تین کپڑوں میں کفن پہنایا جائے ایک تہہ بند اور دوسرا قمیص اور تیسرا لپیٹنے والا کپڑا۔ اگر دو کپڑوں پر اکتفا کر دیا جائے تو بھی جائز ہے۔ جب چادر لپیٹنے لگیں تو بائیں جانب سے شروع کریں اور وہ اس پر ڈال دیں۔ پھر دائیں جانب کی طرف سے اگر اندیشہ ہو کہ کہیں کفن کھل نہ جائے تو اس کو باندھ دیں۔“
مرد کو کفن دینے میں تین کپڑے استعمال کیے جائیں۔ چنانچہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”کفن النبی ﷺ فی ثلاثة اثواب قمیص وازار ولفافة۔“

”نبی کریم ﷺ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا۔ قمیص، تہہ بند اور چادر۔“

مرد کے کفن کے لیے دو کپڑوں پر بھی اکتفا جائز ہے۔

چنانچہ مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت فرمایا:

”یہ دو کپڑے جو میں نے پہن رکھے ہیں انہیں دھو لینا اور ان میں مجھے کفن

دے دینا۔“

عورت کا کفن:

☆: ”عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے۔ تہہ بند، قمیص، اوڑھنی،

کپڑے کا وہ ٹکڑا جس سے اس کی چھاتیوں کو باندھا جائے اور لپیٹنے والا کپڑا۔ اگر تین کپڑوں پر ہی اکتفا کر لیا جائے تب بھی جائز ہے اور اوڑھنی قمیص کے اوپر لیکن چادر کے

نیچے ہونی چاہئے۔ اس کے بال اس کے سینے پر رکھے جائیں۔“

عورت کے کفن کے لیے پانچ کپڑے درکار ہوتے ہیں۔ تہہ بند، قمیص اور بڑی

چادر کے علاوہ اوڑھنی اور سینہ بند۔

چنانچہ ابو داؤد اور مسند احمد رحمۃ اللہ علیہ میں لیلیٰ بنت قائف ثقفیہ رضی اللہ عنہا سے

مروی ہے کہ جن عورتوں نے حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو غسل دیا تھا ان میں سے ایک میں ہوں۔ حضور ﷺ نے سب سے پہلے ہمیں تہ بند عطا فرمایا، پھر چادر پھر اوڑھنی پھر سینہ بند اور ان سب کے بعد انہیں ایک بڑی چادر میں لپیٹ دیا گیا۔ حضور ﷺ دروازے کے قریب تشریف رکھتے تھے اور صاحبزادی کے کفن کے کپڑے آپ ﷺ کے پاس تھے اور ایک ایک کپڑا ہمیں پکڑاتے جاتے تھے۔“

بال و ناخن:

☆ میت کے بالوں اور داڑھی کو کنگھی نہ کی جائے اور نہ ہی ناخن یا بال کاٹے جائیں۔“

میت کے بالوں میں کنگھی نہ کی جائے اور نہ ہی ناخن کاٹے جائیں۔ ممانعت کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول کتاب الآثار اور مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ جب ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:

”تم اپنے مردوں کے بال کیوں نوچتے ہو؟“

اسی پر ناخن کاٹنے کو بھی قیاس کیا جائے۔

کفن کو دھونی:

☆ ”کفن کے کپڑوں میں میت لپیٹنے سے پہلے انہیں طاق بار خوشبو لگائی جائے اور جب اس سارے عمل سے فارغ ہو چکیں تو اس کی نماز جنازہ پڑھیں۔“

کفن کو طاق عدد میں دھونی دینا بھی مستحب ہے۔ چنانچہ ابن حبان اور مسلم نے مرفوع حدیث ذکر کی ہے:

”اذا جرتم المیت فاجمر واثلاثا“

”جب تم میت کو خوشبو کی دھونی دو تو تین مرتبہ دو۔“

نماز جنازہ کون پڑھائے:

☆ ”نماز جنازہ کی امامت کا سب سے زیادہ مستحق حاکم وقت ہوتا ہے اگر

وہ موجود ہو۔ لیکن اگر وہ موجود نہ ہو تو قبیلے کے امام کا آگے کرنا مستحب ہے۔ پھر اس کے بعد میت کا سر پرست۔ اگر اس کا جنازہ سر پرست اور بادشاہ کے سوا کوئی اور پڑھائے تو ولی دوبارہ جنازہ پڑھائے لیکن اگر سر پرست جنازہ پڑھے تو اس کے بعد کسی اور کا جنازہ پڑھانا جائز نہیں۔“

میت کے نماز جنازہ پڑھانے میں سب سے فائق حق حاکم وقت کو حاصل ہے۔ پھر اس علاقے یا محلے کا امام نماز جنازہ کے لیے امامت کرائے پھر ولی میت کا وارث، اور ولی کو یہ حق بھی ہے کہ اگر اس کی عدم موجودگی میں نماز جنازہ پڑھائی جا چکی ہو تو دوبارہ پڑھا سکتا ہے اور ولی کے بعد کوئی دوسرا نماز جنازہ نہیں پڑھا سکتا۔ دفن کرنے کے بعد تین دن تک نماز جنازہ پڑھائی جاسکتی ہے اس کے بعد نہیں۔

حضرت حسین علیہ السلام نے حضرت حسن علیہ السلام کی نماز جنازہ کے لیے حاکم مدینہ سعید بن العاص کو امام بنایا اور یہ بھی فرمایا کہ اگر یہ سنت نہ ہوتی تو میں ایسا نہ کرتا۔
(فتح القدر شرح ہدایہ)

دفن کرنے کے بعد نماز جنازہ کا حکم:

☆: ”اگر میت کو دفن کیا جا چکا ہو لیکن اس کا جنازہ نہ پڑھا گیا ہو تو تین دن تک اس کی قبر پر جنازہ پڑھا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد جنازہ نہ پڑھا جائے۔“
حضرت انس سے نسائی، طحاوی، بیہقی اور مسند احمد میں روایت ہے کہ ایک مسکین عورت بیمار تھی، حضور ﷺ کو اس کی بیماری کی اطلاع ہوئی تو فرمایا، اگر یہ مر جائے تو مجھے خبر کرنا وہ فوت ہوئی تو لوگ رات کو اس کا جنازہ اٹھالے گئے اور حضور ﷺ کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ صبح کو جب رسول اکرم ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں نے آپ کو نہیں کہا تھا کہ مجھے اطلاع دینا؟

لوگوں نے کہا کہ ہم نے آپ ﷺ کو جگانا اور رات کے وقت باہر لے جانا پسند نہ کیا۔ پھر حضور ﷺ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور چار تکبیروں سے نماز جنازہ

پڑھائی۔ لوگ آپ ﷺ کے پیچھے صفیں بنا کر کھڑے ہوئے۔

بخاری اور مسلم میں ایک اور حدیث کا یوں ذکر ہے کہ ایک حبشی مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا۔ ایک دن جب رسول اللہ ﷺ کو وہ نظر نہ آیا تو آپ نے اس کے متعلق دریافت فرمایا: لوگوں نے عرض کیا کہ وہ فوت ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا تم نے مجھے خبر کیوں نہ کی؟ مجھے اس کی قبر دکھاؤ۔ چنانچہ آپ ﷺ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور نماز جنازہ پڑھی۔ ان دونوں حدیثوں سے یہ معلوم ہوا کہ قبر پر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے۔ دوسرے یہ کہ ولی دوبارہ نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو ولایت عامہ حاصل تھی۔

نماز جنازہ میں تکبیروں کی تعداد:

☆: ”جنازہ پڑھاتے وقت امام میت کے سامنے عین وسط میں کھڑا ہو اور نماز جنازہ یہ ہے کہ امام ایک تکبیر کہے جس کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد کہے پھر تکبیر کہے اور نبی ﷺ پر درود بھیجے۔ پھر تیسری تکبیر کہے جس میں اپنے لیے میت کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے دعائے نگو، پھر چوتھی تکبیر کہے اور سلام پھیر دے۔ پہلی تکبیر کے سوا رفع یدین نہ کرے۔“

نماز جنازہ میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ چار تکبیریں کہی جائیں اور آخری تکبیر کے بعد سلام پھیرا جائے۔

مسند احمد میں حضرت جابر سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اپنے مردوں پر دن یا رات میں چار تکبیریں کہا کرو۔“

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ کا آخری عمل تو یہ تھا کہ آپ ﷺ نے جنازے پر چار تکبیروں سے نماز پڑھائی، حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے جنازے پر چار تکبیریں کہیں، عبداللہ بن عمرؓ نے نماز جنازہ چار تکبیروں سے پڑھائی۔ حضرت حسنؓ نے حضرت علیؓ کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہیں۔“

مسجد میں جنازہ کا حکم:

☆: ”کسی میت کی نماز جنازہ ایسی مسجد میں نہ پڑھی جائے جس میں نماز باجماعت ہوتی ہو۔“

نماز جنازہ، جنازہ گاہ میں یا مسجد سے باہر پڑھائی جائے۔ مسجد کے اندر نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔

ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے:

”جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھائی اُسے کوئی اجر نہیں ملتا۔“

اور ایک روایت میں ہے:

”اس کی کوئی نماز نہیں۔“

نماز جنازہ کو لے کر تیز چلنا:

☆: ”پھر جب اس کو اس کی چار دپائی پر اٹھائیں تو اس کے چاروں پائے پکڑ لیں اور اسے لے کر تیزی سے چلیں لیکن دوڑیں نہیں۔“

جنازہ اٹھانے کے بعد اُس کی چار دپائی کے چاروں پائے پکڑے جائیں اور تیزی سے قبرستان کی جانب لے جایا جائے لیکن دوڑنا جائز نہیں۔ چنانچہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے:

”جنازے کا پورا اجر تین باتوں سے ملتا ہے۔ اس کے پیچھے چلنا، اس کے

چاروں پائے پکڑنا اور اس کی قبر پر مٹی ڈالنا۔“

صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد اور سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا:

”جنازے کو لے کر جلدی چلو۔ اگر نیک ہے تو تم اسے بہتر اجر تک پہنچاؤ گے

اور اگر نہیں تو تم اپنی گردنوں سے بُرے بوجھ اتارو گے۔“

سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، طحاوی اور مسند امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”جنازہ لے کر تیز چلنا چاہئے لیکن دوڑنا نہیں چاہئے۔“

میت کی تعظیم اور لحد:

☆: ”پھر جب اس کی قبر کے پاس پہنچ جائیں تو اٹھانے والوں کے کندھوں سے میت کو اتارنے سے قبل لوگوں کا بیٹھنا مکروہ ہے۔ میت کو قبلہ کی طرف سے اس میں اتارا جائے۔ قبر کھودی جائے اور لحد بنائی جائے۔“

قبرستان پہنچنے کے بعد جب تک میت کو زمین پر نہ رکھ دیا جائے لوگ بیٹھیں نہیں۔ میت کو کندھوں سے اتارنے سے پہلے اس لیے بیٹھنا مکروہ ہے کہ اس سے میت کی تعظیم و تکریم میں خلل پڑتا ہے۔ میت کو قبلہ کی جانب سے قبر میں اتارا جائے اور قبر میں رکھتے وقت بسم اللہ و علیٰ ملۃ رسول اللہ کہا جائے۔ میت کا چہرہ قبلہ کی طرف کر دیا جائے۔

قبر لحد کی طرز پر بنائی جائے۔ چنانچہ حدیث مبارکہ میں ہے:

اللحد لنا والشق لغيرنا

”لحد ہمارے لیے اور شق دوسروں کے لیے ہے۔“

(سنن ترمذی) (سنن ابن ماجہ) (سنن نسائی)

لحد یہ ہے کہ قبر کے دائیں جانب ایک گڑھا بنایا جائے اور اس میں میت کو لٹایا جائے اور شق درمیان میں نگڑھا بنانے کو کہتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”حضور ﷺ کی قبر میں لحد بنائی گئی تھی۔“

(سنن ابن ماجہ)

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی قبروں میں لحد بنائی گئی تھی۔

(ابن ابی شیبہ)

بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلَىٰ مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ:

☆: ”جب میت کو اس کی لحد میں اتارا جائے تو اُتارنے والا یہ الفاظ کہے:
بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلَىٰ مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اور میت کا چہرہ قبلہ کی طرف کرے اور گانٹھیں کھول دی
جائیں۔“

بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلَىٰ مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ کہنے کے بارے میں امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابن
عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

”كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا دُخِلَ الْمِيتَ الْقَبْرِ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلَىٰ مِلَّةِ
رَسُوْلِ اللّٰهِ۔“

”جب میت قبر میں اُتار دی جاتی تو حضور ﷺ بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلَىٰ مِلَّةِ رَسُوْلِ
اللّٰهِ پڑھتے تھے۔“

قبر چکی اینٹوں سے بنائی جائے:

☆: ”اس لحد پر چکی اینٹیں رکھ دی جائیں اور پختہ اینٹیں اور لکڑی لگانا
مکروہ ہے۔ البتہ سرکنڈے رکھنے میں کوئی حرج نہیں، پھر اس پر مٹی ڈال دی جائے اور قبر
کو اونٹ کی کوہان کی طرح بنایا جائے اور اس کی سطح ہموار نہ رکھی جائے۔“
قبر میں چکی اینٹیں استعمال کرنے کا ثبوت حضور نبی کریم ﷺ کی قبر ہے کیونکہ
آپ ﷺ کی قبر انور میں چکی اینٹیں استعمال کی گئی تھی۔ اس کے متعلق احادیث
مستدرک، ابن حبان اور بیہقی میں موجود ہیں۔ اسی طرح حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی
اللہ عنہما کی قبریں بھی چکی اینٹوں سے بنائی گئی تھیں۔

نومولود کی نماز جنازہ:

☆: ”جس بچے نے ولادت کے وقت آواز نکالی اسے غسل بھی دیا جائے گا
اس کا نام بھی رکھا جائے گا اور اس کا جنازہ بھی پڑھا جائے گا لیکن اگر اس نے آواز نہ

نکالی ہو تو اسے محض ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔“

بچے کی پیدائش کے بعد اگر اس کی رونے کی آواز سنائی دے تو اس کا نام بھی رکھا جائے اور غسل دے کر نماز جنازہ بھی ادا کی جائے۔ اگر اس کی کوئی آواز ہی نہیں نکلی تو پھر نہ غسل ہے نہ نماز جنازہ۔

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:
 ”بچے کی ولادت کے وقت جب تک آواز نہ نکلی ہو تو وہ نہ تو وارث ہوتا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی وارث ہوتا ہے اور نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔“

(سنن ترمذی) (سنن نسائی) (سنن ابن ماجہ)



باب : ۲۱

شہید کا بیان

ابتدائیہ

شہید کے مسائل کا بیان

شہید کون لوگ ہوتے ہیں:

شہادت کا بلند ترین مرتبہ صرف اس مسلمان کے لیے مخصوص ہے جو اسلام اور کلمہ حق کی سر بلندی کے لیے کفار اور مشرکین کے خلاف لڑائی کرتا ہو اپنی جان کا نذرانہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دے۔ وہی حقیقی معنوں میں شہید کہلانے کا مستحق ہے۔ صحیح احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شہادت کے ثواب کا کچھ حصہ ان ایمان والوں کو بھی ملتا ہے جو مظلومیت کی حالت میں حادثے کی صورت میں و بلاء کی وجہ سے پانی میں غرق ہونے کی وجہ سے یا درخت یا دیوار گرنے کی وجہ سے وفات پا جاتے ہیں۔

اس باب کے اہم مسائل:

امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ ذیل مسائل کا تذکرہ کیا ہے:

1: شہید وہ ہے جسے مشرکوں نے قتل کیا ہو یا میدان جنگ میں پایا جائے اور اس کے جسم پر زخموں کے نشان ہوں یا جسے مسلمانوں نے ظلماً قتل کیا ہو لیکن اس کے قتل کی وجہ سے دیت واجب نہ ہو یعنی وہ قتل خطانہ ہو بلکہ واجب القصاص قتل ہو۔

2: ایسے شہید کو کفن دیا جائے گا، نماز جنازہ پڑھی جائے گی لیکن اسے نہلایا نہیں جائے گا۔

3: اگر کسی شخص کے متعلق یہ معلوم ہو کہ اس پر غسل واجب تھا اور اسے شہادت

نصیب ہوئی تو اُسے غسل دیا جائے گا۔

4: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حیض اور نفاس والی عورت اور بچے کو بھی

نہلایا جائے گا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جنسی اور بچے کو غسل نہیں دیا جائے گا۔

5: شہید کے جسم پر لگا ہوا خون نہ دھویا جائے اور نہ ہی اُس کے بدن سے کپڑے

اتارے جائیں گے۔ البتہ چمڑے کا کوٹ، صدری وغیرہ، موزے اور ہتھیار اگر اس پر ہوں تو اتار دیئے جائیں۔

6: جو زخمی مرنے سے پیشتر کھاپی لے یا دوائی استعمال کرے یا ایک نماز کا وقت گزر

جانے پر بھی زندہ اور ہوش و حواس میں رہے یا میدان جنگ سے زندہ اٹھالیا جائے تو اُسے غسل دیا جائے۔

7: حد اور قصاص میں جس کو قتل کیا جائے اُسے غسل بھی دیا جائے اور اس کی نماز

جنازہ بھی پڑھی جائے۔

8: باغی اور ڈاکو اگر قتل کیے جائیں تو ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔



باب الشہید

”الشہید من قتله المشرکون او وجد فی المعركة وبه اثر الجراحة او قتله المسلمون ظلماً ولم يجب بقتله دية فيکفن ویصلی علیہ ولا یغسل و اذا استشهد الجنب غسل وكذلك الحائض والنفساء عندابی حنیفة رحمة الله علیہ وكذلك الصبی وقال ابو یوسف رحمة الله علیہ ومحمد رحمة الله علیہ لا یغسلان ولا یغسل عن الشہید دمه ولا ینزع عنه ثیابه وینزع عنه الفرو والحشو والخف والسلاح ومن ارتث غسل والارتث ان یاکل او یشرب او یداوی او یبقی حیا حتی یمضی علیہ وقت صلوة وهو یعقل او ینقل من المعركة حیاً ومن قُتل فی حدٍ او قصاصٍ غسل وصلی علیہ ومن قتل من البغاة او قطاع الطريق لم یصل علیہ۔“

”شہید وہ ہے جسے مشرکوں نے قتل کر دیا ہو یا میدان جنگ میں زخموں کے ساتھ پایا گیا ہو یا اُسے مسلمانوں نے ظلماً قتل کر دیا ہو اور اس کے قتل سے کسی پردیت واجب نہ ہوئی ہو تو ایسے شخص کو کفن بھی پہنایا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی لیکن اُسے غسل نہیں دیا جائے گا۔ اگر کوئی جنبی یا حائضہ عورت یا نفاس والی عورت شہید کر دی جائے تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک انہیں غسل دیا جائے گا اور یہی حال بچے کا ہے لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جنبی اور بچے دونوں کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ شہید سے نہ تو اس کا خون دھویا جائے گا اور نہ اس

سے اس کے کپڑے اتارے جائیں گے لیکن پوسٹین، صدری، موزے اور
اسلحہ اتارے جائیں گے۔ جو کوئی دیر سے فوت ہو یعنی زخم کھانے کے بعد
کھائے یا اس کا دوا دارو کیا جائے یا بقائگی ہوش و حواس اس پر ایک نماز کا وقت
گزر جائے یا میدان جنگ سے زندہ کسی اور جگہ منتقل کر دیا گیا ہو تو اس کو غسل
دیا جائے گا۔ جو کسی شرعی سزا میں یا قتل کے بدلے میں قتل کیا جائے اسے بھی
غسل دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ اگر کوئی باغیوں یا
ڈاکوؤں میں سے قتل کیا جائے (ڈاکے کے دوران تو) اس کی نماز جنازہ نہ
پڑھی جائے۔“

مفردات:

وجد: پایا گیا۔

المعركة: میدان جنگ۔

اثر: نشان۔ علامت۔

الجراحة: زخم۔

دية: خون بہا۔ وہ روپیہ جو قاتل کی طرف سے مقتول کے وارثوں کو ادا کیا جاتا ہے۔

استشهد: شہید کیا گیا۔

الحائض: حیض والی عورت۔

النفساء: نفاس والی عورت۔ نفاس وہ خون ہے جو بچے کی پیدائش کے بعد عورت کے

جسم سے کم و بیش چالیس دن تک جاری رہتا ہے۔

لاينزع: نہ اتارا جائے۔

الفرد: جانوروں کے چمڑے سے بنا ہوا کوٹ۔ پوسٹین۔

الحشو: صدری۔ جیکٹ۔

الخف: موزے۔

السلاح: ہتھیار۔

یداوی: دوا کیا جائے۔

البغاة: باغی کی جمع۔

قطاع الطريق: ڈاکو۔ راہزن۔ قطاع قاطع کی جمع ہے۔ معنی ہے کاٹنے والا۔

الطریق: راستہ۔

مسائل ودلائل

شہید کی تجہیز و تکفین:

﴿﴾: ”شہید کو کفن دیا جائے گا۔“

شہید کو انہی کپڑوں میں کفن دیا جاتا ہے جو اس کے جسم پر ہوتے ہیں۔ امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ کے ”فیکفن“ سے یہی مراد لیا ہے یعنی اُس کے کپڑوں میں ہی اُسے کفن دیا جائے۔ ہاں اگر کپڑے پھٹ چکے ہوں اور ستر پوشی کے قابل نہ ہوں تو پھر نیا کفن دینا جائز ہے۔

چنانچہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ایک نمدے کے کپڑے میں کفنایا گیا۔ نمدہ اس قدر چھوٹا تھا کہ پورا جسم اُس سے نہیں ڈھک سکتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر سر کو نمدے سے اور پاؤں کو گھاس سے ڈھانپا گیا۔

(اصح البخاری) (اصح المسلم)

شہید کا خون:

﴿﴾: ”شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ شہید سے نہ تو اس کا خون دھویا جائے

گا اور نہ اس سے اس کے کپڑے اتارے جائیں گے۔“

شہید کو اس کے خون سمیت دفن کرنا چاہئے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سامنے اسی حالت میں پیش ہو۔ چنانچہ بخاری اور مسلم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی

اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے شہداءِ اُحد کو اُن کے خون سمیت دفن کرنے کا حکم دیا تھا اور ان کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔

شہید کو غسل دینا:

☆: ”اگر کوئی جنبی یا حائضہ عورت یا نفاس والی عورت شہید کر دی جائے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک انہیں غسل دیا جائے گا اور یہی حال بچے کا ہے لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جنبی اور بچے دونوں کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ نہ اس سے اس کے کپڑے اتارے جائیں گے لیکن پوسٹین، صدری، موزے اور اسلحہ اتارے جائیں گے۔“

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر معلوم ہو جائے کہ شہید ہونے والے پر غسل واجب تھا تو اُسے غسل دینا چاہیے۔

چنانچہ غزوہٴ اُحد میں شہید ہونے والوں میں حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن کے متعلق اطلاع دی کہ انہیں فرشتے غسل دے رہے ہیں۔ بعد میں اُن کی بیوی نے بتایا کہ وہ جنگ کے لیے منادی سنتے ہی فوج کے ساتھ روانہ ہو گئے تھے اور انہیں غسل جنابت کا موقع نہیں ملا تھا۔

(متدرک حاکم (سنن بیہقی)

اس حدیث کی رو سے جنبی شہید کے غسل کا ثبوت ملتا ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ فرشتوں کا غسل دینا حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی کرامت و خصوصیت تھی۔ یہ حکم عام آدمیوں کے لیے نہیں۔ اسی طرح بچے اور حیض و نفاس والی عورت کے بارے میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے درمیان اختلاف ہے۔ زائد کپڑے جو شہید کے جسم پر ہوں یا ہتھیار جو حفاظت کے لیے تھے اب شہادت کے بعد چونکہ اُن کی ضرورت نہیں رہی لہذا اُتار لیے جائیں۔

ارتثات کا مفہوم:

☆: ”جو کوئی دیر سے فوت ہو یعنی کھانے کے بعد زخم کھائے یا اس کا دوا دار رو کیا جائے یا باقائمی ہوش و حواس اس پر ایک نماز کا وقت گزر جائے یا میدان جنگ سے زندہ کسی اور جگہ منتقل کر دیا گیا ہو تو اس کو غسل دیا جائے گا۔“

من ارتث علی غسل: ارتثات کے معنی میدان جنگ سے زخمی حالت میں اٹھائے جانے کے ہیں۔ (المنجد)

جو شخص معرکے سے زندہ حالت میں لایا جائے، اس کا علاج کیا جائے یا کچھ کھاپی لے یا ایک نماز کا وقت گزر جائے اور وہ زندہ رہے اور اس کے ہوش و حواس بھی قائم رہیں تو اسے غسل دیا جائے۔ یہی حکم اس شہید کا ہے جو زخمی حالت میں میدان جنگ سے منتقل کیا جائے اور اس کی وفات کچھ دیر بعد ہو۔

قصاص و حد کا مقتول:

☆: ”جو کسی شرعی سزا میں یا قتل کے بدلے میں قتل کیا جائے اسے بھی غسل دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔“ حد اور قصاص میں قتل کیا جانے والا شخص چونکہ شہید نہیں لہذا اسے غسل دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ پر جب حد جاری کی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں غسل دلویا اور جنازہ بھی پڑھایا۔ (فتح القدیر)

باغی اور ڈاکو کی نماز جنازہ نہیں:

☆: ”اگر کوئی باغیوں یا ڈاکوؤں میں سے قتل کیا جائے (ڈاکے کے دوران تو) اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔“

باغی اور ڈاکو اگر ڈاکہ اور بغاوت کے دوران ہلاک کیے جائیں تو ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ فتح القدیر میں ہے کہ ایک حدیث غریب سے یہی بات معلوم ہوئی ہے۔ (فتح القدیر، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 29)

باب : ۲۲

سجدہ تلاوت کا بیان

ابتدائیہ

سجدہ تلاوت کے اہم فقہی مسائل

تجوید تلاوت کا واجب ہونا:

ان تجوید کو تجوید القرآن اور تجوید تلاوت بھی کہا جاتا ہے۔ ان میں نماز کے سجدہ کی تسبیح سبحان ربی الاعلیٰ ہی پڑھی جاتی ہے۔

حنفیوں کے ہاں یہ سجدے واجب ہیں کیونکہ ان کا ثبوت قوی دلائل سے ہے۔
قرآن مجید میں جو بھی سجدہ تلاوت والی آیت آئی ہے اس میں یا تو سجدے کا حکم دیا گیا ہے جیسے:

”فاسجدوا لله واعبدوا“

یا ان لوگوں کی مذمت کی گئی جو آیات قرآنیہ سنتے ہیں لیکن سر بہ تجوید نہیں ہوتے
مثلاً:

”واذا قرى عليهم القرآن لا يسجدون“

بعض آیات میں سجدہ کرنے والوں کی تعریف کی گئی ہے جیسے:

”وینخرون للاذقان یبکون ویزیدہم خشوعاً“

اور کچھ آیات میں سجدہ کرنا انبیاء کا عمل بتایا گیا ہے۔ مثلاً سورہ ص میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق ہے:

”وخرراکعاً واناب“ (ص ۳۸)

ان میں سے ہر صورت سجدہ تلاوت کے وجوب کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

سجود تلاوت کی تعداد اور مواقع:

قرآن مجید میں سجود تلاوت کی کل تعداد 14 ہے۔ احناف کے ہاں سورہ حج میں صرف ایک سجدہ ہے جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو سجدے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سورہ ص میں سجدے کے قائل نہیں اور احناف کے نزدیک اس سورت میں سجدہ ہے کیونکہ یہ سجدہ خود رسول اللہ ﷺ کے عمل سے ثابت ہے۔

مواقع:

احناف کے نزدیک قرآن مجید میں سجود تلاوت کی تعداد 14 ہے۔ جن کی تفصیل یہ ہے:

پہلا: سورہ اعراف کے آخر میں۔

دوسرا: سورہ رعد میں۔

تیسرا: سورہ النحل میں۔

چوتھا: سورت بنی اسرائیل میں۔

پانچواں: سورت مریم میں۔

چھٹا: سورت حج کا پہلا سجدہ۔

ساتواں: سورہ الفرقان میں۔

آٹھواں: سورت النمل میں۔

نواں: سورہ الم تنزیل میں۔

دسواں: سورہ ص میں۔

گیارہواں: سورت حم سجدہ میں۔

بارہواں: سورت النجم میں۔

تیرہواں: سورت الانشقاق میں۔

چودھواں: سورت العلق میں۔

سجود تلاوت کے احکام:

- 1: ان مقامات پر پڑھنے اور سننے والے دونوں پر سجدہ واجب ہے۔ چاہے سننے کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔
- 2: جب امام آیت سجدہ تلاوت کرے تو امام مقتدی ایک ساتھ سجدہ کریں۔
- 3: اگر مقتدی سجدے کی آیت تلاوت کرے تو امام اور مقتدی پر سجدہ لازم نہیں۔
- 4: آیت سجدہ اگر ایسا شخص تلاوت کرے جو نماز میں شامل نہیں تو نماز میں سجدہ نہ کیا جائے بلکہ نماز کے بعد سجدہ ادا کیا جائے۔ اگر نماز ہی میں سجدہ کریں تو یہ کافی نہ ہوگا لیکن نماز بھی نہ ٹوٹے گی۔
- 5: اگر کوئی آدمی نماز سے باہر ”آیت سجدہ“ کی تلاوت کرے اور سجدہ نہ کرے پھر وہی آیت نماز میں پڑھے اور سجدہ کر لے تو دونوں تلاوتوں کے سجدے ادا ہو گئے۔
- 6: اگر نماز سے باہر آیت سجدہ پڑھی اور سجدہ بھی کر لیا پھر نماز میں داخل ہو کر وہی آیت تلاوت کی تو دوبارہ سجدہ کرنا ہوگا۔ پہلا سجدہ اس کے لیے کافی نہیں ہوگا۔
- 7: جب کوئی شخص ایک ہی آیت سجدہ بار بار ایک ہی مجلس میں تلاوت کرے تو ایک ہی سجدہ سب کے لیے کافی ہوگا۔
- 8: سجدہ تلاوت کی ادائیگی کی صورت یہ ہوگی کہ ہاتھ اٹھائے بغیر صرف تکبیر کہہ کر سجدے میں چلا جائے پھر تکبیر کہہ کر سر اٹھائے۔ نہ اس میں التحیات پڑھنا ہے نہ سلام پھیرنا۔



سجدة تلاوت کا بیان

”فی القرآن اربع عشرة سجدة فى اخر الاعراف وفى الرعد وفى النحل وفى بنى اسرائيل ومريم والاولى فى الحج والفرقان والنمل والم تنزيل وصّ وحم السجدة والنجم والانشقاق والعلق والسجود واجب فى هذه المواضع على التالى والسامع سواء قصد سماع القرآن اولم يقصد فاذا تلا الامام اية السجدة سجدها بسجدة الماموم معه فان تلا الماموم لم يلزم الامام ولا الماموم السجود وان سمعوا وهم فى الصلوة اية السجدة من رجل ليس معهم فى الصلوة لم يسجدوها فى الصلوة وسجدوها بعد الصلوة فان سجدها فى الصلوة لم تجزئهم ولم تفسد صلوتهم ومن تلا اية سجدة خارج الصلوة ولم يسجدها حتى دخل فى الصلوة فتلاها وسجد اجزائه السجدة عن التلاوتين وان تلاها فى غير الصلوة فسجدها ثم دخل فى الصلوة فتلاها سجدها ثانيا ولم تجزئه السجدة الاولى ومن كرر تلاوة سجدة واحدة فى مجلس واحد اجزائه سجدة واحدة ومن اراد السجود كبر ولم يرفع يديه وسجد ثم كبر ورفع رأسه ولا تشهد عليه ولا سلام۔“

”قرآن حکیم میں چودہ سجدے ہیں۔ سورۃ اعراف کے آخر میں اور سورہ رعد میں اور النمل میں اور بنی اسرائیل اور سورہ مریم میں اور سورۃ حج کا پہلا سجدہ اور سورۃ فرقان میں اور سورہ نمل میں اور الم تنزيل اور سورۃ صّ میں اور سورۃ

حم سجدہ میں اور سورۃ نجم میں اور سورۃ انشقاق اور سورۃ العلق میں۔ ان جگہوں پر سجدے کرنا تلاوت کرنے والے اور سننے والے دونوں پر واجب ہے۔ خواہ وہ ارادۃ سے یا سننے کا ارادہ نہ کرے۔ پس جب امام آیت سجدہ تلاوت کرے تو وہ بھی سجدہ کرے اور اس کے ساتھ مقتدی بھی سجدہ کرے۔ اگر مقتدی آیت سجدہ تلاوت کرے تو امام اور مقتدی دونوں کو سجدہ لازم نہیں ہے۔ اگر کچھ لوگ نماز کے دوران کسی ایسے شخص سے آیت سجدہ سن لیں جو ان کے ساتھ نماز میں شامل نہیں تو وہ نماز کے دوران سجدہ تلاوت نہ کریں بلکہ نماز کے بعد کر لیں۔ اگر انہوں نے نماز کے دوران سجدہ تلاوت کر لیا تو یہ ان کو کفایت نہیں کرے گا (بلکہ بعد میں بھی کرنا ہی پڑے گا) لیکن اس کی وجہ سے ان کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ جس شخص نے نماز سے باہر آیت سجدہ تلاوت کی اور اس کا سجدہ نہیں کیا حتیٰ کہ نماز شروع کر دی اور نماز میں بھی آیت سجدہ تلاوت کی اور سجدہ کیا اس کو یہی ایک سجدہ دونوں تلاوتوں کی جگہ کافی ہوگا۔ اگر اس نے نماز سے باہر آیت سجدہ تلاوت کی اور اس کا سجدہ کیا پھر نماز شروع کر دی اور نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی تو وہ دوبارہ سجدہ کرے، نماز سے پہلے والا سجدہ اس کے لیے کافی نہیں۔ جس شخص نے ایک ہی آیت سجدہ ایک ہی مجلس میں بار بار تلاوت کی تو اس کے لیے ایک ہی سجدہ کافی ہے۔ جو شخص سجدہ تلاوت کرنے لگے تو اللہ اکبر کہے لیکن ہاتھ نہ اٹھائے۔ چنانچہ وہ سجدہ کرے پھر اللہ اکبر کہہ کر سر اٹھائے۔ اس پر نہ تشهد لازم ہے اور نہ ہی سلام پھیرنا۔“

مفردات:

التالی: پڑھنے والا۔ تلاوت کرنے والا۔

السامع: سننے والا۔

قصد: ارادہ کیا۔

الماموم: مقتدی۔

لم تجزئہم: نہ کافی ہوگا ان کو۔ ناجائز ہوگا ان کے لیے۔

خارج: باہر۔ یہ داخل کی ضد ہے۔

کرر: دوبارہ کیا۔ بار بار کیا۔

مجلس: بیٹھک۔ بیٹھنے کی جگہ۔

مسائل ودلائل

سجدہ تلاوت کے مواقع اور وجوب:

☆: ”قرآن حکیم میں چودہ سجدے ہیں۔ سورۃ اعراف کے آخر میں اور سورہ رعد میں اور النمل میں اور بنی اسرائیل اور سورہ مریم میں اور سورۃ حج کا پہلا سجدہ اور سورۃ فرقان میں اور سورہ نمل میں اور الم تنزیل اور سورۃ ص میں اور سورۃ حم سجدہ میں اور سورۃ نجم میں اور سورۃ الشقاق میں اور سورۃ العلق میں۔ ان جگہوں پر سجدے کرنا تلاوت کرنے والے اور سننے والے دونوں پر واجب ہے۔ خواہ وہ ارادۃً سنے یا سننے کا ارادہ نہ کرے۔“

سورۃ حج میں پہلا سجدہ الم تر ان الله يسجد له من في السموات ومن في الارض پر ہے۔ یہ حنفیہ اور شافعیہ کے ہاں متفقہ سجدہ ہے۔ مگر اسی سورت کے آخر میں یا ایہا الذین امنوا رکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم کی آیت پر شافعیہ کے نزدیک سجدہ ہے، احناف کے نزدیک نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہاں صرف نماز پڑھنے کا حکم ہے سجدے کا نہیں۔ جس طرح کہ سورۃ بقرہ میں وارکعوا مع الراکعین میں جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی کا حکم ہے نہ کہ سجدے کا۔ اس آیت پر سجدہ تلاوت متفقہ طور پر واجب نہیں۔ احناف کہتے ہیں یہی صورت سورۃ حج کے دوسرے سجدے میں بھی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
 ”جب ابن آدم سجدہ کی آیت پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا دور
 بھاگ جاتا ہے۔ وہ کہتا جاتا ہے ”ہائے افسوس! ابن آدم کو سجدے کا حکم ملا تو
 اُس نے سجدہ کیا اور مجھے حکم ملا تو میں نے سجدہ نہ کیا پس میرے لیے جہنم
 ہے۔“

(اصح المسلم) (جنت اللہ کی عظیم نعمت مع دخول جنت کے اسباب) (تفسیر تبيان القرآن، جلد نمبر 1)

اس حدیث میں ”امر ابن آدم“ کے الفاظ سے سجدہ تلاوت کا وجوب ثابت ہوتا
 ہے۔ اسی طرح شیطان کو سجدے کا جو حکم ہوا تھا وہ بھی وجوب کے لیے تھا جس سے انکار
 پر وہ کافر ہو گیا۔ تیسری وجہ یہ کہ شیطان کی مخالفت بھی مومنوں پر واجب ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ
 کے نزدیک سجدہ تلاوت سنت مؤکدہ ہے۔ معنی ابن قدامہ میں ہے کہ ”ایک مرتبہ حضرت
 زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے آیت سجدہ تلاوت کی لیکن
 حضور نبی کریم ﷺ نے سجدہ نہ کیا۔“

اس کا جواب یہ ہے کہ فوری طور پر ادا کرنا ضروری نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ
 ﷺ نے بعد میں سجدہ ادا فرمایا ہو۔ بہر حال وجوب کے دلائل قوی ہیں۔

سجدہ تلاوت سننے والے پر بھی واجب ہے۔ چاہے ارادے سے یا بلا ارادہ
 سن لے۔ چنانچہ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے مصنف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ
 عنہما کا قول نقل کیا ہے:

”السجدة على من سمعها۔“

”سجدہ اُس پر بھی واجب ہے جو اس کو سن لے۔“

نصب الراية میں امام زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اسی معنی کی غریب حدیث مرفوعاً
 بھی نقل کی ہے۔ متعدد احادیث صحیحہ میں رسول اللہ ﷺ کی تلاوت پر مسلمانوں کا سجدہ
 کرنا ثابت ہے۔

سجدہ تلاوت کا طریقہ:

☆: جو شخص سجدہ تلاوت کرنے لگے تو اللہ اکبر کہے لیکن ہاتھ نہ اٹھائے۔ وہ

سجدہ کر دے پھر اللہ اکبر کہہ کر سر اٹھائے۔ اس پر نہ تشہد لازم ہے اور نہ ہی سلام۔“
سجدہ تلاوت کے لیے با وضو ہونا، ستر پوشی، قبلہ رو ہونا اور نیت بھی ضروری ہے۔
فتح الباری میں حضرت عبداللہ بن عمر کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

لا یسجد الرجل الا وهو طاهر۔

کوئی آدمی سجدہ نہ کرے مگر پاکیزہ ہو کر۔

بچے، مجنون، حیض و نفاس والی عورت پر سجدہ تلاوت واجب نہیں لیکن اگر کوئی شخص

ان لوگوں سے سجدہ کی آیت سن لے تو اس پر سجدہ واجب ہوگا۔

ایک آیت سجدہ کی بار بار تلاوت:

☆: ”جس شخص نے ایک ہی آیت سجدہ ایک ہی مجلس میں بار بار تلاوت کی

تو اس کو ایک ہی سجدہ کافی ہے۔“

اگر سجدہ کی آیت بار بار تلاوت کی جائے اور مجلس ایک ہو یعنی ایک ہی جگہ پر

تلاوت کی گئی ہو تو ایک ہی سجدہ سب کے لیے کافی ہوگا کیونکہ قرآن مجید حفظ کرنے

والوں اور معلمین کے لیے یہ بے حد مشکل اور تکلیف دہ بات ہوگی کہ ہر دفعہ دہرانے پر

سجدہ کریں۔



